اسلام اور مغرب

سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

ناشر

مکتبۂ فردوس — مکارم نگر، برولیا، لکھنؤ – ۲۰

مکتبۃ الشباب العلمیہ — ندوہ روڈ، لکھنؤ – ۲۰

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب.......................اسلام اور مغرب

نام مصنف.......................سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی

تعداد صفحات.......................۳۶۸

سنہ طباعت دوسرا ایڈیشن مع اضافہ.......................۲۰۱۱ء مطابق ۱۴۳۲ھ

قیمت.......................

کمپوزنگ.......................حافظ محمد اسماعیل

باهتمام

عبد الله مخدومی ندوی

تقسیم کار

مكتبة الشباب العلمية

ندوہ روڈ، ٹیگور مارگ، لکھنؤ-۲۰

Mob.No: 09198621671,09696437283

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر
پیش لفظ	۷
مقدمہ جناب پروفیسر وصی احمد صدیقیؒ	۹
تمہید	۱۵
باب اوّل: اسلام پر مغربی یلغار	
طاقت کا غرور	۲۱
شکست خوردہ ذہنیت اور دریدہ دہنی	۲۵
اسلام اور مغرب	۲۹
اسلام کے مقابلہ میں بیمار ذہنیتوں کا رول	۳۵
مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال	۴۱
آزدیٔ رائے ایک دلفریب نعرہ	۴۷
اسلام پر دشمنوں کی یورش	۴۹
دہشت گردی کے الزامات اور مسلمانانِ ہند	۵۵
ایک خطرناک اور مذموم انسانی جرم	۵۹
مغرب اور اہانت رسول ﷺ	۶۵
موجودہ حالات اور مسلمان	۷۱
میڈیا اور انسانی قدریں	۷۵

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد ۸۱
زوال پذیر مغرب اور مستقل اسلام، چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟؟ ۸۹

باب دوم: مسلمان اور دعوتی جدوجہد

تبلیغ و دعوت انسانیت کی مسیحائی ۹۹
دعوت اسلامی اور اس کے نتائج ۱۰۵
دعوت اسلامی اور استحصال پسند عناصر ۱۰۹
شریعت اسلامی کے نفاذ کی طرف ۱۱۷
ہم اور ہمارا اسلام ۱۲۱
عقیدۂ توحید اور مسلمانوں کا موقف ۱۲۷
اسلامی دعوت اور نوجوان ۱۳۳
کردار کے آئینے میں ہماری تصویر ۱۳۹
ہماری زندگی میں مصائب و آلام کا راز ۱۴۳
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے ۱۴۷

باب سوم: عالمی قیادت کے زریں اوصاف

اسوۂ ابراہیمی اور شیوۂ آزری ۱۵۷
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا ۱۶۳
احتساب اور اکتساب ۱۶۷
انسان اپنے کو پہچان! ۱۷۱
معاشرۂ انسانی کی تعمیر میں دل کا کردار ۱۷۷
اسلامی اصول ہی موجودہ مسائل کا حل ۱۸۳

معاشرہ کی تعمیر میں اسلامی تہذیب کا قائدانہ کردار ۱۸۷
اسلام امن وسلامتی کا مذہب ۱۹۳
اسلام اور امن عالم ۱۹۹
اسلام کا نظریۂ تعلیم وتربیت ۲۰۴
ہندوستان کی قدیم اسلامی صحافت کے دو نمونے ۲۰۷
انسانیت کی تعمیر میں صحافت کا کردار ۲۱۱
امن وسلامتی کا علم بردار مذہب اسلام ۲۱۵
صبر کا مقام مؤمن کی زندگی میں ۲۱۹
اسلام ایک سرچشمۂ حیات ۲۲۳
اسلام کا معیار فضیلت ۲۲۹
بیداری کے آثار ۲۳۵
خوداعتمادی کی ضرورت ۲۳۹
ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ۲۴۵
پروپیگنڈہ نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے ۲۵۱
میرے لئے میرا خدا بس ہے ۲۵۵
ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ ۲۵۹
اسلام اور عقیدۂ ختم نبوت ۲۶۳
اسلام میں تعلیم وتربیت کا مقام اور نصاب تعلیم....... ۲۶۹
نصاب تعلیم اور ندوۃ العلماء ۲۷۹
دعوت دین وقت کی ضرورت ۲۸۵
مزید تیاری کی ضرورت ۲۸۸
اسلامی بینک کاری: وقت کی اہم ضرورت ۲۹۱

باب چہارم: مسلم معاشرہ کے کمزور ترین پہلو

مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی ۳۰۵

بدگمانی اور اس کے خطرناک اثرات ۳۰۹

غیبت معاشرہ کا ایک کمزور ترین پہلو ۳۱۳

ہماری سوسائٹی کی بیماریاں ۳۱۷

اسلام اس کا نام نہیں ۳۲۳

اسلام سے بیزاری کیوں؟ ۳۲۷

داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک ۳۳۳

کیا بھولے، کیا یاد رکھا، اخلاقی قدروں سے؟ ۳۴۱

کرسکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت ۳۴۵

خانہ ساز شریعت یا آئینہ کتاب وسنت ۳۵۱

وقت یا تلوار.....................! ۳۵۵

مسلم خواتین اور عالمی سیاست ۳۵۹

تمباکو نوشی اور اسلام ۳۶۵

دختر کشی یا نسل کشی؟! ۳۶۹

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

معرکۂ حق و باطل کے ضمن میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش کا موضوع گذشتہ دو صدیوں سے سرفہرست رہا ہے، اور اسی لیے یہ اس پوری مدت میں داعیان اسلام، علماء، مفکرین اور محققین کی توجہ کا مرکز و محور رہا ہے، جنھوں نے اپنی تقاریر اور مباحثوں کے ذریعہ اسلام اور مغرب کی کشمکش کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔

اسلام اور مغرب کے موضوع پر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی زید مجدہ کا زیر نظر مجموعۂ مضامین بھی اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی اور اس موضوع سے متعلق تحریروں میں قابل قدر اضافہ ہے۔

اس مجموعہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں تقریباً ان تمام پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے جو اسلام کی مغرب سے کشمکش کے سلسلہ میں عصر حاضر میں اہمیت کے حامل ہیں اور جن کے سلسلہ میں امت مسلمہ خصوصاً نئی مسلمان نسل کو رہنمائی کی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا دامت برکاتہم نے امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ کے حالات و مسائل پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ وطن عزیز ہندوستاں میں پیش آنے والے اہم واقعات کا بھی بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے راہ راست کی طرف رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اس مجموعۂ مضامین کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ 1964 سے آج تک جتنے مسائل پر بھی مولانا نے قلم اٹھایا ہے ان کو پڑھنے کے بعد زمانہ کے طویل فاصلہ کا احساس ہی نہیں ہوتا، جو فکر، جو طرز، جو انداز، جو دعوت کا رنگ، جو ملت کا درد، جو اعتماد کی صور پھونکنے

کی تڑپ، جو اتحاد کی پکار، جو بڑی سے بڑی طاقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کا حوصلہ اور جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے قربانی، ثابت قدمی، استقلال و پامردی کے ساتھ جد وجہد اور اس پر مہمیز کرنے کی کیفیت و جذبہ آج سے چار دہائی قبل کے مضامین میں نظر آتا ہے بالکل وہی رنگ آج بھی ہے۔

اہل علم کی رائے میں مولانا اگر چہ عربی کے بلند پایہ ادیب، صحافی اور مایہ ناز قلم کار ہیں جن کی تحریروں نے عالم عرب کے اعلیٰ تعلیم یافتہ سے عربی زبان وادب کے میدان میں اپنی عبقریت کا لوہا منوایا ہے اور عرب ممالک کے علماء، مفکرین، اسلامی تحریکوں کے قائدین و کارکنان مولانا کی تحریروں اور مولانا کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "البعث الاسلامي" سے خود بھی روشنی حاصل کرتے رہے ہیں اور ان کو پھیلانے اور عام کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کرتے ہیں، تاہم پیش نظر مجموعہ مضامین سے مؤلف کی اردو زبان وادب پر دسترس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے؛ بلاغت، زور بیان، تاثیر، سلاست، دل میں اتر جانے کا وصف ان تحریروں کا طرۂ امتیاز ہے۔

مولانا کی تحریر کی ایک خوبی یہ ہے کہ سخت ترین حالات اور گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھی مولانا امید کی کرن اور روشنی کی چمک دیکھ لیتے ہیں، وہ کہیں مایوس نظر نہیں آتے، بلکہ مخالف حالات میں بھی دھارے کو بدل ڈالنے اور طوفان کا رخ پلٹ دینے کی دعوت دیتے ہیں، قرآن کریم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال مولانا کے زور قلم میں چار چاند لگا دیتا ہے۔

اسلام اور مغرب کے موضوع پر اس گلدستہ مضامین کے شائع ہونے پر توقع ہے کہ اس بیش قیمت تحریر سے اسلامی ذخیرہ میں ایک وقیع اضافہ ہوگا اور یہ مجموعہ مضامین موجودہ دور میں امت مسلمہ، بالخصوص نئی نسل کی رہنمائی کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئرمین آئی او ایس، دہلی

مقدمہ

جناب پروفیسر وصی احمد صاحب صدیقیؒ
(سابق معتمد مال ونائب ناظم ندوۃ العلماء)

یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی نے مختلف اوقات میں لکھے، کچھ ریڈیو سے براڈ کاسٹ ہوئے، کچھ مختلف باوقار جریدوں میں شائع ہوئے، ان مضامین کے اکٹھا کرنے اور کتابی شکل دینے کا کام ان کے شاگرد مولوی محمد فرمان ندوی نے انجام دیا ہے، جس کے لئے وہ بے حد تعریف کے مستحق ہیں، ورنہ یہ ہیرے موتی فائلوں میں بند رہتے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقعہ بہت کم لوگوں کو ملتا۔

جناب مولانا اسلامی دنیا کی ایک بڑی جانی بوجھی شخصیت ہیں، ان کی شہرت اپنے ملک کی سرحدوں سے نکل کر عالم عرب میں پہنچ چکی ہے، جہاں ان کا ان کے علم وفضل کے سبب سے بے حد اکرام ہوتا ہے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں، وہ ایک متبحر عالم، ایک شاندار معلم، مؤرخ اور مفکر ہیں، کلاسیکل دینی مضامین پر گہری نگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ علوم جدیدہ سے بھی گہرا تعلق رکھتے ہیں، اور حالات حاضرہ، ان کے وقوع اور وجوہات پر ایک ماہر کی طرح نگاہ ڈالتے ہیں۔

تحریر کا جو ملکہ مولانا کو ودیعت ہوا ہے وہ محض ایک ہنر نہیں ہے، بلکہ ایک وجدانی

قوت ہے، یہ مصنف کے علم، روح کی پاکیزگی اور قوت بصیرت کی آئینہ دار ہے، یہ مضامین متنوع اور منفرد ہیں، گو ایک مشترک نام کے تحت جمع کیئے گئے ہیں، الگ الگ موضوعات پر ہونے کے باوجود ایک ربط فکری رکھتے ہیں، یہ رابطہ آفرینی کی دانستہ کوشش کے سبب سے نہیں ہے، بلکہ مصنف کی مزاجی کیفیت کے سبب سے ہے:

اسلام تیرا دین ہے، تو مصطفوی ہے

یہ مضامین مولانا کی اصابت رائے اور سلامت طبع کو گہرے اور شدید جذبات کے ساتھ بیان کرتے ہیں، یہاں ایک ہیئت اور ایک وحدت ہے، حکمت اور بصیرت آمیختہ ہیں، عبارت کا تیور اور لب ولہجہ معنی کو ہر پڑھنے والے تک پہنچا دیتا ہے، مضمون نگار کی کیفیت نفسی پڑھنے والے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، کہیں تکلف اور تصنع نہیں، سارے مشاہدات اصلی، سارے جذبات فطری اور سارا بیان سادہ اور پُر کار ہے، جہاں آنسو بہے ہیں وہ انسان کے آنسو ہیں، کوئی بات فہم سے بالا نہیں، کوئی بات انفرادی اور مقامی نہیں، بلکہ عمومی اور ہمہ گیر ہے، وہ پڑھنے والے سے اس علم کی بات کرتے ہیں جو اس کی رسائی میں ہو۔

مولانا کی تحریر اور فکر میں ایک جمالیاتی حسن بھی ہے، اور حقیقت شناسی اور حقیقت نویسی کے ساتھ فلسفیانہ انداز فکر بہت نمایاں ہے، کلی صداقتیں ہیں، یہ مجموعہ ایک ایسی لذت کا سرچشمہ ہے جو ماضی میں جھانک کر اس کے حسن کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، ایک ایسا رنج ہے جو حال کی بے اعتدالی یا گم رہی دیکھ کر دل ودماغ کو متاثر کیئے ہے، ایک پیغام بھی ہے کہ مستقبل سے ناامید نہیں ہونا ہے اور حال کو بھی سنوارا جا سکتا ہے، یہ مضامین ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے آئینہ دار ہیں، ان میں ضوافگنی کی طاقت ہے۔

یہ مضامین پڑھنے والے کے دل میں بے چینی کے ساتھ عزم پیدا کرتے ہیں، جو کچھ ہو رہا ہے وہ بے حد ناپسندیدہ ہے، اس کی تلافی ہونی چاہئے، ہمیں ایک نئی فطرت نہیں تخلیق

کرنی ہے، نشأۃ ثانیہ بھی کہنا ضرورت سے زیادہ ہے، ہمیں وہی آب وتاب لانی ہے جو ماضی میں ہماری شان تھی، ہمیں اپنی فطرت میں بالیدگی پیدا کرنی ہے، اسی پیغام کو دہرانا ہے جو رسول امی ﷺ کا دیا ہوا ہے اور جس پر عمل کر کے ہمیشہ سر بلند رہے، ہماری قدریں ازلی اور ابدی ہیں، کمرے کی وہ کھڑکیاں جو اس گلستاں کی طرف کھلتی ہیں انہیں کھولنا ہے، پھر انہیں پھولوں کو دیکھنا ہے، ان کی خوشبو کو اپنے جسم اور دل ودماغ میں بسالینا ہے، یہ کتاب اخلاقی ہدایت کے ساتھ حسن بیان سے بھی مزین ہے، یہ تحریر اخلاق کی مدد اور معاون ہے، یہ باتیں نئی نہیں ہیں، اکثر لوگوں کے دل ودماغ میں ہیں، مگر ایسے عمدہ طریقے سے کبھی بیان نہیں ہوئیں، یہاں ہدایت اور تعلیم ہے، مولانا کی نگاہ غائر ہے، وہ بتا رہے ہیں کہ ہمارا دین، ہماری نفسیات اور نظام کائنات سب متوازی ہیں، یہ دنیا مزرع آخرت بھی ہے اور ایک انجمن بھی، مولانا نے حقیقت کو انجمن کی زینت بنا دیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر مراقبہ کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی، جو صوفیوں کو بہت محبوب ہے، یہاں مکمل سکون کی کوئی خواہش نہیں، یقیں محکم اور عمل پیہم کا پیغام ہے، اسباب اور علل کی توضیح ہے، جن کے حواس فریب خوردہ ہوں ان کو ایک مرد مومن کا مرقع دکھایا جارہا ہے۔ گوش حقیقت نیوش میں حقیقی باتیں ڈالی جارہی ہیں، یہ صرف حلقہ خواص کے لئے نہیں، خواص پسند ہونے کے باوجود مولانا کی گفتگو عوام سے ہے۔

مولانا کا پیش لفظ بھی عالمانہ نکات سے بھرپور ہے، مولانا نے اس دور کی جاہلیت کا عرب کے عہد جاہلی سے مقابلہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر آئے ہیں کہ یہ دور اُس دور سے زیادہ بد نصیب اور جاہلیت کے شکنجوں میں جکڑا ہے، عرب کے اس دور جاہلیت کے خلاف سرکار دوعالم ﷺ نے علم جہاد بلند کیا اور اسلام کا پیغام دیا، جس نے عرب کی کایا پلٹ کردی اور ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ بنا۔

مولانا نے بتایا کہ مغرب کا نام نہاد ترقی یافتہ معاشرہ جدید جاہلیت کا مکمل نمونہ ہے اور

جب اہل مشرق نے اس کو اپنانے کی کوشش کی تو صرف اس جاہلی پہلو کو اپنانے کی کوشش کی۔

اس کتاب کے مضامین دیگر نظاموں، نظریات اور تمدنی فلسفے کے بالمقابل اسلامی منہج حیات کی اہمیت، اس کے بقائے دوام اور انسانی مزاج سے ہم آہنگ ہونے کے بارے میں کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔

کتاب کی ابتداء طاقت کے غرور سے ہوتی ہے، حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون کی لڑائی قرآن میں مکالموں کے ذریعہ سے بیان ہوئی ہے، اور بقول مضمون نگار کے ''یہ ایک مختصر کہانی ہے جو ایک ابھرتی قوم کے مٹنے اور مٹتی ہوئی قوم کے ابھرنے کی ہے، یہ عبرتوں سے لبریز ہے، اور قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ ہے''۔

ایسا ہی مضمون ''مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال'' ہے، اس مضمون کی خاص بات یہ ہے کہ مادیت کے سامنے سپر ڈالنے والے لوگوں کی نفسیات بیان کی ہے، کیسے مادیت پسندی مقصدی شکل اختیار کرتی ہے، اس کی جڑیں مغرب کی مادہ پرست تہذیب میں ملتی ہیں، مضمون خالص منطقی نتائج سے وابستہ ہے، انجام کی طرف روشنی ڈالی کہ آج اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کا زوال اسی سبب سے ہے، ایسا ہی مضمون ''اسلام پر دشمنوں کی یورش'' ہے، یہ یورش اسلامی ممالک میں ہر قسم کی معدنیات اور زمینی ذخائر کی موجودگی کے سبب سے ہے۔

مضامین کا یہ سلسلہ قائم ہے، یہ مضامین بیانیہ نہیں ہیں، بلکہ فکر اور دلائل سے حالات کی پیچیدگی کو بیان کیا ہے، اور نتائج پر آئے ہیں، اسلام کے خلاف مغرب کی عداوت اور کینہ کی بھیانک صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے،۔

اب مضامین سیل رواں کی شکل اختیار کر رہے ہیں، کسی مضمون میں ایک مذموم انسانی جرم پر تبصرہ ہے، شکست خوردہ ذہنیت اور دریدہ ذہنی کو روشنی میں لاتے ہیں، کوئی بھی مضمون ہو کلام پاک ہی سے استفادہ کرتے ہیں، اس کی آیتوں کو لکھتے ہیں اور صورت حال کو اس کی روشنی

میں واضح کرتے ہیں، قرآن ہی ان کی سوچ کا ملجا ہے، یہی پیغام ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اسی ہی میں سب کی فلاح اور بہبود مضمر ہے، لوگوں کو عمل پر ابھارنے کی تاکید ہے: آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کرو، سو ابھی دیکھ لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ، اس کا رسول اور اہل ایمان، جو بگاڑ آیا ہے وہ صرف امید، آرزو سے دور نہیں ہوگا، بلکہ اس کی اصلاح تبلیغی دعوت کے ساتھ قول و فعل میں مطابقت پیدا کر کے اسلامی سیرت کو ایک واضح شکل میں پیش کرنے سے ہو گی، اس سے زیادہ بھلی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے، نیک کام کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں، مولانا نے فرمایا کہ مسلمانوں کو صحیح اسلام سے روشناس کرنے کے لئے کسی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت نہیں، ان کو حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے وہ سبق حاصل ہو سکتا ہے،، جو کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا، اسی طرح مولانا کا مضمون ''عقیدۂ توحید اور مسلمانوں کا موقف'' پر ہے، مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں غیر اللہ کی عبادت کی کوئی گنجائش نہیں، وہ کفر اور شرک کے محرکات سے بھی دور رہنے کا حکم دیتا ہے، انتہائی چشم کشا مضمون ہے۔

اس وقت زمانہ صاحب کردار اور باشعور مسلمان کا منتظر ہے، جس کی رگوں میں اخلاص کی روح جاری اور ساری ہو، تعلیمات دین کا پیکر ہو، شخصیت و کردار اور ایمانی فداکاریوں کے نمونے پیش کرے۔

مضمون ''ہماری زندگی میں مصائب اور آلام'' میں مولانا نے فرمایا کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے قائدانہ منصب کو ٹھکرا دیا اور غلامی کی زندگی پر راضی ہو گئے، خودداری اور شرافت کی زندگی بسر کرنے کی روش ترک کر دی، ہم اپنی بدبختی اور نامرادی کو دوسروں کے سر پر نہیں تھوپ سکتے، بہرحال حق و باطل کی کشمکش جاری رہے گی اور اہل عبرت کے لئے سامان عبرت فراہم کرتی رہے گی، مولانا نے اقبال کا شعر لکھا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

واقعی روز اول سے یہ سلسلہ قائم ودائم ہے۔

اسوۂ ابراہیمی اور شیوۂ آذری میں مولانا کے اندر کا شاعر بیدار ہوا ہے، پورا مضمون ''بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق'' کی توضیح اور تفسیر ہے، کیسے آگ انداز گلستاں پیدا کرتی ہے۔

مضامین کا یہ سلسلہ جاری اور ساری ہے، ہر مضمون کا ماحصل یہی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا وجود ہر فساد کی اصلاح، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ظلم وستم کے خاتمہ اور تمام زمانوں میں ہر جگہ حیات بشری کی خوش بختی اور فلاح کی ضمانت لیتی ہے، اللہ نے جو رسول ہمارے لئے بھیجا وہ ایک بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان اور یقین رکھے اور خدا کو خوب یاد کرے۔

یہ مقدمہ غیر ضروری طور پر طویل ہوتا جارہا ہے، کیا عرض کیا جائے بقول سعدی ''نہ حسنش غائتے دارد، نہ سعدی راسخن پایاں'' اب اس کو ختم کرتا ہوں، حالانکہ بہت کچھ لکھنے کورہ گیا ہے، یہ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ اللہ اس ابر گہر بار کو ایسا ہی برستار رکھے اور موتیوں سے سب کے دامن بھر جائیں۔

وصی احمد صدیقی (۱) ۱۴۲۹/۹/۱۱ھ

معتمد مال ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۲۰۰۸/۹/۱۳ء

---

(۱) ۲؍شوال ۱۴۳۱ھ کو پروفیسر صاحب دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرماگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

تمہید

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین،أما بعد:

اس ترقی یافتہ عہد میں جب کہ تہذیب وتمدن اور علم وسائنس کی روشنی سے ساری دنیا روشن ہے، بہت کم ذہن اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے کہ یہی زمانہ ظلمت وجاہلیت کے عروج اور انسانوں کی بدنصیبی اور شقاوت کا عہد بھی ہے، تاریخ میں عرب کے عہد جاہلی کو جو شہرت حاصل ہے اس عہد کو مستقبل کی تاریخ میں شاید اس سے زیادہ شہرت حاصل ہو، عرب کا عہد جاہلی بلاشبہ تاریخ کا ایک عجیب تاریک اور بدنصیب دور سمجھا جاتا ہے ۔لیکن چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو موجودہ دور اس سے بھی زیادہ بدنصیب اور جاہلیت کے شکنجوں میں جکڑا ہوا نظر آئے گا، فرق صرف اتنا ہے کہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دور کی جاہلیت بھی ترقی پذیر ہو چکی ہے۔

عرب کی جاہلی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو فتنہ وفساد، قتل وغارت اور طبقاتی کشمکش، قبائلی تعصب اور ظلم وجور کے دن رات پیش آنے والے واقعات کے ساتھ بت پرستی، اور خدا بیزاری کی ایسی گھناؤنی شکلیں نظر آئیں گی، جہاں جبین انسانیت شرم سے عرق آلود ہو جائے، اسی جاہلیت کے خلاف محمد رسول اللہ ﷺ نے علم جہاد بلند کیا اور انسان کو اس کے صحیح مقام سے آشنا کیا، اور سارے عالم کے لئے ایک ایسا پیغام پیش کیا جو قیامت تک کے لئے اس کے ہر دکھ درد کا مداوا تھا، اور وہ تھا اسلام کا پیغام، جس نے دیکھتے دیکھتے عرب کی

جاہلی زندگی کی کایا پلٹ دی، اوراس کو ایک ایسے مثالی معاشرہ سے تبدیل کر دیا جو رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ بنا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم واقف ہے۔

لیکن آج ہم پھر ایک بہت بڑی جاہلیت سے دو چار ہیں، یہ جاہلیت عرب کی جاہلیت سے بھی زیادہ تاریک، زیادہ گہری، اوراس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس جاہلیت کا سر چشمہ اللہ کی حاکمیت سے بیزاری ہے، جس کے لئے آج کی بڑی بڑی ایجادات اور محیر العقول مادی دریافت میں ہرگز کوئی جواز نہیں ہے، یہ جاہلیت خدا کی صفت خلق وابداع کو انسانوں کی طرف منسوب کرتی ہے، چنانچہ قدیم جاہلیت بت پرستی کی داعی تھی تو جدید جاہلیت میں ایک انسان دوسرے انسان کو خدا مانتا ہے اوراس کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہے، قدیم جاہلیت میں فتنہ وفساد، تعصب، ظلم وجور اور قتل وخونریزی کی جتنی خصوصیات پائی جاتی تھیں، جدید جاہلیت میں اس سے کہیں بڑھ کر یہ چیزیں موجود ہیں، یہ صحیح ہے کہ موجودہ جاہلی زندگی میں بت پرستی اس طرح رائج نہیں ہے، لیکن یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس زندگی میں خدا اور خالق کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے، اور وہ نجاستوں اور ناپاکیوں میں اس طرح ملوث ہو چکی ہے کہ معصیت اور شرک کی ہر بدترین شکل اس کی نظر میں دلفریب اور دیدہ زیب ہے اور وہ اس کا بڑھ کر استقبال کرتی ہے۔

مغرب کی ترقی یافتہ زندگی اس جدید جاہلیت کا مکمل نمونہ ہے اور اہل مشرق جب بھی اس کی تقلید شروع کرتے ہیں تو اس کے بہت سے اچھے ظاہری پہلوؤں کو چھوڑ کر صرف اسی جاہلی پہلو کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں خدا اور بندے کا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ انسان ہی انسان کا حاکم اوراس کا خدا ہوتا ہے۔ ان حالات میں دنیا کو ایک صحیح قیادت ورہنمائی کی ضرورت ہے، جو صرف اسلام ہی پیش کرسکتا ہے۔

یہ مجموعہ ان مضامین پر مشتمل ہے جو دیگر نظاموں، نظریات اور تمدنی فلسفے کے بالمقابل اسلامی منہج حیات کی اہمیت اوراس کے بقاء ودوام اوراس کے انسانی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہونے کے بارے میں کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔

کتاب کے اکثر مضامین مختلف مجلات ورسائل میں شائع ہو چکے تھے، اور کچھ بروقت بھی لکھنے کی توفیق ہوگئی، سارے مضامین میں قدر مشترک اسلام اور اسلامی نظام حیات کی برتری اور اس کی عظمت ہے، اس لئے اس کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا بعض عزیز بھائیوں اور خاص طور سے عزیزی محمد فرمان ندوی استاد دار العلوم نے مشورہ دیا، اور انھیں کی کوششوں سے یہ مجموعہ تیار ہوا، اس لئے امید ہے کہ ناظرین کرام اس کتاب کو ایک بامقصد عمل تصور فرمائیں گے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چند سال قبل ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے ادارہ او آئی ایس کی طرف سے شائع ہوا تھا، اس کا دوسرا ایڈیشن مزید کچھ اضافوں کے ساتھ مکتبة الشباب العلمیة مکارم نگر کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر اس سلسلہ کے تمام معاونین اور اس ناچیز پر احسان عظیم فرمائیں۔ (آمین)

راقم الحروف
سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی
مدیر "البعث الاسلامی"
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۴۲۹/۰۸/۲۳ھ
۲۰۰۸/۰۸/۲۶ء

باب اول:

اسلام پر مغربی یلغار

طاقت کا غرور

ہم اس وقت ایک ظالم اور متکبر بادشاہ کے سامنے ہیں، ایک ایسے سرکش حکمراں کے سامنے جس کی آنکھوں پر تکبر وسرکشی کی غلیظ چادر چڑھی ہوئی ہے اور جو اپنی حماقت اور کند ذہنی کی وجہ سے خدائی کا دعویدار ہے اور "أنا ربكم الأعلىٰ" کا اعلان کررہا ہے، یہ اپنے وقت کا سب سے بڑا سرکش اور ظالم ومتکبر بادشاہ فرعون ہے۔

فرعون سرزمین مصر کا حکمراں، جس نے پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے اور رعایا کو انتہائی بے دست وپا سمجھ کر ذلت وغلامی کے بندھن میں جکڑنا چاہتا ہے، وہ فرعون جو اشرف المخلوقات انسان کو جانور سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں، اور جس نے دنیا میں اپنے زمانے کی سب سے عظیم امت اور اپنے وقت کی بلند وبرتر قوم بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں ڈھکیل دینے کے لئے پوری قوت صرف کردی ہے، وہ ایک نبی کی اولاد کو ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے وہ اپنے آخری حربہ کو استعمال کررہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو فرعون کی یہ سرکشی، اس کا استکبار اور اس کی حماقت پسند نہیں آئی، اس نے چاہا کہ اس قوم کو عزت وبلندی کے اس مرتبہ پر قائم رکھے جو ان کا حق تھا اور غلامی اور ذلت کی تاریکیوں سے نکال کر ایک ایسی روشنی ان کو عطا کرے جو رہتی دنیا تک باقی رہے، اور جو آنے والی قوموں کے لئے مشعل ہدایت بن سکے، چنانچہ اس روشنی کا سب سے پہلا نور اسی قوم کے ایک نومولود بچے کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کا نام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہے۔

موسیٰؑ مختلف آزمائشوں اور امتحانات سے گذرنے کے بعد اب نور نبوت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہیں، وہ فرعون سے مقابلہ کرنے کے جذبے سے سرشار ہیں، ظلم وتکبر کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں اور انسان کو اس کے حقیقی مرتبہ پر واپس لانے اور غلامی کی زنجیر سے نجات دلانے کے لئے پوری طرح کمر بستہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کی امانت عطا فرمائی اور ہر موقع پر اپنی مدد ان کے ساتھ رکھی، اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی اور اپنی پوری مدد کا ان کو یقین دلایا۔

یقین کی بے پناہ قوت اور ایمان کے جذبہ سے سرشار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ظالم فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے قوم کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا، ایمان کی دعوت دی اور خدائے واحد کو معبود ماننے کا مطالبہ کیا۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ جرأت دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰ! کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس کی ہم نے بچپن میں پرورش کی اور تم ایک مدت تک یہاں مقیم رہے، اس کے باوجود جو کچھ تم نے کیا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، بلکہ وہ سراسر کفران نعمت ہے، احسان ناشناسی ہے۔

موسیٰؑ نے تلخ لہجے میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کو تم نے غلام بنالیا، یہی وہ تمہارا احسان ہے جسے تم جتا رہے ہو، اے اللہ کے بندوں کو غلام بنانے والے ظالم حکمراں! تو نے میری قوم کو غلام بنایا، ان کو حقیر سمجھا اور طرح طرح سے ان کی توہین کی، کیا یہی تیرا وہ عظیم احسان ہے جو تو یاد دلا رہا ہے۔ اور احسان مند ہونے کا مطالبہ کر رہا ہے۔؟!

موسیٰؑ کی حق گوئی سے فرعون کا دربار گونج اٹھا، اور فرعون کی خدائی لاجواب ہو کر رہ گئی۔ لیکن سلطنت کے غرور اور عزت وعظمت کے نشہ نے فرعون کے اندر انتقام کی آگ بھڑکا دی، اس کے درباریوں نے اس آگ کو مزید ہوا دی، لوگوں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اسی طرح چھوڑ دیں گے، تاکہ وہ زمین میں فساد برپا کریں اور وہ آپ اور آپ کے معبودوں سے منھ موڑ لیں۔

فرعون نے جواب دیا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ ہم ان سے اس کا انتقام لیں گے اور

ان کی عورتوں کو چھوڑ کر ان کے تمام مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ان کو ہماری بالادستی کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرعون کی یہ دھمکی سن کر گھبرا گئی، حضرت موسیٰؑ نے ان کو اطمینان دلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کا وارث بنائے اور نیک انجام تو ہمیشہ اللہ سے ڈرنے والوں کا رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایمان کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ فرعون کے جادوگروں نے جو خالص فرعون کے پروردہ اور اس کی رعایا تھے، اور فرعون کی خدائی اور اس کی ربوبیت کے معترف تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آئے تھے، انہوں نے بھی مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرعون کے بھرے دربار میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔

"جادوگر سجدے میں گر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے"۔

فرعون یہ کیفیت دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اس نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ تم نے اس شہر کے لوگوں کو نکالنے کی سازش کی ہے تو اس کا انجام تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ تمہارے ہاتھ پیر مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

ایمان لانے والے جادوگروں نے نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ صاف صاف یہ اعلان کر دیا کہ "تم کو جو کچھ کرنا ہو کر لو، زیادہ سے زیادہ تم ہماری اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر دو گے، ہم تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں"۔

اس کے بعد فرعون کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں، یہ مختصر سی کہانی ہے ایک ابھرتی ہوئی قوم کے مٹنے اور مٹتی ہوئی قوم کے ابھرنے کی، جو عبرتوں سے لبریز ہے اور جس میں قوموں کے عروج و زوال کی پوری تاریخ موجود ہے۔

شکست خوردہ ذہنیت اور دریدہ دہنی

اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف صلیبی یہودی عداوت دشمن کے رگ و پے میں خون کی مانند گردش کرتی رہتی ہے اور زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ ساتھ اس کی شکلیں بھی بدلتی رہتی ہیں، کبھی زبان وقلم کی قینچی سے اسلام کی تصویر بگاڑی جاتی ہے اور کبھی فکری وتہذیبی حملے کئے جاتے ہیں، کبھی اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں سوقیانہ خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، اسلامی شعائر اور اس کے مقامات مقدسہ کی توہین کی جاتی ہے اور سابقین اولین صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں کوشش کی جاتی ہے کہ ان کے مقام بلند سے کھلواڑ کیا جائے اور خلفائے راشدین کی شان عالی میں گستاخی کی جائے۔ اسلام کے خلاف ان کی یہ معاندانہ روش یہیں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ نبی پاک ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے سلسلہ میں میں الزام تراشیاں کی جاتی ہیں۔ تاریخ اسلام ان جیسے نازک وحساس مراحل سے بارہا گزر چکی ہے اور ان خرافات سے بار بار اس کا سابقہ پڑ چکا ہے، افسوس کہ ان خرافات کی نشر واشاعت کی مکمل ذمہ داری دنیا کے بڑے بڑے نشر واشاعت کے مراکز نے لے رکھی ہے، ابھی رشدی کا قضیہ ذہنوں سے محو نہیں ہوا ہے۔

جب کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم انسانیت میں بلند اخلاقیات کا وجود اسلام کا مرہون منت ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء محمد عربی ﷺ کی بدولت ہے، اس بات کی شہادت قرآن کریم نے بھی اسلوب بدل بدل کر دی ہے، کتنی آیتیں ہیں جن میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رحمت عالم محمد عربی کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور کسی بھی مومن کا ایمان اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ خدا اور رسول اکرم ﷺ دونوں پر

بیک وقت ایمان نہ لائے اور شکر ووفاداری کا نذرانہ اس وقت تک ادانہیں ہوسکتا جب تک اس بات کا اقرار نہ کرے کہ ساری دنیا حضور ﷺ کی بعثت کی مرہون منت ہے جنہوں نے علم وعرفان کا دریا بہایا اور زندگی کو ایک پاکیزہ عقیدہ سے مزین کیا اور لوگوں کو آداب زندگی سکھائے اور جہالت وعداوت، بغض وحسد کی تنگ گھاٹی سے نکال کر اخوت ومحبت کی جولان گاہ میں لاکھڑا کیا اور ایسے صالح معاشرہ کی تشکیل کی جس نے انسانوں کا مقام بلند کیا اور ایک پرامن اور شریفانہ زندگی گزارنے پر آمادہ کیا، اور ان کے اندر جدوجہد، حرکت ونشاط اور فعالیت کی روح پیدا کی اور اس طرح اسلامی تہذیب کی بنیاد پڑی، اس نے عالم انسانیت میں عفت وپاکیزگی کا مزاج ایسے وقت میں پیدا کیا، جس وقت انسان اپنا مقام کھو چکا تھا اور لوگوں کی زندگیاں امتیاز رنگ ونسل، قومیت ووطنیت کے مختلف خانوں میں بٹ گئی تھیں اور انسانی خواہشات کا غلام بن کر رہ گئی تھیں، جہاں طاقتور کمزور پر حکومت کرتا اور امیر فقیر پر، اور پوری انسانیت کے ساتھ ذلیل غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا بلکہ جانوروں سے بھی بدتر۔

لیکن حضور ﷺ کی بعثت نے ان تمام آمرانہ وانتہا پسندانہ روایات کا خاتمہ کیا اور پوری انسانیت کو ایک صف میں لاکھڑا کیا، اور ہر انسان کو جینے کی آزادی عطا کی، حدود میں رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دی، اس کو آپسی خیرخواہی، بھائی چارگی، محبت والفت کی تلقین کی، فضیلت وعزت اور اشرفیت کے سارے جھوٹے پیمانوں کو منسوخ کیا اور سب کے لئے ایک پیمانہ اور ایک معیار مقرر کیا اور وہ تقویٰ الٰہی ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علو شان، خدا سے آپ کے گہرے قرب وتعلق اور آپ ﷺ کی محبوبیت، فرشتوں کے درمیان آپ ﷺ کی ہردل عزیزی کی شہادت دی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا چرچا کیا، آپ ﷺ کا بوجھ ہلکا کیا، اور آپ کے مخالفین کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے ذلت وخواری لکھ دی، لہذا اپنی کتاب ''زادالمعاد'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں اور وحی سماوی کے پاسبان وامین اور اللہ کے منتخب شدہ اور خدا اور بندے کے درمیان واسطۂ دینِ مستقیم کے فرستادہ اور راہ حق کے راہبر ہیں، ان کو اللہ نے رحمت عالم امام الانبیاء اور ساری مخلوقات ارضی کے لئے امن و محبت کا پیامبر بنا کر مبعوث فرمایا۔

آپ ﷺ نے سب سے زیادہ واضح راستے کی طرف رہنمائی کی اور تمام بندگان خدا پر آپ ﷺ کی اتباع کو لازم قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ کی محبت وعظمت اور آپ ﷺ کے حقوق کو خدائی شان قرار دیا گیا، دخول جنت کے لئے دامن مصطفوی سے وابستگی مشروط کی گئی، لہٰذا آپ ﷺ کے سینہ کو کھول دیا گیا، آپ ﷺ کی شہرت کو دوام عطا ہوا، آپ کے بوجھ کو ہلکا کیا گیا اور آپ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے کی قسمت میں ذلت ومسکنت لکھ دی گئی۔

چنانچہ مسند ابومنیب جرشی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " بعثت بالسيف بين يدي الساعة حتى يعبد الله وحده لاشريك له، وجعل رزقي تحت ظل رحمي وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري ومن تشبه بقوم فهومنهم " ''پس جس طرح ذلت ونکبت عاصی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے اسی طرح عزت وسربلندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی قسمت کے ساتھ وابستہ کردی گئی ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين " (منافقون:۸) عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمانداروں کے لئے ہے، "فلا تهنوا وتدعوا إلى السلم، وأنتم الأعلون، والله معكم" (محمد:۳۵) ''پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ، جبکہ تم ہی بلند وغالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے" يـأيهاالنبي حسبك الله ومن

اتبعك من المؤمنين (أنفال:٦٤) اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مؤمنوں کو جو تیری پیروی کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت پر جو احسانات وانعامات اور نوازشیں کی ہیں، وہ حد شمار سے فزوں تر ہیں، اور یہ عالم جدید اپنی ثقافت، اپنے کلچر اور اپنی صنعت، اپنی ایجادات میں رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا مرہون منت ہے، اگر آپ ﷺ کا وجود نہ ہوتا تو نہ آداب ہوتے، نہ اخلاق اور نہ علوم وفنون کی کثرت، اگر آپ کی ہستی نہ ہوتی تو انسانیت اپنے پیام ومرتبہ سے نا آشنا رہتی، نہ وہ فریضۂ خلافت کی اہل قرار پاتی، بلکہ شقاوت وبدبختی اور نخوت وانانیت کے گڑھے میں پڑی ہوتی۔

ان ملحدوں اور غفلت شعاروں کو یاد رکھنا چاہئے جن کے دل اپنی کرتوتوں کی وجہ سے اس طرح سے زنگ آلود ہوگئے کہ فضائل ورذائل، شقاوت وسعادت کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت بھی جاتی رہی اور وہ گمراہی وضلالت میں پڑے ہوئے بدنصیبی اور شقاوت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

لہٰذا نہ انہیں رذائل کی پرواہ ہے نہ گندے حالات کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ اور افترا پردازیوں کی جو صاف صاف گواہی دی ہے انہیں اس کو ہرگز نہ بھولنا چاہئے، وہ کان کھول کر سن لیں۔

"كبرت كلمة تخرج من أفواههم، إن يقولون إلا كذبا"

(کہف:۵)

''بہت بڑی بات ہے جو ان کے زبان سے نکل رہی ہے، وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے''

☆☆☆

اسلام اور مغرب

موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی نگاہوں میں تمام قدیم افکار ونظریات اور دیرینہ قدریں قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی ہیں، اور وہ انسان جو گذشتہ زمانہ میں بادشاہوں اور حکمرانوں کے غیظ وغضب کے سایہ میں زندگی کے لمحات گذارتا تھا، آج وہ اس ترقی یافتہ اور سائنسی اور صنعتی دنیا کے اندر قدیم تہذیب کے دلدل سے نکل کر کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اور زندگی کے دوسرے شعبہ جات میں حصول متاع کے لئے تگ ودو کرتا نظر آرہا ہے۔

اہل مغرب کا اقوام عالم کو یہ باور کرانے کی کوشش کہ انسان کی ترقی اور فلاح اسی میں پنہاں ہے کہ وہ قدیم تہذیب وتمدن کو پس پشت ڈال دے اور زمانے کے بدلے ہوئے اصول میں وہ اپنے روشن وتابناک مستقبل کو تلاش کرے، زمانے کی ہر نرم وگرم چیز کو قبول کرتا جائے، اور دنیاوی جاہ ومتاع کے حصول کے لئے اسلام کے چھوڑے ہوئے ورثہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ خیر باد کہہ دے، اس بے بنیاد وغلط نظریہ کے تحت اہل مغرب اور ان کے رنگ میں رنگنے والے لوگ اسلام کے علمبرداروں اور اس کے نام لیواؤں کو جو اسلامی تہذیب وثقافت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، اور اسے حرز جاں بنائے ہوئے ہیں، انسانی سوسائٹی کے لئے ہمہ وقت ایک خطرہ سمجھ رہے ہیں، اور اسلامی تہذیب وتمدن کو ایک جاہلانہ تصور خیال کرر ہے ہیں، اور لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت وعداوت کا بیج بوتے رہتے ہیں اور اسلام سے رشتہ رکھنے والے کو احمق، جاہل اور قدامت پرست کے نام سے یاد کرتے ہیں، اہل مغرب کی یہ دریدہ ذہنی اور شیدائیان اسلام کے خلاف اس پروپگنڈے نے ان کے درمیان حقیقت کا ایسا لبادہ پہن لیا ہے کہ جس سے نکل کر اسلام کے بارے میں

کچھ سوچنا اور سمجھنا ان کی نسل کے لئے ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا ہے، لیکن نائن الیون (Nine Eleven) کے اس واقعہ نے جس میں اہل مغرب نے اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کے لئے پوری طاقت جھونک دی اور بساط اسلام کو سمیٹ کر ایک گمنام وادی میں پھینک دینے کی بھرپور کوشش کی اور اس پر قدامت و جہالت کا ایسا تیر و نشتر چلایا کہ اس رویہ نے خود ان کے مابین اسلام کی حقیقت اور اس کی تاریخ و ثقافت کو سمجھنے کے لئے ان کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کر دیا، ان کے ذہن و دماغ میں رہ رہ کر یہ سوال اٹھنے لگا کہ آخر اس کے ماننے والوں کے اصول و قواعد کیا ہیں؟ اس کے لانے والے کی تاریخ کیا ہے؟ دور حاضر میں اس کی افادیت کہاں تک ہے؟ اور کس قدر زندگی کے لئے منفعت بخش ہے؟ یہی وہ سوال تھا اور یہی وہ خلش تھی جس نے اہل یورپ کو نگاہ حقیقت سے تاریخ اسلامی کو دیکھنے پر مجبور کیا، اس کی تہذیب و ثقافت کو کھنگالنے پر انھیں آمادہ کیا، اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کو معلوم کرنے کا ان کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کر دیا، چنانچہ اس واقعہ کے بعد یورپ کی ایک کثیر تعداد نے تاریخ اسلامی کے ذخیرے کی ورق گردانی کی، اور اس کی تہذیب و ثقافت کو چشم حقیقت سے دیکھا، اس کے پیغمبر کی پاکیزہ زندگی کی سچائیوں اور خوبیوں کو جاننے کی بھرپور کوشش کی جس کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ اسلام ہی سارے درد کا درماں اور تمام ذہنی بیماریوں کا علاج ہے، وہ سسکتی بلکتی انسانیت کے لئے ایک حیات بخش پیغام رکھتا ہے، وہ کمزور و بے بس، مظلوم و مجبور انسانوں کی آخری پناہ گاہ ہے، اس کے پاس ہر پریشانی کا ایک بہترین حل اور ہر تشنگی کو بجھانے کے لئے چشمۂ صافی ہے، لہٰذا مذہب اسلام کے اس معروضی مطالعہ کے نتیجہ میں ان کے ذہن و دماغ پر شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کی جمی ہوئی تہیں چھنٹ گئیں اور وہ اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر بے اختیار اس کے کشور نور کی جانب لپک پڑے، اور اس کی کرنوں سے اپنے ظلمت کدوں کو روشن کر دیا، ان کے دلوں کی سرد انگیٹھی کو گرما دیا، ان کے احساسات و رجحانات کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور آج ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یورپ، امریکہ، فرانس اور ڈنمارک میں اسلام اور

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بہت عزت واحترام سے لیا جانے لگا اوران کے باشندے ان الفاظ سے مانوس ہونے لگے، اور دانشوارانِ فرنگ مذہب اسلام اوراس کے مقدس رسول کی پاکیزہ زندگی کو مسخ کرنے کے لئے جو حربہ استعمال کرتے رہتے ہیں، وہ خود انھیں کے گلے کی پھانس بنتا جارہا ہے، اورانھیں کے معاشرہ کے لئے خطرناک ثابت ہورہا ہے، اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے ماضی کے ریکارڈ پرایک نظر ڈالئے آپ کو بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ خرمن اسلام کو پھونکنے کے لئے ایندھن جمع کرنے والے مطلع تاریخ پر پاسبان اسلام کی صورت میں جلوہ گر ہوئے بقول شاعر۔

ہے عیاں یورش تا تار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چنانچہ ڈنمارک سے شائع ہونے والا کارٹون جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر کو شائع کیا گیا، اوراس پرتمام مسلم ممالک نے احتجاج کیا، یہ خود یورپ میں اور خاص طور سے ڈنمارک کی سرزمین پراسلام کی نشرواشاعت کا ذریعہ بن گیا، اور وہاں کے باشندے اسلام کی طرف مائل ہونے لگے، اوراس کے سایہ میں زندگی کے لمحات گذارنے کے لئے بیتاب وبےقرار ہونے لگے، اور یہ ایک انکشاف ہے کہ فرانس کے اندر مسلمانوں کی تعداد میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہورہا ہے، اسی کو کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے یورپین ممالک کا، دوسری جانب مصر کی سرزمین پر آج بڑے وسیع پیمانے پرغیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں کو اسلامی دعوت کے نورانی سایے کی جانب آنے کی دعوت دی جارہی ہے، اور وہ شرح صدر کے ساتھ اسلام کو اپنے سینے سے لگارہے ہیں، اسلام کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت وتاثیر کو دیکھ کرعیسائیت کے علمبرداروں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگا اور وہ سلگ اٹھے، ردعمل کے طور پر مسلم نوجوانوں کو وہ مختلف طریقوں سے اپنے دام فریب میں مبتلا کررہے ہیں اوران کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے نئے نئے ہتھکنڈے اپنارہے ہیں، کبھی انھیں مال ودولت کے ذریعہ اپنا غلام بنارہے ہیں تو کبھی مہ وشوں کا سہارا

لے کر سادہ لوح نوجوانوں کو پھسلانے کے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں، مسلم نوجوانوں کے ذہن میں یہ زہر بھی گھولا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے مسلم علماء نے عیسائیت کی تبلیغ کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا، اسی پر بس نہیں بلکہ ہیجان انگیز جنسی فلموں (Blue Films) میں ممتاز علماء کی جھوٹی تصویریں اس انداز سے پیش کی جا رہی ہیں گویا ہوس و جنس پرستی ان علماء کا بہترین مشغلۂ حیات تھا، مسلم نوجوانوں کے سامنے جب اس طرح کی تصویر آتی ہے تو ان کے دلوں میں اسلام کے تئیں نفرت و ناپسندیدگی کا شعلہ بھڑکنے لگتا ہے مگر قدرت کا نظارہ دیکھئے کہ ان تمام مخالف ہواؤں کے باوجود آج اسلام لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتا جا رہا ہے مصر کی سرزمین پر روزانہ عیسائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلام میں داخل ہو رہی ہے، جبکہ عیسائی مشنری کو ہر موڑ پر پریشانی جھیلنی پڑ رہی ہے، اگر زمین اس کے لئے تنگ ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے، تو آسمان اس پر غضب آلود نگاہیں ڈال رہا ہے، جب کہ اسلام کی طرف لپکنے والوں کی تعداد خود ان کے لئے باعث تشویش بنتی جا رہی ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

عصر حاضر میں یورپ کے تعلق سے ماہرین نفسیات نے ایک ایسی عقلی اور دماغی بیماری کی جراثیم (اسلام فوبیا) کا انکشاف کیا ہے کہ اس مرض کا شکار انسان اسلام کی نفرت کی آگ میں خود بخود جھلسنے لگتا ہے اور اس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتا ہے، اسی گھناؤنی ذہنیت نے اہل یورپ کو اسلام کے اندر ایسی تبدیلیاں کرنے کے مطالبہ پر آمادہ کیا جو اسلام، عصر حاضر اور ترقی یافتہ دور اور ترقی یافتہ انسان کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ ہو، بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب اسلام سے یورپ کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے تمام قدیم امتیازات و تشخصات کو پامال کر کے موجودہ یورپ کی سفاک مادی تہذیب کے رنگ میں اپنے کو رنگ دیں، یہ ایک ایسی تجویز اور ایسا مطالبہ ہے کہ جس کی بنیاد پر اسلام کی حیثیت اس پیر فرتوت کی رہ جاتی ہے جو عہد شباب اور بہار کے لمحے گذار کر اب خانہ نشینی پر مجبور ہے اور

جس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اسلام کے خلاف دلوں میں پنپنے والا یہ قہر آلود حسد صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ دیگر مذاہب کی مشرکانہ اور جاہلانہ رسم و رواج اور خود ساختہ ادیان کی شہ رگ کو کاٹ کر اور وحدانیت کا پرچم لہرا کر ساری انسانیت کو اسلامی شریعت کے اس لازوال کینوس میں لانے کے لئے کوشاں ہے جو عالم بشری کے لئے ابر کرم کی مانند ہے اور ہر ہر موڑ پر انسانی زندگی کے لئے درد کا درماں فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مذہب اسلام سے اسلام دشمنوں کی نفرت وعداوت یہ کوئی عہد جدید کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ یہ وہ دیرینہ بیماری ہے جو یہود ونصاریٰ کو گھن کی طرح کھا گئی جس کی شہادت خود کلام پاک میں موجود ہے "ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم" (بقرۃ:۱۲۰) یہود ونصاری ہرگز ہرگز آپ سے خوش نہیں ہو سکتے تا آنکہ آپ ان کے دھرم کو اپنالیں، کیسی ناسمجھی ہے کہ یورپ اس اسلام کے نام سے تھرارہا ہے جو صدق وصفا، اخلاص و وفا، عبادت وطاعت اور اچھے اعمال کا داعی اور نقیب ہے۔ اور جو ظلم وزیادتی، اخلاقی امراض، محارم ورذائل اور غلط طریقے سے لوگوں کے مال کو کھانے اور ہڑپ کرنے پر قدغن لگاتا ہے، یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جو سماج کو اور انسانی زندگی کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک کر کے پاکیزگی اور طہارت کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے کھلے ہوئے اور روشن راستے کی طرف بلارہا ہے، آج وہی آنکھوں کا تنکا ہی نہیں بلکہ شہتیر اور دل کی پھانس بنا ہوا ہے۔

"وأن هذا صراطي مستقيما، فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله: (أنعام:۱۵۳) میرا یہ سیدھا راستہ ہے، اسی پر چلو اور دوسری پگڈنڈیوں سے دور رہو کہ وہ تم کو صحیح اور سیدھی راہ سے دور کردیں گے۔

☆☆☆

اسلام کے مقابلہ میں' بیمار ذہنیتوں کا رول

اسلام کی حقیقت اوراس کی روح سے ناآشناافراد اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ دینِ متین کا وہ کونسا محور ہے، جو تمام تہذیبی وتمدنی فلسفوں اور نظریات پر حاوی ہے، ادیان وملل کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں، اور غیر جانبداری کے ساتھ مذاہب کا علم رکھنے والوں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیمات ہی وہ تعلیمات ہیں جنہیں بقاودوام حاصل ہے۔ چنانچہ جب اس کی تعلیمات سدا بہار، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور قریب تر ہیں تو ان کا یہ فطری حق ہے کہ ہر زمانے میں انہیں بروئے کار لایا جائے، ہر طرح کی ترمیم واصلاحات سے انہیں محفوظ رکھا جائے اور سخت سے سخت حالات اور وقتی وعارضی منافع ومصالح کے سامنے، اس کی فعالیت اور برتری کو ثابت کیا جائے۔

مذہب اسلام کی تعلیمات کو بعض ان مذاہب کی تعلیمات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں روئے زمین پر گنتی کے چند دن باقی رہیں، پھر تبدیل وتحریف کا شکار ہوگئیں یا اپنے عہد کے ساتھ رخصت ہوگئیں، اسلام کی تعلیمات تو زمانے کے دست وبرد سے محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گی، کیونکہ رب قدیر نے ہر طرح کے تغیر وتبدل سے ان کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود لے لی ہے، اسی حقیقت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آشکارا کیا ہے،''إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحفظون " (حجر:۹)(کہ اس قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبِ اسلام جس زندگی کو تشکیل دینا چاہتا ہے اس کا معنی ومفہوم سائنس وٹکنالوجی اور تہذیبی ترقیات کے اس دور میں دیگر تہذیبی وثقافتی اور معاشرتی

وسماجی مفاہیم کے ساتھ خلط ملط ہوگیا ہے، حتیٰ کہ یہ صورتحال اب ان مسلم تعلیم یافتہ طبقوں کے یہاں بھی دیکھنے کو مل رہی ہے جنہوں نے شریعتِ اسلامی کا عملی تجربہ نہیں کیا ہے اور نہ اسلام کے مثالی معاشرے میں زندگی گذارنے کا انہیں موقع ملا، جبکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے حیرت انگیز ٹکنالوجی اور اس کی ایجادات واکتشافات اور سائنس کے میدان میں مادی تہذیبوں کی رفتاروں کا مشاہدہ کیا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں یہ احساس گھر کر چکا ہے کہ ''اسلام'' موجودہ کاروانِ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتا اور نہ مہذب ومثقف انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل میں ہاتھ بٹا سکتا ہے، کیونکہ اس کے اندر ''جدیدیت کی روح'' بالکل مفقود ہے، اور اس کے پاس نت نئے مسائل کا حل موجود نہیں ہے، نئے نئے چیلنجوں سے پنجہ آزمائی اور حملوں کا منھ توڑ جواب دینے کی اس میں طاقت وقوت نہیں ہے، ایک طرف تو یہ بات ہے، دوسری طرف ان کے لئے شریعت اور اس کے حاملین پر یلغار کرنے اور ان پر رجعت پسندی، تنگ زاویۂ فکر اور محدودیت کا الزام تراشنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ جس نے ان کو نت نئے سوالوں کا جواب دینے سے عاجز کر دیا ہے جو ذہنی آزادی، اخلاقی بے راہ روی، مرد وزن کو مساوات کا درجہ دینے اور ان کو، طرزِ عمل اور کسبِ معاش میں ایک پوزیشن پر لا کھڑا کرنے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کے یہ طبقے جو بظاہر اسلام کے نام لیوا نظر آتے ہیں، لیکن بباطن اسلام سے اس درجہ بدظنی رکھتے ہیں کہ اسے درویشوں اور فقیروں کا دین گردانتے ہیں، آج ان کا حال یہ ہوگیا ہے کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو رہے ہیں، خود کو تو بے وقعت وبے حیثیت کر ہی رہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ مثالی افراد کی تاریخ کو بھی داغدار کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں جن کو اسلام نے گندے ماحول، وحشیانہ سلوک، غیر فطری طرزِ عمل، انتہائی درجے کی ذلت وپستی اور ان جیسے دیگر بدترین احوال سے نکالا تھا، جہاں یہ اپنی زندگی کے شب وروز بسر کر رہے تھے۔

یہ جماعتیں اسلام کے ہمہ گیر احسانات کو فراموش نہ کئے جانے کے باوجود فراموش کرنے

کی سعی نامشکور کررہی ہیں، کیاانہیں وہ دن یادنہیں جب انسان ظالمانہ محکومی وغلامی کے بوجھ تلے دباجارہاتھا، روم وایران کی متمدن ریاستوں میں قسم قسم کی شقاوتیں اور تیرہ بختیاں ان کانصیب بن گئی تھیں، یہودیت ونصرانیت کے علمبرداروں اور دیگر حاملین مذاہب کے مابین معرکہ آرائیاں اور خانہ جنگیاں چھڑی ہوئی تھیں، جن میں ہزاروں بے گناہ لوگ جان بحق ہوئے، ایسے نازک مرحلہ میں اسلام نے جومثالی اور تاریخی رول ادا کیاہے اور جو درخشاں کارنامے اور زریں خدمات انجام دیئے ہیں، کیاانہیں فراموش کیاجاسکتاہے؟۔

قرآن مجید نے اسی صورتحال اور آپس میں دست گریباں جماعتوں اور قوموں کا نقشہ اپنے معجزانہ اسلوب میں یوں کھینچاہے " واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا، وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها" (آل عمران:۱۰۳) اللہ کاانعام اپنے اوپر یادرکھو، جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سوتم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڈھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔

آج بکثرت یہ دیکھنے کومل رہاہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں دولتِ اسلام سے نوازاہے، اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی توفیق دی ہے ان لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیداہورہاہے کہ کیااسلام، علم وٹکنالوجی کے اس نئے دور میں بھی لائق تنفیذ اور قابل عمل ہے؟ چنانچہ وہ علمائے اسلام اور داعیانِ عظام پر قدیم صالح اور جدید نافع کی روشنی میں کوتاہ فہمی، زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے ناواقفیت وناتجربہ کاری اور تہذیبی وتمدنی معاشرہ کی تشکیل میں ناکامی کاالزام تراشتے پھرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے مشاہدات اور مفروضہ خیالات کو ایمان وایقان کی دولت سے مالامال شخص پر لازم کرنے کاجواز نکال لیاہے، اور اس ''معتدل اسلام'' کوپیش کرنے میں کوتاہی نہیں برتی جو حالاتِ زمانہ اور بیمار ذہنیتوں کے تقاضوں کے عین مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہو۔ اور ان کی تمنایہ ہے کہ ''امتِ مسلمہ'' گردشِ دوراں اور مصائبِ زمانہ کے زدمیں آجائے، وہ اس امت کے خاتمہ کے لئے غیر معمولی کوشش کرنے

سے باز نہیں آرہے ہیں، جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''خیرامت'' کے لقب سے سرفراز فرما کر پوری دنیا کی قیادت وامامت اور رہنمائی وہدایت کیلئے اس صفحۂ ہستی پر مبعوث فرمایا ہے اور جنگل کے خودرو سبز گھاس کی طرح بے یارومددگار نہیں چھوڑا۔

ان ہی فرسودہ افکار وخیالات اور کھوکھلے مظاہر کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں، ایسے کمزور عقائد رکھنے والی جماعتیں وجود میں آگئی ہیں جو شریعتِ اسلام اور اس کی ثقافت کو داغدار کرنے میں کوشاں ہیں، یورپی قائدین نے اپنے تخریبی منصوبے کے استحکام کی خاطر ان کا استحصال کیا اور وہ مسلمانوں کی معنوی صلاحیت کو مسخ کرنے اور مذہبِ اسلام کی صاف وشفاف شکل وصورت کو بگاڑنے اور اس کی روشن وتابناک شریعت کو بدصورت بنانے میں مصروف ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تخریبی افکار وخیالات کا دائرہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں متعاون ہوتا چلا جارہا ہے۔

آج قرآن وحدیث میں تحریف وتبدیل کرنے کی جو بدترین کوششیں کی جارہی ہیں، اور اس ناپاک مقصد کو پورا کرنے کیلئے جو ایک زبردست مالی بجٹ تیار کیا جارہا ہے، وہ اس میدان میں ہونے والی زبردست سرگرمیوں اور ان کے سنجیدہ اعمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

مقامِ افسوس ہے بلکہ زیادہ صحیح ترلفظوں میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جگر کو چاک کردینے والی بات ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنے دشمن وحریف ''اہلِ مغرب'' کی کوششوں اور سرگرمیوں کو تیز کرنے، ان کی نکمی ومعمولی پونجی کو بڑھاوا دینے میں ان کی شریک وسہیم ہے، جبکہ اس کا دیوالیہ نکل چکا ہے اور اس کا کھوٹ دودو چار کی طرح ہر صاحبِ بصیرت کے نزدیک عیاں اور بے نقاب ہوگیا ہے۔

''یریدون لیطفئوا نور اللہ بأفواھھم، واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون''(صف:۸) وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے گل کرنا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کرکے رہے گا، اگرچہ منکرین ناپسند کریں۔

مغربی سامراج جو مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کررہا تھا،

اس کی یہی تمنا رہتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ غلامی ومحکومی کی زندگی گذارتا رہے، تاکہ وہ علم وثقافت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے بارے میں کچھ سوچ بھی نہ سکے اور اس کا احساسِ دوروں اور ان کی باطنی کیفیات بڑے بڑے اہم امور کے سلسلے میں بالکل ہی ختم ہوجائیں، اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے انہوں نے ایک مخصوص نصابِ تعلیم وضع کیا ہے جس کا زندگی کے تمام میدانوں میں حتی کہ معاشی مسائل میں بھی فائدہ نظر نہیں آرہا ہے۔ امتِ مسلمہ کو نقصان پہونچانے اور اس کو احساسِ کمتری کے آخری درجہ میں لانے کی جو جان توڑ اور انتھک کوششیں مغربی سامراج اور ان کے ہم نواؤں نے کی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن اسے شومیٔ قسمت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ سامراجیت کے خاتمے اور ملکوں کی آزادی کے باوجود وہ قومیں جو مدتوں مغربی سامراج کے زیرسایہ زندگی گذارتی رہیں، وہ اس دور کے انسانی معاشرے کے ناپسندیدہ متروکہ اشیاء سے بھی بے تعلق نہ ہوسکیں اور کماحقہ ان کو مبغوض ومکروہ بھی نہ تصور کرسکیں۔

اگر عالمِ اسلام اپنے فطری علوم ومعارف اور قدرتی وسائل سے مالا مال نہ ہوتا تو سامراجی افراد کی مصنوعی ایجاد کردہ قحط سالیوں سے دوچار ہوجاتا، لیکن انہوں نے اس کے بجائے مسلمانوں کو ان کے ایمان وعقائد سے برطرف کرنے کی ہر ممکنہ کوششیں کیں، کبھی شریعت میں تحریف وبتدیل اور خرد برد کرکے، تو کبھی معاشرتی نظام میں لاقانونیت وبدنظمی پھیلا کر، کبھی معاشی وتجارتی معاملات میں سود کے استعمال کو ناگزیرضرورت قرار دیکر اور کبھی شخصی منافع اور دنیاوی مصالح کی بنیاد پر تمام تر تعلقات قائم کرکے، کبھی مسلم عورتوں کو گھروں سے نکال کر شاہراہوں پر لا کھڑا کرکے، تو کبھی سیاسی واقتصادی امور میں ان کو حصہ دلا کرکے، حتی کہ الیکشنوں اور رفاہِ عامہ کے کاموں اور سرکاری دفاتر میں ملازمت دے کر، کوئی کہاں تک گنائے، خلاصہ یہ کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ تمام شعبہائے زندگی میں سہیم وشریک کرکے مسلم قوموں کے عقائد وایمان اور ان کی غیرت کو ختم کرنے کی انہوں نے سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کی ہے۔

اس طرز کہن کے ذریعہ مادی طاقتوں سے لیس مغربی کیمپ مسلم ممالک کو شکار کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں اور اب وہ ایسے اسلام نما معاشرہ کی تشکیل کے در پے ہیں جو صرف چند ظاہری شکل وصورت ہی میں اسلام کی نمائندگی کرے، اور عقائد اور ایمانی اصولوں کا اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری اور عقائد کی برتری سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

اس طرح مغربی کیمپ اقوام تاریخ اسلام کی شبیہ بگاڑنے میں کامیابی وشادکامی کی راہ پر گامزن ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ مذہب اسلام کی تہذیب وثقافت اور اس کی کتاب وشریعت کو ختم کرنے میں ناکام ہی رہیں اور رہیں گی، کیونکہ اس دین کی بقا وتحفظ اور دیگر ادیان پر اسکے تفوق وبرتری اور غلبہ وتسلط کی ذمہ داری خود خالق کائنات نے لے لی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''**وهو الذی أرسل رسوله بالهدی ودين الحق ليظهره على الدين كله، وكفى بالله شهيدا**'' (فتح: ۲۸) وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کرے اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کے کافی ہے۔

☆☆☆

مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال

اس تغیر پذیر دنیا میں جہاں ہر طرف تہذیب وتمدن، علم وادب، فکر وفن اور انسانی ترقی کے جدید ترین مسائل کا چرچا ہے، جہاں انسان انسان کے مقابلہ میں اور حکومتیں حکومتوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں مصروف ہیں اور تمام توانائیوں کے ساتھ اکیسویں صدی کی ترقیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تیاریاں کی جارہی ہیں، وہیں انسان کی بیش قیمت زندگی کو مادیت پسندی کا سیلاب اپنے تیز دھارے میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو بہالے جانا چاہتا ہے، اخوت، ہمدردی، غمخواری وغمگساری، بے لوث محبت اور انصاف وشائستگی انسان کی عملی زندگی میں کوئی تعمیری کردار ادا کرنے سے قاصر ہے، مال کی محبت اور اس سے والہانہ عشق انسان کو اس کے بلند مقام سے گرانے کے عمل میں مصروف ہے، کہاں انسان کے پیدا کرنے والے پروردگار نے بنی نوع انسان کو "ولقد کرمنا بنی آدم ــــ" (اسراء:۷۰) یعنی ہم نے آدم کی اولاد کو عزت وعظمت سے نوازا، کا اعلان عام سنایا، اور کہاں انسان کو اس لازوال نعمت سے محروم کر کے اسفل السافلین میں گرانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔

یہ ایک عجیب وغریب تضاد ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر چھایا ہوا ہے، ایک حساس اور باغیرت انسان سیرت کی تعمیر کے ساتھ عالم کی تعمیر میں مصروف ہونا اپنی سعادت ووفاداری کے اظہار کا ذریعہ تصور کرتا ہے، وہ مادی مسائل سے پوری طرح مستفید ہونے کے ساتھ روحانی اقدار اور انسانی رشتوں کو جلا بخشنے کی کوششوں میں ہمہ دم مصروف نظر آتا ہے، وہ

انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے اور بنی نوع انسان کے لٹتے ہوئے سرمایہ کو محفوظ کرنے کی سعی پیہم میں مشغول رہتا ہے، دنیا میں خواہ کتنی ہی برائیاں پھیلی ہوئی ہوں، کتنے ہی گناہ سرِ بازار کیئے جا رہے ہوں، اور کتنی ہی بداخلاقیاں علی الاعلان ہو رہی ہوں، لیکن اس تاریکی میں بھی روشنی کی کرن اور اس خود غرض ماحول میں بھی جذبۂ ایثار و مودت موجود ہے اور مادیت زدہ معاشرہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے، جن کے ہاتھوں عدل وانصاف، ایثار وسخاوت، ہمدردی واخوت اور محبت وتعاون کی فضا فروغ پاتی ہے اور خود غرض سوسائٹی میں بھی زندگی کی ایک نئی کرن نظر آتی ہے:

لیکن ایک عمومی جائزہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مادیت کی اس دوڑ میں کسی نہ کسی حد تک ہر شخص شریک نظر آتا ہے، اور حالات کے سامنے سپر ڈالتے ہوئے اپنے مادی مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنے بھرم کو قائم رکھ سکے، اور غربت وافلاس کے طعنوں سے محفوظ رہ کر زندگی کی سرگرمیوں میں برابر کا حصہ لے سکے، اور کوئی بھی حقارت کی نظر اس پر نہ ڈال سکے، ظاہر ہے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے مادی وسائل کا سہارا لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے، رسم ورواج کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا جب اپنی کمزوری کا اعلان کرنے کے مرادف سمجھا جاتا ہو، اور لوگوں کی نظروں میں وہ پسماندگی کی علامت قرار پاتا ہو تو لازمی طور پر مادی حیثیت سے اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا جذبہ دلوں میں پرورش پاتا ہے اور مادیت پسندی مقصدیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور لوگ بے اختیار مادی ترقی کی راہیں ڈھونڈھنے لگتے ہیں اور ہر کام کے پیچھے مادی منفعت کا جذبہ کارفرما نظر آنے لگتا ہے۔

مغرب کی مادہ پرست تہذیب نے اس رجحان کو عام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، اور مادی منفعت اور تہذیبی ترقیوں کو تمام اخلاقی قدروں اور انسانی عظمت کے پیمانوں پر غالب کرنے کی سعی پیہم میں وہ پوری طرح مصروف ہے، جن انسانی معاشروں نے اس تہذیب کو اپنایا ہے اور بلاچون وچرا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے، وہی سب سے پہلے

اخلاقی زوال کا شکار ہوئے، اوران کی نمائندگی کرنے والے افراد میں حد درجہ جنسی انارکی اور اخلاقی کمزوری کے نمونے پائے گئے، اور انسانی روابط وتعلقات کی بنیاد انسانی قدروں کے بجائے مادی منفعت پر قائم ہوئی اور کامیاب زندگی کا تصور مطلق العنان آزادی کو قرار دیا گیا۔

ایسی صورت حال میں مذہبی تعلیمات اور انسانی احساسات اپنا اثر کھو دیتے ہیں اور مادیت کے تیز رفتار طوفان میں ان کی آواز دب جاتی ہے اور مادہ پرست انسان جوش جنون میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس کی توقع جنگل کے درندوں سے نہیں کی جاسکتی۔

مادہ پرستی نے نہ صرف مذہب بیزاری کو عام کیا، اور پرائیوٹ زندگی کے نام پر انسانی شرافت ومروت کا خاتمہ کیا، بلکہ مختلف النوع جرائم کی حوصلہ افزائی کی اور انسانی خون کے ساتھ انسان کی سب سے گرانقدر متاع، عزت وآبرو کو بھی بے قیمت بنادیا، حقیر مفاد پرستی کی راہیں ہموار کی اور قریب ترین خونی رشتوں کو خواہشاتِ نفس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادیا، باپ اور اولاد کے رشتے اور تمام خاندانی قرابتوں کو حرف غلط کی طرح مٹادیا، حقیر ترین مادی فائدے کی راہ میں ایک دوسرے کو قتل کرنا، بے آبرو کرنا اور ذلت ونکبت کی آخری حد تک پہنچادینا روزمرہ کا معمول بن گیا۔

لیکن اس کے ساتھ مادی تہذیب کی کچھ خوبیوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، خاص طور سے ذمہ داری کا احساس، وقت کی پابندی، وعدہ کا پاس ولحاظ اور ایمانداری کے ساتھ ڈیوٹی کی انجام دہی، تہذیب مغرب کے وہ مثبت اور روشن پہلو ہیں جن کی تقلید دیارِ مشرق میں عام طور سے نہیں کی جاتی، اور جو لوگ اس مادی تہذیب کی مدح سرائی اور اس کی ثنا خوانی کرتے ہیں، وہ بھی اس کی قابل تقلید خوبیوں سے عام طور سے آنکھیں بند رکھتے ہیں، ان کی تمام تر توجہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مادی چیزوں ہی پر مرکوز رہتی ہے۔ اور فسون افرنگ سے مسحور ہوکر وہ اس کے زبردست داعی اور نمائندے بن جاتے ہیں اور ایک کامیاب زندگی کا تصور مادی تہذیب کے ساتھ وابستہ کردیتے ہیں، اس بنا پر ان میں مادیت پسندی اپنے آخری درجہ تک پہونچ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ اخلاقی زوال کا شکار ہوجاتے ہیں اور

اپنے ماحول کو اسی نقطۂ نظر کا حامی اور گرویدہ بنا دیتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس مادی تہذیب اور اسکے پیدا کردہ مسائل کا تجزیہ اپنی کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" میں کیا ہے اور مادیت زدہ طبقے اور اس کے علمبرداروں کی بے بضاعتی اور ان کی اندھی تقلید کا ذکر کرتے ہوئے اس کو اس قوم کیلئے جو قیادت اور عالمی انقلاب برپا کرنے کیلئے پیدا کی گئی تھی، ایک ناقابل تلافی گناہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

ہمارے مشرقی ممالک میں خصوصاً برصغیر میں بسنے والے لوگ زیادہ تر احساس کمتری کے دباؤ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب کو رشک کی نظر سے دیکھنے لگے، اور آہستہ آہستہ اس کی نقل کا داعیہ دلوں میں پیدا ہوا، شروع میں انگریزی تعلیم کی طرف میلان ہوا، اور انگریز کے بنائے ہوئے نصاب تعلیم کو لوگوں نے گلے سے لگایا، جن لوگوں نے اس طرز فکر کو اپنانے میں سبقت کی وہ اہل ثروت و وجاہت، زمین دار اور تعلقہ دار طبقے کے لوگ تھے، ان میں بڑے لوگوں نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجا، جہاں سے وہ صاحب بہادر اور بیرسٹر بن کر آئے، انہوں نے مادی تہذیب کو ذہنی طور پر قبول کرلیا اور زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالا، اور معاشرہ میں اپنی ایک نرالی شان پیدا کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم کو من حیث القوم اسی طرز زندگی کو اختیا کرنے اور اسی کے مطابق ذہنوں کو ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہمارے ملک میں جوں جوں انگریزی تعلیم کا رواج بڑھا اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، عوام الناس میں بھی ذہنی تبدیلی آنا شروع ہوگئی اور مادیت پرستی کا رجحان ترقی کرتا گیا، اخلاقی قدروں سے بے اعتنائی برتی جانے لگی، اور قدیم تہذیب و معاشرت کے

اوپر سے اعتماد اٹھنے لگا، ہر قدیم طریقہ کو بدلنے اور جدیدیت کو رواج دینے کی تدبیریں مختلف طریقوں سے کی جانے لگیں، رہن سہن اور مکان ولباس، کھانے پینے کے انداز، گفتگو اور عام معمولات زندگی میں مادی تہذیب کا دخل شروع ہو گیا، زیادہ کمانے، دولت جمع کرنے، اچھا کھانے اور پہننے اور سوسائٹی میں نمایاں مقام حاصل کرنے کا عمل تیزی سے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مذہب کی روحانی قدروں سے لوگ بیزار ہو گئے، اس پر مستزاد سائنس کی ترقی، علم جدید کا چیلنج اور ایجاد واختراع میں غیر معمولی پیش رفت، انسانوں کے لئے مادیت کی ایک نئی دنیا دریافت کرنے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوئی، اور اب سوائے مادیت پرستی اور اس کی راہ میں ہر طرح کی توانائیاں صرف کرنے کے کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا، اور اس راہ میں ایک ریس (Race) شروع ہوئی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ مادیت پسندی ہی دراصل مقصد زندگی بن گیا۔

مادی وسائل کی فراوانی، مال ودولت کی ریل پیل، ٹکنالوجی اور صنعت کی بے حساب ترقی اقوام مشرق کیلئے پیام رحمت نہ ثابت ہو سکی، بلکہ اس کے نتیجہ میں اخلاقی انحطاط شروع ہو گیا، اور جن باتوں کو معاشرہ میں لوگ عیب سمجھتے تھے وہ ہنر قرار پا گئیں اور جن حالات کو اخلاقی بیماریوں سے تعبیر کرتے تھے۔ان کو غیر معمولی ذہانت کے نام سے یاد کرنے لگے، جہاں انصاف تھا وہاں ظلم، جہاں ہمدردی تھی وہاں بے رخی، جہاں محبت تھی وہاں دشمنی، جہاں نرم خوئی تھی وہاں درشتی اور سخت خوئی کا دور دورہ ہو گیا۔ اور اخلاقی زوال کے حدود اربعہ برابر پھیلتے رہے، یہاں تک کہ غیبت، چغل خوری، کذب بیانی، رشوت ستانی، تشدد اور عداوت، خیانت اور چوری ناجائز طریقوں سے مال ودولت کمانے کی حرص، یہ تمام برائیاں، معمولات زندگی میں داخل ہو گئیں اور بڑائی کی علامت شمار کی جانے لگیں۔

اور اب ذرا نوجوان طبقہ کو دیکھئے، اس کی نظروں میں اخلاق وشرافت کا معیار کچھ اس طرح قرار پاتا ہے کہ جو نوجوان تعلیم میں محنت کئے بغیر پاس ہو جائے، کسی صلاحیت کے بغیر اونچے تعلقات کی بنیاد پر کوئی سرکاری عہدہ حاصل کر لے وہ سب سے کامیاب اور اپنے ہم

چشموں میں سب سے زیادہ قابل احترام ہے، اسی طرح جو نوجوان سب سے زیادہ فلموں سے واقفیت رکھتا ہو، فلمی ستاروں کے نام وکام سے باخبر ہو، سب سے زیادہ لڑنے بھڑنے اور اپنی بات کو منوانے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ جینیس (Genius) سمجھا جاتا ہے، جو نوجوان آزادی کے غلط مفہوم کو رواج دیکر، ہر طرح کے جرائم میں حصہ لینا اپنی نوجوانی کی قیمت سمجھتا ہو، اور قانون سے اپنے آپ کو بالاتر تصور کرتا ہو، دنیا اس کو خراج تحسین پیش کرتی ہے اور مستقبل کا معمار اعظم جیسے لقب سے اس کو یاد کرتی ہے۔

یہ تھی مادیت پسندی کی مختصر الفاظ میں ایک کہانی، جو ہماری زندگی میں پوری طرح داخل ہو چکی ہے اور جس کا انجام آج اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کے زوال کی صورت میں ہماری نظروں کے سامنے ہے اور جو زبانِ حال سے بابر کو عیش کوشی کی دعوت دے رہی ہے۔

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

☆☆☆

آزادیٔ رائے ایک دلفریب نعرہ

''آزادیٔ رائے'' ایک دلفریب اصطلاح ہے جس کی اساس نہ تو عقیدہ اور اخلاق پر ہے اور نہ وہ کسی علمی یا فکری اور فلسفیانہ نظریہ کی دین ہے، یہ دراصل ایمانی عقائد اور آسمانی تعلیمات میں شکوک وشبہات اور گمراہی ومغالطہ کی تخم ریزی کیلئے ایک مؤثر ذریعہ کے طور پر مغرب کی ایجاد کردہ ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو یہ پوری شریعت اسلامیہ کے بارے میں شکوک وشبہات کی دیواریں کھڑی کرنے کا ایک خوبصورت طریقہ ہے، مغرب اپنے یہاں آنے والے مسلم نوجوانوں کو علم وتہذیب، ثقافت وکلچر، نئی تہذیب وافکار اور جدید علوم کے پیرہن میں یہ سبق از بر کرا رہا ہے کہ عقلمند ذکی وفطین انسان کا امتیاز صرف فکر ورائے کی آزادی میں ہے، آزادیٔ رائے سے مغرب کی مراد یہ ہے کہ آدمی تمام انفرادی واجتماعی امور ومعاملات میں اپنی ایک رائے رکھتا ہو جس کی وہ موقع اور بے موقع وضاحت بھی کرتا رہے، دوسروں کو اپنی بلند فکر، اصابت رائے، دانشمندی اور ہوشمندی اور ذہانت کا یقین بھی دلاتا رہے، اسی کی بدولت وہ مسلمان جو مادی اور اجنبی معاشروں میں رہتا ہے، بہت سے بنیادی عقیدوں اور شرعی مسائل میں انفرادی رائے رکھنے لگتا ہے، اور اس سے کج فکری، کم عقلی اور نادانی کی عجیب وغریب حرکتیں صادر ہونے لگتی ہیں۔

مغرب زدہ مسلمانوں کی جماعت کے بہت سے ایسے نام نہاد ودانشوروں کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے جو فکر اسلامی کے قائدین اور اسلامی تہذیب کے پیشواؤں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور انہیں اسلامی امور ومعاملات میں اصلاح وترمیم اور فقہ اسلامی کی تہذیب جدید اور علمی وسائنسی ایجادات کی روشنی میں تشکیلِ جدید کی تجویز مان لینے کی صلاح دیتے ہیں اور انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو تہذیبی پسماندگی ان کی رفیق اور اقتصادی کمزوری تا زندگی ان کے ساتھ لازم ہو جائے گی۔

بعض کم علم، کج عقل اور بے بصیرت پرستارانِ مغرب نے تو بہت سے مسلمہ فطری حقائق اور شرعی مسائل کا انکار کر کے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، انہوں نے سب سے پہلے مسلم خواتین، اسلامی پردہ اور اسلامی لباس کو اپنا ہدف بنایا، مسلم خاتون کو کھلی ہوئی آوارگی، ہر قسم کی بری عادتوں اور بے حیائیوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی دعوت دی، اسلامی پردہ اور تن پوش لباس کا مذاق اڑایا، علمائے شریعت پر رجعت پرستی، قدامت پسندی اور دقیانوسیت کا الزام لگایا اور مسلمانوں کی پسماندگی کا سب سے بڑا سبب انہیں کو بتایا، جبکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ایسی فکر رکھنے والے افراد مذہب اسلام کا مطالعہ کسی محدود نقطۂ نظر سے کسی خاص ذہنیت کے آئینے میں کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آج کے دور میں جبکہ پوری دنیا ایک گوشہ میں سمٹ گئی ہے، اور ایک شہر اور ایک بستی کی شکل اختیار کر چکی ہے جہاں دوریاں اور فاصلے ناپید ہو چکے ہیں اسلام آؤٹ آف ڈیٹ (OUT OF DATE) ہو چکا ہے، پھر ایسے دور میں اسلام انسانیت کی قیادت ورہبری کے فرائض کس طرح انجام دے سکتا ہے اور چودہ صدی سے بھی زائد پرانی شریعت کی ''اندھی تقلید'' کا کس طرح پابند بنا سکتا ہے۔

فکر ورائے کی آزادی کا مطلب یہی ہے جس کا مطالبہ تمام مسلم معاشروں میں کیا جا رہا ہے کہ کسی بھی حال میں یہ اصول ان سے چھوٹنے نہ پائے، اس آزادی کے علمبر دار چیخ چیخ کر اعلان کر رہے ہیں کہ ''اسلام تو آزادیٔ رائے کا مذہب ہے، حدود وقیود اور بندشوں کا مذہب نہیں، پروپیگنڈے سے ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنا اور ان باتوں کی طرف رجھانا جن کا مذہب اسلام سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، بعدازاں یہ اپنے مغربی آقاؤں کو رفاقت ومودت کا یقین دلاتے ہیں اور ان کی خدمت میں غلامی، محکومی اور عبودیت کا ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں۔ آزادیٔ رائے کا مطلب صرف اور صرف مادہ پرست مغرب کے آگے جھکنا اور اس اسلام دشمن گمراہ باطل گروپ کی اطاعت قبول کرنا ہے جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور ذلت وخواری، محتاجی ومغلوبی مسلط کر دیا ہے اور جو اللہ کے غضب میں گھر گئے ہیں، ہم ہر اس آزادیٔ فکر ورائے کو ٹھکراتے ہیں جس کا انجام گمراہی، اور جس کا نتیجہ ذلت وخواری ہو، اور وہ اللہ کے آخری دین وشریعت کو مذمت و استہزاء اور زہر آلود تیروں کا نشانہ بناتی ہو۔ ☆☆☆

اسلام پر دشمنوں کی یورش

مخالفین اسلام بین الاقوامی سطح پر دین اسلام کے خلاف خواہ کتنی ہی سازشیں کرلیں، اسے رجعت پسند اور دہشت گردی کو فروغ دینے والا مذہب قرار دیں، لیکن کبھی وہ اسلام کو مٹانے کی سازش میں کامیاب نہیں ہو سکتے، دین الٰہی ابدی اور تا قیامت باقی رہنے والا ہے، اس کا نظام کامل و مکمل ہے، وہ افراط وتفریط سے بہت دور ہے، وہ تا ابد چمکتا دمکتا رہے گا، لوگوں کے دلوں کو اسیر کرتا اور ان کو ایمانی غذا فراہم کرتا رہے گا، کیا مشرق اور کیا مغرب، کیا شمال اور کیا جنوب ہر سمت کے لوگ اس کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے رہیں گے اور اس کے دامن سے وابستہ ہوتے رہیں گے، اور وہ اپنی متاع گم شدہ کو اس کے دائمی اصولوں میں پاتے رہیں گے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، کتنے ایسے خاندان اور گھرانے ہیں جو وحشت ودرندگی اور ظلم وچیرہ دستی کے دام میں آنے والے تھے، لیکن اسلام نے ان پر ایمان کی بارش کی، جس سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی، حیات نو جیسی عظیم دولت ان کے ہاتھ آگئی، اور پورا خاندان مایوسی وقنوطیت کے دبیز پردہ کو چاک کرتے ہوئے ایمان ویقین کے چمن پر بہار میں پہونچ گیا جہاں سکون ووقار کی بوچھار تھی اور ایمان واستقامت کی قندیلیں روشن تھیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی میں ایمان وایقان پر جمے رہنے والے لوگوں کے لئے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

إن الـذين قالوا ربنا الله ، ثم استقاموا تتنزل عليهم الملا ئكة ألاتـخـافـوا ولا تحزنوا، وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون،

نــحــن أولياؤكـم فـي الـحـيـلـة الدنيا وفي الآخرة، ولكم فيها ماتشتهي أنفسكم ولكم فيها ماتدعون (فصلت:۳۰۔۳۱)

''جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کی بشارت حاصل کرو، جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا، اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود پاؤ گے، اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔''

قرآن کریم کی یہ بشارت بہت عظیم ہے، اس کی اہمیت کا صحیح ادراک اسی مرد مومن کو ہوگا جس نے قرآن کی روشنی میں دین اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی حتی الوسع کوشش کی ہو، اور انفرادی واجتماعی زندگی میں اس کے اصول وضوابط کو برتا ہو، اسی ایمانی حقیقت سے سارے مسائل حل ہوسکتے ہیں، مشکل سے مشکل قفل کھل سکتے ہیں، آج یہی ایمانی حقیقت تہذیبی چیلنجوں سے برسر پیکار ہے، مادی دلفریبیاں اور خوبصورت نعرے اور آوازیں ہر چہار جانب سے سنائی دے رہی ہیں، لیکن اس کی قطعیت میں کوئی شک نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا، باطل طاقتوں کا تو حال یہ ہے کہ اسلامی شعائر پر یلغار کرنے کی جان توڑ کوشش کررہی ہیں، جب ان کا کوئی حربہ ناکام ہوتا دکھائی دیتا ہے تو دوسرے نئے خطرناک ہتھیاروں کے ذریعہ از سر نو یلغار شروع کردیتی ہیں، اور مسلمانوں کو ان کے سرچشمۂ حیواں سے دور رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتیں، لیکن جس قدر ان کی سازشیں روبعمل آتی ہیں، اسی قدر اسلام کی کرنیں پورے عالم کو بقعۂ نور بناتی جارہی ہیں۔

آج امریکہ ویورپ میں اسلام کے بارے میں جو ناگفتہ بہ صورت حال ہے وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اعدائے اسلام شریعت اسلامی کے مٹانے پر کمر بستہ ہیں وہ اس اسلامی بیداری پر آہنی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں جو عالم وجاہل، غبی وذہین، مالدار وغریب

ہر ایک کو اسیر کرتی جارہی ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کی یہ اثر انگیزی اپنا رنگ دکھا کر رہے گی، کیونکہ مذہب اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے، اور جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کا خواہاں ہوگا تو وہ قابل رد ہوگا اور آخرت میں اس کا سودا بڑے گھاٹے کا ہوگا۔

اس عملی تضاد کی اصل بنیاد سامانِ دنیا کے حصول کی حرص وطمع ہے، اور جب مال ودولت کا حصول ہی مطمح نظر ہوتا ہے تو اسکے پس پردہ کوئی اخروی تصور نہیں ہوتا، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر وہ کوشش جو متاع دنیا کے حصول کیلئے ہی کی جائے گی، اخروی زندگی میں وہ کبھی بھی سودمند نہیں ہوگی، بلکہ اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

یہی منفی نظریہ اعدائے اسلام کے ذہنوں پر حاوی ہے، نہ انہیں حساب وکتاب کا خوف ہے اور نہ آخرت کی جوابدہی کا ڈر، اسی وجہ سے وہ جرائم کے ارتکاب میں بڑے بے باک واقع ہوئے ہیں، قتل وغارت گری اور انسانی آبادی کو تہہ وبالا کر دینے کی دھمکیاں آئے دن سننے میں آتی ہیں، عالم اسلام خاص طور سے ان کی آنکھوں کا کانٹا بنا ہوا ہے، ابھی افغانستان وعراق میں ان کی وحشیانہ حرکتوں کا مشاہدہ ہر خاص وعام نے کیا اور کر رہا ہے اور ارض مقدس فلسطین ان کے انسانیت کش حملوں سے لہولہان ہے، لیکن بذریعہ میڈیا سرد جنگ کے ذریعہ لوگوں کے دماغوں کو دھونے (Brain Washing) کی کوشش کی جارہی ہے اور کبھی مسلمانوں کو دہشت گرد، کبھی انتہا پسند، کبھی شدت پسند ثابت کیا جارہا ہے، کبھی انہیں انسانی آبادی کے لئے ایک شدید خطرہ بتایا جارہا ہے، جبکہ مسلمان امن وامان کے داعی، اور محبت ومودت کے علمبردار ہیں، یہ ایک ایسی بہترین امت ہیں جو لوگوں کی نفع رسانی کیلئے برپا کی گئی ہے، بھلائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، اور ذات واحد پر ایمان رکھتی ہے، جب بھی یہ امت ان خصوصیات سے دست بردار ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے اوپر سے اس کا ایمان جاتا رہے گا تو اللہ اس پر عذاب نازل فرمائے گا اور اس وقت اس کا تضرع وابتہال کچھ کام نہ دے گا، صحیح حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخدا جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور بھلائی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی

سے روکتے رہوگے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمالے اور اس وقت تم دعا کروگے اور تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال بہت افسوسناک ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے بغض وعداوت، اور حسد وکینہ اس کے مزاج میں داخل ہوگیا ہے، مبادا کہیں یہی صورت اسکے منصب قیادت سے پیچھے رہنے کا نتیجہ تو نہیں ہے، آج مسلمان ہر سطح پر پست ترین قوم نظر آتے ہیں اور یہ پستی اسی خصوصیت سے دست بردار ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ آج اولین ضرورت یہ ہے کہ وہ ان خصائص سے آراستہ ہوں جوان کو حقیقی مسلمان بناتی ہیں، اور قیادت وسیادت کے منصب پر فائز ہوکر امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

داعیان اسلام اور مفکرین دین وملت کی انتھک کوششوں سے یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ موجودہ اسلامی بیداری مسلمانوں کے کھوئے ہوئے منصب کے حصول کا راستہ ہموار کررہی ہے، اور امت مسلمہ کو اعتدال پسند قوم کی حیثیت سے سابقہ مقام دلانے کے مواقع فراہم کررہی ہے، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، آنے والا دور اسلام اور امت مسلمہ کے نام سے جانا پہچانا جائے گا۔

اعدائے اسلام نے ممالک مغرب میں اسلامی بیداری کی بڑھتی لہر سے یہ محسوس کیا ہے کہ مسلمان بلاشبہ دنیا کے منظر نامہ پر جلد ہی آجائیں گے، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر قیادت کی زمام ان کے ہاتھ چلی گئی تو ہمارا کیا حال ہوگا، انسانی شرافتیں پامال ہوں گی، زمین فتنہ وفساد سے بھر جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إلا تفعلوه تکن فتنة الأرض وفساد کبیر (سورۂ انفال: آیت-۷۳)

"اگرتم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد برپا ہوجائے گا۔"

اسی وجہ سے انہوں نے پختہ عزم کرلیا ہے کہ اسلام کو کسی لمحہ پنپنے نہیں دینا ہے، اور اس کی تابناک تاریخ کے اعادہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، کیونکہ اس کی تاریخ ایمان ویقین، زہد وتقوی، عفت وپاک دامنی، تعلق مع اللہ، تعلیمات

اسلام پر عمل اور اللہ کی مدد پر اعتماد سے آراستہ ہے۔اسی وجہ سے یہ مخالفین مسلمانوں کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کے لئے ان پر دہشت گردی کا لیبل لگا رہے ہیں، اور اس بات کو ایک مستقل تہذیبی فلسفہ کا روپ دے رہے ہیں، جس کا نشانہ عقیدۂ اسلام کے حاملین ہیں، اسی پر بس نہیں بلکہ پوری دنیا کو یہ باور کرار ہے ہیں کہ مسلمان عالمی ترقی، خواہ وہ اقتصادی ہو یا سائنسی ،ٹکنیکی ہو یا معاشرتی، ہر ایک کی راہ میں وہ سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں، اس فلسفہ کو عالمی مسئلہ بنانے کیلئے انہوں نے اپنے جان و مال کی قربانی دی، اور ہر ممکن طریقہ سے اس کے لئے ذرائع مہیا کر لئے، دلیل کے طور پر نائن الیون (Nine Eleven) کا واقعہ ہی کافی ہے، جس میں جان و مال کا غیر معمولی نقصان ہوا۔

بلاشبہ مسلمان پر فریب اصطلاحوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اسلامی ممالک وحشیانہ کارروائیوں کے سرفہرست ہیں، کیونکہ انہیں کے اندر ہر قسم کی معدنیات اور زمینی ذخائر بھی ہیں، جب ان ممالک پر قبضہ ہو جائے گا تو وہ ذخائر خود بخود دست تصرف میں آجائیں گے، اس سے یہودی منصوبہ بندی کی تکمیل عمل میں آئے گی اور مدتوں پہلے تیار کیا ہوا پروٹوکول عملی شکل اختیار کر لے گا، شیطان نے ان کے اعمال مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیئے ہیں، اوران کو صحیح راستہ سے ہٹا دیا ہے، حالانکہ وہ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہیں۔

☆☆☆

دہشت گردی کے الزامات اور مسلمانانِ ہند ☆

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

حضرات! میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آپ حضرات وقت کی ایک اہم اور فوری ضرورت کے پیش نظر اس جلسہ کو منعقد کررہے ہیں اور ملی حمیت اور غیرت دینی کا ثبوت فراہم کررہے ہیں، دل کی گہرائیوں سے یہ آرزو ہے کہ آپ کا یہ اجتماع ہر اعتبار سے کامیاب ہو اور اس کا پیغام نہ صرف عوام الناس اور کسی ایک محدود حلقے تک پہونچے، بلکہ ہمارے اس ملک کے ذمہ دار حضرات بھی اس کو اہمیت دیں اور ملک و وطن کی تعمیر و ترقی میں اس کو ایک اہم ذریعہ کی حیثیت سے دیکھیں اور اس عظیم ملک کے باشندوں کو متحد کرنے اور سب کو امن وامان کے سائے میں ایک خوشحال اور پرامن زندگی گزارنے کی راہ میں اس کو ایک سنگ میل بنانے کی ذمہ داری محسوس کریں۔

نوجوان طبقہ اس ملک کا اور دنیا کے ہر معاشرہ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اولاد کی تربیت کی اولین ذمہ داری والدین پر ہے، اور ان کے ذریعہ ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ سماج قائم کرنے کی ذمہ داری، تعلیم اور تعلیم گاہوں اور وہاں کے اساتذہ پر ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ ذمہ داری حکومت اور اہل حکومت کی ہے، تاکہ اس کے نتیجہ میں ایک ترقی یافتہ اور احساس ذمہ داری سے بھرپور دنیا کے نقشے پر ہمارا ملک ایک امتیازی شان رکھنے کے قابل ہوسکے اور دنیا کے دوسرے ممالک اس کو رشک کی نظروں سے دیکھنے میں ایک لذت محسوس کریں۔

☆ الہ آباد میں اپریل ۲۰۰۸ء میں منعقد دہشت گردی مخالف کانفرنس میں یہ مضمون پیش کیا گیا۔

دہشت گردی آج کا ایک خطرناک اور نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ رجحان ہے، اس کے شرعی، اخلاقی اور قانونی نقصانات بالکل واضح ہیں، یہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے کے مرادف ہے، قرآن کریم کے رو سے ایسے اہل فساد کو جب زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے تو وہ بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن رب کریم نے ان کے اس بیان کی سختی سے تردید فرمائی اور آگاہ کیا کہ وہ دراصل فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ہے، سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ کو پڑھئے اور دیکھئے کہ قرآن کریم اس بارے میں کیا خبر دیتا ہے: وإذا قیل لهم لا تفسدوا فی الأرض قالوا إنما نحن مصلحون، ألا إنهم هم المفسدون، ولکن لا یشعرون ۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار ہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور یعنی سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورہ بقرہ:۱۱-۱۲)

دہشت گردی عالمی سطح پر آج ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے کہ اس کا حل تلاش کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے کے باوجود ایک لاینحل مسئلہ معلوم ہوتا ہے، اس ضمن میں کسی فرقہ، کسی مذہب اور کسی تہذیب کو متہم نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ برائی خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو، اپنا کوئی مذہب نہیں رکھتی، اس لئے دہشت گردی جیسے گناہ کو متعین طور سے کسی گروہ کے سر تھوپنا یا کسی طبقہ کو اس کے اندر ملوث قرار دینا نہ صرف یہ کہ علم وحکمت کے خلاف ہے، بلکہ اس سے انسانی زندگی کے تمام انفرادی، اجتماعی، تمدنی اور عقیدہ کی وابستگی کے فطری طریقوں کو سخت دھچکا لگتا ہے، اور اس کی رہنمائی کرنے والے تمام افراد کو پست ہمتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر آج کے انسان محض اپنے ذاتی مفاد کو پورا کرنے کے لئے پورے نظام کو تباہ کرنا اور اللہ کی مخلوق اور معصوم جانوں کو بے دردی اور درندگی کے ساتھ خاک وخون کے دریا میں تڑپانا، انسانی تہذیب کا ایک لازمی جزء سمجھتے ہوں، تو ہم اس ناپسندیدہ برائی اور اس کا

ارتکاب کرنے کی نہایت سختی سے تردید کرتے ہیں، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ صرف قوم مسلم اس گناہ میں ملوث ہے، تو شاید یہ بات تاریخی حقائق کی روشنی میں کبھی بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ مذہب اسلام امن وامان اور صلح وآشتی کی تلقین پورے شدومد کے ساتھ کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اس کی دعوت دی ہے، بلکہ امن وآشتی کی فضا قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف عمل کرنے کو شیطان کی پیروی کرنے سے تعبیر کیا ہے اور یہ بھی صراحت کردی ہے کہ شیطان ایک کھلا ہوا دشمن ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس شنیع اور بدنما چہرہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کردیں تو سورۂ بقرہ کی آیت (۲۰۸) کو پڑھ کر دیکھیں: یأ یها الذین آمنوا ادخلوا في السلم كافة، ولا تتبعوا خطوات الشيطان، إنه لكم عدو مبين (بقرہ:۲۰۸) اے ایمان والو! اسلام (جو سراپا امن ہے) میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیوں کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے، اور دوسری آیت جس میں اہل ایمان کو خطاب نہیں کیا گیا ہے بلکہ عام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے سورۂ بقرہ کی آیت ۵-۲۰۴ ہے ملاحظہ فرمایئے:

ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا، ويشهد على ما في قلبه، وهو ألد الخصام، وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث النسل، والله لايحب الفساد: بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کردیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے، جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی ونسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔

لہٰذا دہشت گردی کی کوئی صفت یا اس کا کوئی طریقہ کسی فرقہ یا کسی مذہب کے ماننے والوں میں پایا جاتا ہو تو اس کو روکنا اور اس سے باز رکھنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے، ہم امت مسلمہ کی حیثیت سے جس کو خیر امۃ کا لقب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور ہدایت کا ذریعہ بنا کر اس دنیا میں اللہ کی طرف سے اس کو بھیجا گیا، اس کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ اچھی

باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے لوگوں کو روکے۔

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی انسانی جان سے کھیلنا اور کسی معصوم جان کو فنا کے گھاٹ اتار دینا کسی بھی مذہبی نظام اور تہذیبی فلسفہ میں اس کی اجازت دی گئی ہے؟ اور جس سرزمین پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں، اس کو اس طرح کی شیطانی حرکتوں سے داغدار بنائیں اور ملک وملت کا خیال کئے بغیر ملت کی غلط ترجمانی اور ملک کی تعمیر وترقی کو روک کر اس کو تاریکیوں کے غار میں ڈھکیل دینا اور اس کو برباد کرنے کی نگرانی کرنا کسی بھی فرد بشر کا کام ہوسکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہ فطرت کی ترجمانی ہے، اور اگر کوئی شخص اس کو جائز سمجھتا ہے تو وہ درندوں اور جانوروں سے بھی زیادہ گیا گذرا انسان ہے، اور اس کے بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کو پیش نظر رکھنا، دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک عظیم عبرت ہے۔

ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن والإنس، لهم قلوب لايفقهون بها ولهم أعين لايبصرون بها، ولهم آذان لايسمعون بها، أولئك كالأنعام بل هم أضل، أولئك هم الغافلون۔ (سورہ اعراف:۱۷۹)

''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، دراصل یہی لوگ غافل ہیں۔''

☆☆☆

ایک خطرناک اور مذموم انسانی جرم ☆

مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کی سازشیں اور تدبیریں ایک عرصۂ دراز سے جاری ہیں، اور مختلف زاویوں سے ملت اسلامیہ پر حملہ کرنے اور اس کے وجود کو اگر ختم نہ کیا جاسکے تو داغدار بنانے کی مسلسل اور منظّم کوششیں کی جاری ہیں، اس ضمن میں جو حقائق کھل کر سامنے آئے ہیں ان میں ڈنمارک کے اخبار ''جیلانڈس'' اور اس اخبار کے ذمہ داروں کی نہایت ہی دلخراش اور مذموم حرکت حضور پاک ﷺ کا فرضی خاکہ شائع کرنا اور انتہائی جرأت بے باکانہ اور دریدہ ذہنی کے ساتھ اس کو وسیع رقبہ تک پھیلانا اور مسلمانان عالم کے شدید ترین اور متحدہ احتجاج کے باوجود ان خاکوں کو بار بار شائع کرنا اور عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے احتجاج کا مذاق اڑانا انتہائی شدید، اخلاقی اور انسانی جرم ہے، اس کے لئے بین الاقوامی عدالت، منصفانہ فیصلے اور مجرمین کو سخت سے سخت سزا تجویز کرنے میں پوری طرح با اختیار ہے، اور اس کی اس راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، مگر یہ سب کو معلوم ہے کہ اتنے بڑے حادثہ کا کسی سطح سے کوئی نوٹس نہیں لیا گیا اور آج بھی یہ جرائم پیشہ گروہ اپنی مجرمانہ حرکتوں سے باز آنے کے بجائے مکمل طور پر آزاد ہے، اور وہ وقتاً فوقتاً شرارتوں کا اعادہ کرتا رہتا ہے، اور مسلمانان عالم کے زخمی دلوں پر نمک پاشی کرتے رہنا اس کا معمول (Routine work) بن گیا ہے۔

ہمارے اس ملک ہندوستان جنت نشان میں آئے دن بم بلاسٹ کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں جان و مال کا اتلاف اور زبردست تباہی کے منظر سے

☆ مورخہ ۱۳؍ مئی ۲۰۰۸ء کو جے پور راجستھان میں بم بلاسٹ ہوا، جس میں کم سے کم ۶۰؍ افراد جاں بحق ہوئے، ذیل کا مضمون روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ کے سنڈے پیشکش کے لئے لکھا گیا اور شائع بھی ہوا۔

گذرنا پڑتا ہے، اور اس مذموم اور ناقابلِ برداشت حرکت کے پیچھے جن خفیہ سازشوں کا ہاتھ نظر آتا ہے، ان کو تمام تر مسلمانوں کے کسی واقعی یا فرضی گروہ کے ساتھ وابستہ کردیا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مسلم نوجوانوں کی ایک منظّم اسکیم ماتحت گرفتاری عمل میں آتی ہے، اور ان کو پس زنداں کردیا جاتا ہے، اور فرضی مقدمات ان پر مسلط کردیئے جاتے ہیں، حالانکہ حقائق کی روشنی میں ان کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن ہمارے تفتیشی ادارے اور جانچ کرنے والی ٹیم کو اپنی کارگردگی ثابت کرنے کیلئے ایسا کرنا پڑتا ہے، اور شاید یہ ان کی مجبوری ہے۔

بم بلاسٹ کے تازہ واقعہ میں جے پور کا نام آج کل سرخیوں میں ہے، وہاں یہ واقعہ مورخہ ۱۳ ارمئی ۲۰۰۸ء کو ایک عوامی بھیڑ کے علاقہ میں پیش آیا، اس میں کافی جانوں کا ضیاع ہوا، کم سے کم ۶۰ رافراد ہلاک ہوئے، ایک بڑی تعداد زخمیوں کی سامنے آئی اور ایسا منظر جسے دیکھ کر دل دہل جائے، خاص طور سے بے قصور لوگوں کو موت کے گھاٹ اس طرح بے خبری کی حالت میں اچانک اتار دینا انتہائی درجہ کی حیوانیت ہے، اور زندگی پیدا کرنے والے پروردگار کی قدرت کا مذاق اڑانے کے مرادف ہے۔

خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سانحہ سے پہلے ہی کچھ لوگ بیوپاریوں کی شکل میں جے پور میں آکر مقیم ہوئے، اور اس کے چند ہی دنوں بعد بم بلاسٹ کا یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کے ذمہ دار جرائم پیشہ لوگوں کو پکڑنے کے لئے تفتیشی ادارے سرگرم ہوگئے، اور مجرمین کو گرفتار کرنے کے لئے ہر طرح کے ذرائع استعمال کئے، لیکن ۱۶ رمئی تک سیریل بم بلاسٹ کے بارے میں کئی ریاستوں کی پولیس فورس مشترکہ طور پر جانچ کرتی رہی، اور کم ازکم اٹھارہ مشتبہ لوگوں کے ساتھ تفتیش کا عمل جاری رکھنے کے باوجود کوئی کامیابی نہ مل سکی، وزیر مملکت راجندر سنگھ راٹھور نے نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ مشترکہ جانچ میں راجستھان، آندھرا پردیش، اور اترپردیش کی پولیس شامل ہے، اس کے لئے خصوصی ٹیم بھی تشکیل دی گئی ہے، اور تمام سراغوں کی بنیاد اور اس کی تہ تک پہونچنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور دیگر ریاستوں میں ہوئے بم دھماکوں میں اسے جوڑ کر دیکھا جارہا ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود وزیر مملکت راجندر سنگھ نے اعتراف کیا کہ پولیس ابھی تک کسی نتیجہ تک نہیں پہونچ سکی ہے، اس دھماکہ میں دس سائیکلیں استعمال کی گئی تھی، سائیکل کے دوکانداروں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی جارہی ہیں، جن تھیلوں میں دھماکہ خیز مادہ رکھ کر سائیکلوں کے ذریعہ یہ دھماکہ کیا گیا، ان کے بارے میں بھی پتہ چلانے کی کوششیں جاری ہیں، لیکن اس کے باوجود وزیر مملکت نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس سانحہ کے پس پشت بنگلہ دیش کی دہشت گرد تنظیم کا ہاتھ ہوسکتا ہے، انہوں نے کہا کہ راجستھان میں ناجائز طور سے رہنے والے بنگلہ دیشیوں کو نکالا جائے گا، ان کا کہنا تھا کہ ۲۰۰۴ء میں راجستھان میں ڈھائی ہزار بنگلہ دیشی تھے، اوراب دس ہزار سے زیادہ سکونت پذیر ہیں۔

سلسلہ وار بم بلاسٹ میں ایک سائیکل پر زندہ بم برآمد ہوا ہے، اس کی بناوٹ سے پولیس نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ حیدرآباد بم دھماکوں میں استعمال شدہ بم حیدرآباد میں بنائے گئے تھے، اس لئے پولیس کا یہ خیال ہے کہ یہ بم جے پور ہی میں بنائے گئے تھے۔

مگر اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں کہ بم کہاں بنائے گئے تھے، اور کس نے بنائے تھے، اصل مسئلہ مجرموں کے پکڑنے کا اور حقیقت حال کی تہہ تک پہونچنے کا ہے اور یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ یہ بم دھماکے کس مقصد سے کئے جارہے ہیں، اور معصوموں اور بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے کب تک اس عمل کو جاری رکھیں گے، ہماری خفیہ پولیس اور انٹیلیجینس کے ذرائع کو سرگرمی کے ساتھ ایسے لوگوں کا جو نہ صرف اس ملک کے دشمن ہیں، بلکہ وہ عوام کی جان و مال کے ساتھ کھیلنے اور ان کو برباد کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں پوری طاقت اور سرگرمی کے ساتھ پتہ لگانا چاہئے، اور صحیح اور واقعی صورتِ حال کو سامنے لانا چاہئے، تاکہ جو لوگ ملک دشمنی کی اس تحریک میں شریک ہیں، ان کے چہرے حکومت اور عوام دونوں کے سامنے یکساں طور پر آئیں، اور وہ کٹہرے میں بند ان مجرموں کی شناخت کرسکیں، اور ان پر لعنت وملامت کی نہ صرف بارش کرسکیں بلکہ ان کو سولی پر چڑھانے کا مطالبہ کرکے اپنے وطن کو ظلم وبغاوت کے عنصر سے پاک کرسکیں۔

اس طرح کے جرائم میں ملوث لوگوں کا کوئی مذہب اور عقیدہ نہیں ہوتا، اس لئے شک کی سوئی صرف مسلمانوں کی طرف گھمانا اور ان کو اس طرح کے سنگین اور تباہ کن واقعات کا ذمہ دار ٹھہرانا انصاف کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

جے پور کے حادثہ میں جو نام بھی شروع میں سنے گئے اور اخباروں میں اشاعت پذیر ہوئے ان سے اس بات کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ واقعی اس دردناک داستان کے حقیقی ذمہ دار کون لوگ ہیں، اور جان و مال کا اتنا زبردست خسارہ کر کے وہ کیا چاہتے تھے۔

ہمارے ملک میں بہت سے فرقے اور مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں، دستور میں سب کو ایک باعزت شہری کی طرح زندہ رہنے اور امن و امان اور اخوت و محبت کی فضا قائم رکھتے ہوئے اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی کا حق حاصل ہے، یہی نہیں بلکہ ہر مذہب کے ماننے والے کو اپنے مذہب کی دعوت دینا اور دوسروں کو اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کرنا کسی نوعیت سے بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے، جس طرح غیر مسلم حضرات کو اپنے مذہبی خیالات کا پرچار کرنا اور اسکے لئے سیمینار اور ورکشاپ کا منعقد کرنا کسی حال میں ممنوع نہیں ہے، اسی طرح اس ملک میں رہنے والے دیگر اقوام اور اہلِ مذاہب اور مسلمانوں کو بھی اپنے مذہب کی سچائی بیان کرنا اور اپنے تمدنی فلسفے کی دعوت دینا کسی حال میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کہی جاسکتی۔

ہمارا ملک اپنے ارضی اور معدنیاتی خزانوں سے بھرپور اور پوری طرح معمور ہے، لوہے کی کانوں سے لے کر تانبے، پیتل، سونے چاندی، ہیرے جواہرات اور سب سے بڑھ کر قابل زراعت زمینوں، مختلف قسم کے پھلوں کے باغات اور نہایت قیمتی جڑی بوٹیوں سے مالا مال ہے، یہ ایسے خزانے ہیں، جو بیک وقت دوسرے ملکوں میں نہیں پائے جاتے، اسی طرح صنعت و حرفت، ٹکنالوجی اور سائنس کے میدان میں بھی یہ گریز پا ترقی دوسروں کے لئے اگر قابلِ حسد نہیں تو قابلِ رشک ضرور ہے، مسلمان حکمرانوں نے اگر اس ملک کو تہذیب و تمدن اور زندگی گذارنے کے نت نئے طریقوں کا گہوارہ بنایا اور انہوں نے بلا

تفریق اہالیان ہند کو بہت سے تمدنی اور معاشی تحفے دیئے تو انگریزی سامراج آقائیت کا سکہ جمانے اور اہلِ ہند کو کالے غلام کے نام سے یاد کرنے اور ان کے ملک کے تمام پوشیدہ خزانوں کو لوٹنے اور اپنے مرکز ثقل انگلستان کی طرف منتقل کرنے میں اپنے جملہ وسائل کو استعمال کرتا رہا، اور اہالیان ملک کو ذلت وافلاس کے گڑھے میں گرانے اور ہر طرح سے ان کو ذلیل وخوار کرنے میں مصروف رہا۔

اب جبکہ سب کی اجتماعی کوششوں سے ہمارا ملک انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہو چکا ہے، اور ہمارے سامنے زندگی کے تمام میدانوں میں زبردست ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے امکانات پوری طرح روشن ہیں، ہم اس ملک کے زمینی خزانوں اور اس کی معدنیات سے پوری آزادی کے ساتھ فائدہ اٹھاتے ہوئے صنعت وحرفت اور علم وسائنس کے میدان میں نئی نئی راہیں کھول سکتے ہیں، اور دنیا کے پچھڑے اور غربت زدہ ملکوں کو بہت کچھ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہماری اس عظمت واہمیت کو سپر پاور ملکوں نے محسوس کرلیا ہے، اور وہ کسی نہ کسی بہانے ہماری صلاحیتوں، ہمارے علمی اور سائنسی امتیاز بلکہ ہمارے اس ملک کو خریدنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

کاش ہم اس راز کو سمجھتے اور ملک کی ترقیات کی راہ میں دھماکہ کرنے کے بجائے ٹکنالوجی اور سائنس کے میدان میں ایسا دھماکہ کرتے جو دنیا کی تمام طاقتوں کو ہماری عظمت اور تفوق وامتیاز کا کلمہ پڑھنے پر مجبور کردیتا؟!

افسوس کہ آج تک (ماہ/اکتوبر ۲۰۰۸ء) بم بلاسٹ کا یہ سلسلہ اپنی پوری توانائی اور جرأت کے ساتھ جاری ہے، اور اس سلسلے کی تفتیش میں کچھ نفرت پھیلانے والی تنظیموں کے ذمہ داروں اور ان کے کارکنوں کا نام بھی آرہا ہے۔

☆☆☆

مغرب اور اہانت رسول ﷺ ☆

آج کل پورے عالم اسلام اور مسلم اقلیتی مما لک میں ڈنمارک کے ایک اخبار کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کی اہانت آمیز کارٹونوں کوشائع کرنے کے تعلق سے شدید مخالفتوں اور احتجاجات کا سلسلہ جاری ہے، ان کارٹونوں کو لے کر مسلمانوں میں سخت غم وغصہ پایا جارہا ہے، اور مسلمان اس اخبار اور ڈنمارک کی حکومت کے خلاف اپنی حددرجہ ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، ان اہانت آمیز خاکوں کو اردن کے ایک روزنامہ نے یہ کہہ کر دوبارہ شائع کیا کہ مسلمان یہ جان لیں کہ ان کے احتجاج اور مخالفت کا عالمی برادری پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ چنانچہ جب چہار جانب سے اس کے خلاف آواز بلند کی جانے لگی، اور مسلمان اپنے گھروں سے نکل کر اور اپنے سارے کام کاج کو تج کر اپنی گوناگوں مصروفیتوں سے وقت نکال کر مقامی، ریاستی، ملکی و بین الاقوامی سطح پر اس کے خلاف صف آرا ہوئے اور ڈنمارک کی حکومت اور اس اخبار کے سلسلہ میں اپنی شدید نفرتوں کا اظہار کرنے لگے، تو ڈنمارک کے وزیر اعظم نے اس جرم پر اپنی معذرت ظاہر کردی اور اس بات کا اعلان کیا کہ حکومت اس جرم میں شامل نہیں ہے، بلکہ اس سے پوری طرح بری الذمہ ہے، لیکن ان ساری مخالفتوں اور احتجاجوں کے باوجود ابھی بھی فرانس اور اس کے ہمنوا مما لک میں اس طرح کے اہانت آمیز کارٹون اور خیالی تصویروں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، اور ستم ظریفی کی حد تو یہ ہے کہ آج بھی فرانس اور سوئیزرلینڈ جیسے مما لک میں ''محمد اور تعصب'' کے عنوان پر ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں، وہ ڈرامے ایسے مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جو براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ

☆ اشارہ ہے ۲۰۰۷ء میں ڈنمارک کے اخبار ''جیلانڈس پوسٹن'' میں شائع شدہ اہانت آمیز خاکوں کی طرف۔

علیہ وسلم کی شخصیت کو (نعوذ باللہ) داغدار کرتے ہیں۔

اس وقت یورپ میں بھی مسلمان اور اسلامی تنظیموں نے اس کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اور یہی نہیں بلکہ اس طرح کے اہانت آمیز کارٹونوں کی اشاعت کو ان سازشوں کا حصہ مانتی ہیں جو ہمیشہ سے امن وسلامتی کے صالح اقدار کے خلاف کی جاتی رہی ہیں۔

اسی طرح پاکستانی پارلیمنٹ نے بھی یورپین اخباروں میں شائع ہونے والے اس طرح کے اہانت آمیز کارٹون کی مذمت کی ہے، اس کے خلاف متفقہ طور پر ایک قرارداد مذمت پاس کی ہے، جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس طرح کی مصنوعی تصویروں اور کارٹونوں کا مقصد اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت کو داغ دار کرنے اور پوری انسانی برادری میں پیغمبر اسلام ﷺ کے تعلق سے پائے جانے والے حسن ظن کو بدظنی اور بدگمانی میں تبدیل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اور قرارداد میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ صحافت اور میڈیا کی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہب اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی ناپاک اور اشتعال انگیز کارروائیوں کے ذریعہ اور اس طرح کی شیطانی سرگرمیوں کے ذریعہ نشانہ بنایا جائے اور کسی مذہب کے کسی بھی بانی کو داغ دار کیا جائے، آزادی کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ انسان آپسی بھائی چارگی اور مذہبی رواداری اور باہمی عزت واحترام جیسی قدروں کو فراموش کر کے شتر بے مہار بن جائے اور پوری انسانی برادری کو قلبی اذیت پہونچائے اور اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہونچائے اور اس کی مذہبی غیرت وحمیت سے چھیڑ چھاڑ کرے، یہ ایسا ناپاک اور گھناؤنا طرز عمل ہے جس سے ہر وہ شخص جس کے اندر ذرہ برابر بھی انسانیت ہوگی، کبھی برداشت نہیں کر سکتا اور کبھی بھی سچائی، راست گوئی اور انسانی برادری کا احترام جیسے زریں اور پاکیزہ قدروں اور اصولوں سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

اس جرم کے خلاف مسلمانوں کی کارروائیاں پوری اسلامی دنیا میں اور فلسطین

اور انڈونیشیا اور ہندوستان میں صرف احتجاجی جلوس تک محدود نہیں، بلکہ اس کے خلاف مسلمانوں نے دوسرا اقدم یہ اٹھایا ہے کہ ڈنمارک کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا، نتیجۂ بہت ساری تجارتی کمپنیوں کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ بعض کمپنیاں مصنوعات کے گاہکوں اور کسٹمرس نہ ملنے کی وجہ سے اپنے بہت سارے کارکنان کو برخاست کرنے پر مجبور ہوگئیں۔

اس طرح کی مجرمانہ حرکتیں اور اس نوعیت کے اخلاقی جرائم جن کا نشانہ براہ راست مذہبی اور اخلاقی قدریں ہوتی ہیں، دراصل ان ناپاک اسکیموں اور سازشوں کی ایک کڑی ہیں، جو اسلام دشمن طاقتیں اسلامی بنیاد کو کمزور کرنے اور قبول اسلام سے لوگوں کو روکنے کے لئے رچ رہی ہیں، یہ دراصل ان کی جانب سے اسلام کے مطالعہ کی طرف بڑھتے ہوئے رجحانات اور قبول اسلام کی طرف پیش قدمی بلکہ اس کے سیل تند کو روکنے کی ایک گہری سازش ہے، کیونکہ اس وقت تمام براعظموں بالخصوص یورپ اور امریکہ میں لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز اسلام اور اسلامی تعلیمات ہیں، دوسری طرف اسلام دشمن طاقتوں کی اسلام دشمنی بھی اپنی آخری منزل تک پہونچ چکی ہے۔ اور روئے زمین سے مذہب اسلام کو مٹانے کی ہر طرح کی کوششیں ان کی جانب سے کی جا چکی ہیں اور اسلامی چراغ کو گل کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھیار کا تجربہ کیا جا چکا ہے، پھر بھی اسلام پوری دنیا میں برق رفتاری سے پھیل رہا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسلام کی بقا اور سربلندی کا وعدہ فرمالیا ہے: "یریدون لیطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو كره المشركون" (صف:۸) وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی روشنی کو گل کردیں اور جب کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ پوری دنیا میں اس روشنی کو پھیلا کر رہے گا، گرچہ یہ کام مشرکوں کے لئے کتنا ہی ناگوار ہو۔

اس سے بھی زیادہ دلخراش بات شیخ الازہر کا وہ بیان ہے جس میں انھوں نے حالیہ بحران اور اس کے خلاف مسلمانوں کی کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کے مسئلہ سے دست بردار ہو جانا چاہئے،

کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ اس وقت دنیا میں نہیں ہیں، وہ ہم سے روپوش ہیں، ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باحیات ہوتے تو کیا ان کی شان میں گستاخی جائز تھی، یہ نظریہ اور یہ خیال مصلحت پرستی اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار ہے، اس کے سوا اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں، اس کے برخلاف ایسیسکو نامی تنظیم نے ڈنمارک سے اپنے سارے تعلقات ختم کرنے کی دھمکی دی ہے، جیسا کہ تنظیم کے ناظم عمومی ڈاکٹر عبدالعزیز التویجری نے اپنے ایک بیان میں اس کی صراحت کی ہے کہ ڈنمارک مسلسل لاکھوں مسلمان کے جذبات سے کھلواڑ کر رہا ہے، اس لئے اس تنظیم کی یہ کوشش رہے گی کہ ستاون اسلامی ممالک ڈنمارک سے اپنے اقتصادی اور سیاسی تعلقات ختم کرلیں، محترم ڈاکٹر تویجری نے اپنے بیان میں اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ آنے والے دنوں میں ڈنمارک کے اس اخبار کے خلاف جس نے اہانت آمیز کارٹون شائع کیا ہے، مقدمہ دائر کیا جائے گا اور اگر اس سلسلہ میں کوئی منصفانہ فیصلہ جاری نہیں ہوا تو پھر یہ تنظیم بین الاقوامی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی، کیوں کہ تنظیم کی یہ کوشش ہے کہ اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ اور مذہب اسلام کے تعلق سے گستاخانہ بیانات کا سلسلہ اور دیگر مذاہب کو بدنام اور داغ دار کرنے کا عمل پوری طرح سے بند ہو جائے تا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھائے اور کوئی دجالی طاقت اپنے پر نہ پھیلائے۔

محترم ڈاکٹر تویجری نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مغربی ممالک میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے میری تنظیم کی جانب سے دو طرح کے کام کئے جائیں گے:

۱- اسلامیات کے موضوع پر حالات حاضرہ کے پیش نظر نئی کتابیں شائع کی جائیں گی۔

۲- بین الاقوامی کانفرنس اور سیمینار منعقد کئے جائیں گے۔

ایسیسکو تنظیم کی یہ کوشش اس ضمن میں ہر اعتبار سے لائق تعریف ہے اور اس میں پیغام بیداری ہے ان ممالک کے لئے جو اس وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اور اس مسئلہ میں

اپنی زبان کھولنا یورپین ممالک سے وابستہ اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہوسکتی، بلکہ ایسے حالات میں عرب ممالک کے رہنماؤں کو عقل کے ناخن لینا چاہئے اور ہوش میں آنا چاہئے کیوں کہ اسلام دشمن طاقتوں کی اسلام کے مخالف اس نوعیت کی سرگرمیاں اور ان کی اس طرح کی گستاخانہ کوششوں اور ان کی آواز میں آواز ملانے والے لوگ دونوں ہی مستقبل قریب میں حد درجہ برے انجام کا سامنا کریں گے۔ کیوں کہ اس طرح کے سرکش اور خدا بیزار لوگ سر اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو انھیں اللہ کے فیصلہ کے مطابق کچل دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں سرکش فرعون کا واقعہ نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، بشرطیکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اقوال وافعال کو درست کرنے کی کوشش کریں۔

☆☆☆

موجودہ حالات اور مسلمان

عصر حاضر میں مسلمانوں کو خیر امت کی حیثیت سے مٹانے کی سازش ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، اسلام کے دور اول میں بھی یہودیت کے زیر سایہ اس طرح کے واقعات پیش آئے، اور بعد کی صدیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، پانچویں صدی ہجری میں صلیبی جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا، صلیبیوں نے عالم اسلام پر قبضہ کرنے اور امت مسلمہ کو فنا کے گھاٹ اتار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بہادر اور جانباز حکمرانوں کو حملہ آور صلیبیوں سے مقابلہ کرنے اور ان کو شکست فاش دے کر عالم اسلام سے نکالنے کی ہمت وطاقت عطا فرمائی، انہوں نے بیت المقدس کو ان کے قبضے سے آزاد کرا کے تاریخ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا۔

لیکن ساتویں صدی ہجری میں پھر مسلمانوں کو ایک سخت فتنے سے دوچار ہونا پڑا، اور وہ تھا تاتاریوں کا فتنہ، عالم اسلام پر ان کی یورش اور قتل وخونریزی کی گرم بازاری، تاریخ ان کے سیاہ کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر اسی حملہ آور قوم کے ایک حکمراں کے دل میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، اور شیخ جمال الدین نامی ایک بزرگ عالم کی اس کے دربار تک رسائی ہوئی، اور ان کے اثر سے یہ قوم اسلام کی نعمت سے نہ صرف یہ کہ سرفراز ہوئی بلکہ داعی اسلام بن کر ابھری۔

یہ دونوں واقعے اسلام کے خلاف علی الاعلان جنگ اور مسلمانوں کو منصب قیادت سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے کی سازش کا ایک اہم حصہ تھے، لیکن یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں برابر جاری رہا، اور امت مسلمہ اس طرح کے فتنوں اور آزمائشوں سے ہمیشہ دوچار رہی، اور ہر زمانے

میں اس صورت حال کا احساس علمائے دین اور داعیان اسلام پر چھایا رہا، اور اس کے نتیجہ میں امت کی اصلاح وتربیت اور اس کو اپنے منصب پر واپس لانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد بھی ہوتی رہی، اور جب بھی مخالفین کی طرف سے امت کو فرداً یا جماعۃً اپنے منصب سے محروم کرنے کے لئے نہایت سنجیدگی اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کوششیں شروع ہوئیں تو داعیان اسلام کے دلوں میں امت کے تعلق سے بے چینی لاحق ہوئی، اور انہوں نے مسلمانوں کو موجودہ فتنوں اور آنے والی آزمائشوں سے آگاہ کرنے کی ہر ممکن کوشش صرف کی، اور ان کو اپنے حقیقی منصب کی طرف لوٹنے کی تلقین کر کے اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے انجام دینے کا ثبوت پیش کیا، اللہ تعالیٰ اپنے ان مؤمن بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

(إنما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله، ثم لم يرتابوا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل الله أولئك هم الصادقون) (سورہ حجرات/۱۵)

"ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے، وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے"۔

۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں پیش آنے والے واقعہ نے ثابت کر دیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کا انداز اب بدل گیا ہے اور اس کے لئے نہایت باریک بینی اور ہوشیاری کے ساتھ منصوبہ بندی کی جاتی ہے، اور یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش ہے کہ اسلام ایک دہشت گردانہ مذہب ہے، اور مسلمان اس دہشت گردی کے علم بردار ہیں، لہٰذا ایسے مذہب کو اور اس کے ماننے والوں کو اس ترقی یافتہ جدید اور ٹکنالوجی کے دور میں باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ الزام بھی اپنی اہمیت کھو چکا اور اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک کے لوگوں کا رجحان بہت زیادہ بڑھا، اور قرآن کریم کو براہ راست پڑھ کر ان کے دلوں میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ بیدار ہوا، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا، جب کہ یہ سارا مخالفانہ

عمل اسلام سے متنفر کرنے اور اس کے متبعین کو برگشتہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند رکھا، اور آج صورت حال یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔

اسی کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے کہ آج امت مسلمہ کے افراد میں صحیح اسلامی روح کی بڑی کمی ہے، اسلامی زندگی میں انحطاط اور اخلاقی زوال کا تناسب بہت زیادہ بڑھ چکا ہے، اس لئے ہمارے مذہبی تشخص کا نمونہ لوگوں تک پہونچنے میں دشواری پیش آرہی ہے اور ہم اپنی وہ شان امتیازی دنیا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

یـأیهاالذین آمنوا إن تتقوا الله یجعل کم فرقانا ویکفر عنکم سیئا تکم ویغفر لکم والله ذوالفضل العظیم (سورۂ انفال، آیت ۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہوگے اللہ سے، تو کردے گا تم میں شان امتیازی (دوسروں کے مقابلے میں)، اور دور کردے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید فرماتے ہوئے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" والذي نفسي بيده، لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر، أوليوشكن الله أن يبعث عليكم عقابا من عنده، ثم تدعونه فلا يستجاب لكم"

''اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دیتے رہوگے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر کوئی عقاب (آزمائش) بھیج دے کہ پھر تمہاری دعائیں بھی قبول نہ کی جائیں''۔ ☆☆☆

میڈیا اور انسانی قدریں

تاریخ انسانی نے ہر دور میں میڈیا(MEDIA) کی افادیت کو سراہا اور تسلیم کیا ہے، اور اس کی نافعیت ہر زمانہ میں برقرار رہی ہے، البتہ دور حاضر میں یہ انسانی معاشرہ کی ایسی ضرورت ہوگئی ہے جس کو کبھی اس کے تن سے جدا نہیں کیا جاسکتا، یہ کبھی انسانیت کو تعمیر وترقی اور فلاح و بہبود کی منزل کی طرف لے جانے اور کبھی اس کے محل کو مسمار اور تاراج کرنے میں اہم رول ادا کرتا ہے، تو کبھی افراد قوم کے عزم وحوصلہ کی تلوار کو زنگ آلود کرنے اور کبھی ان کے اخلاق و کردار کو جلا بخشنے میں ایک مؤثر کردار ادا کرتا ہے،، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ دودھاری تلوار کے مانند ہے، جہاں اس کا صحیح اور درست استعمال انسانیت کے تن مردہ میں جوش وولولہ کی روح پھونکتا ہے، وہیں اس کا غلط اور بے جا استعمال انسانی زندگی کے لئے سم قاتل ثابت ہوتا ہے۔

دور حاضر میں ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ترقی اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس طور پر لگایا جاسکتا ہے کہ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر چھایا ہوا ہے، اس کے اثر و رسوخ اور کارفرمائی کا عالم یہ ہے کہ شہر تو شہر گاؤں اور دیہات کی زندگی میں بھی یہ خون کی طرح دوڑ رہا ہے، اور علم ودانش کے بڑے بڑے اداروں، صنعت وتجارت کی عالمی منڈیوں، بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کی شہرت کا سارا کھیل میڈیا کے سر ہے، اور عالمی سیاست کی بساط پر تو میڈیا اس طرح عصائے قاہری لئے بیٹھا ہے جس طرح عہد کہن میں راجہ مہاراجہ چوپال میں بیٹھ کر اپنے عوام پر بار فرمان لادا کرتے تھے، اور کسی کو کیا مجال کہ چوں کردے، موجودہ ذرائع ابلاغ میں انٹرنیٹ اور ٹیلی ویژن کو جو مقام حاصل ہے وہ دوسرے ذرائع ابلاغ جیسے ریڈیو،

اخبار وغیرہ کو حاصل نہیں۔

لیکن انسانی تاریخ کے ذخیرہ کی ورق گردانی کرنے والا اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ جس وقت اسلام کی کرنیں وادی بطحا کے ریگ زاروں سے پھوٹ رہی تھیں اور اس کی شعاعیں مغرب ومشرق کے خطوں میں جگمگا رہی تھیں، اسی روز سے اسلام نے میڈیا کی اہمیت کی طرف لوگوں کی نگاہوں کو پھیرا اور اپنے عالمی دین اور آفاقی پیغام کی ترویج واشاعت میں میڈیا کی مختلف اصناف کا استعمال کیا، کبھی اس نے اپنے پیغام کے لئے خطابت کا راستہ اختیار کیا تو کبھی اس نے خط وکتابت کی راہ اختیار کی، تو کبھی اپنے رب کریم کی طرف بلانے کے لئے علم وحکمت کے دامن کو سنبھالا، تو کبھی اس نے شیریں دہانی سے گفتار دلبرانہ کا نمونہ پیش کیا، لہٰذا یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ میڈیا نے اسلام کے آغوش میں آنکھیں کھولی، اور اسی کے سایہ میں وہ پروان چڑھا، کیونکہ اسلام اپنے جلو میں ایک عالمی اور آفاقی دین لے کر نمودار ہوا تھا، جس کا عالمی اور آفاقی پیغام نوع انسانی کے لئے شفقت ومحبت پیدا کرنا تھا، انہیں امن وسلامتی کے ساتھ زندگی کے مراحل طے کرنے کا سلیقہ سکھانا تھا، ان کے درمیان اخوت وبھائی چارگی کی روح پرور فضا قائم کرنی تھی، نیکیوں کی طرف بلانا اور برائیوں سے بچانا تھا، چنانچہ اسی بنیادی اور طاقتور نظریہ کا مثبت نتیجہ تھا کہ اس کا یہ عالمگیر پیغام زبان وقلم کے سائے میں ایک سرزمین سے دوسری سرزمین تک اپنی روحانی کرنیں بکھیرتا رہا، اور انسانیت کی کشت ویراں کو سیراب کرتا رہا، اور بھٹکے ہوئے آہوؤں کو کھینچ کھینچ کر سوئے حرم لاتا رہا، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک اس کا پرچم دنیا کے اکثر وبیشتر حصہ پر لہرانے لگا، اور بنی نوع انسان کی ایک کثیر آبادی اس کی آغوش میں پناہ لینے لگی۔

ہر صاحب فکر ونظریہ تسلیم کرتا ہے کہ زبان وقلم دونوں افکار ونظریات کی ترویج کا سرچشمہ ہیں، مگر دونوں کے استعمال میں قدرے فرق ہے، تاثیر دونوں کی مسلم ہے، چنانچہ قلم کے ذریعہ واقعات وحوادث کی تصویر کشی اور اس کی تفصیل وتشریح اور خبروں کی منتقلی کا کام کیا

جاتا ہے البتہ اس کے ذرائع میں سے انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن اور ریڈیو ہے، دوسری طرف زبان کے ذریعہ بھی افکار وخیالات، نظریات ورجحانات منتقل کئے جاتے ہیں، مگراس کے لئے بیان وخطابت کو وسیلہ بنایا جاتا ہے، اور یہ کام کانفرنسوں، جلسہ وجلوس میں کسی مسئلہ کو پیش کرکے یا قراردادیں منظور کرکے کیا جاتا ہے، اور قرآن کریم میں جولفظ بلاغ استعمال کیا گیا ہے، اس کا مفہوم ہی کلام کو دوسروں تک پوری دیانتداری اور سچائی کے ساتھ پہونچانا ہے، اور بلاغ یعنی پہونچانے کا انداز واسلوب زمانے کی کروٹوں کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

لیکن انداز کے اختلاف کے باوجودان کا نصب العین ہمیشہ ایک رہا، اور وہ نصب العین ہے افرادقوم کے درمیان اتحادوسالمیت کا تحفظ، سماج میں محبت اور یگانگت، میل جول، بھائی چارگی اور رواداری کے جذبات کو مستحکم بنانا، اخلاقی اقدار کوفروغ دینااورقومی کردار کی تعمیر کرنا، تخریب کاری، نفرت وعداوت، عصبیت وجہالت، غلط بیانی اور پروپیگنڈے سے دور رہنا، یہیں سے قرآن وحدیث کے اندر آئے ہوئے لفظ ''بلاغ'' کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، لیکن ان حقائق کے باوجود افسوس اورصدافسوس کہ دور حاضر کا علمی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں وہی دہراتا ہے جواسے استاذازل نے روز اول سے سکھا رکھا ہے، آج کا علمی میڈیا جس پر مغرب کی اجارہ داری ہے، اپنی تمام سرگرمیاں اوراپنے جملہ وسائل کا استعمال اسلام کی شان وشوکت کوکم کرنے، اس کی تہذیب وثقافت کے روشن چہرے کو مسخ کرنے، اس کے آفاق گیر پیغام کی دھجیاں بکھیرنے، اور غلط بیانات اور پروپیگنڈوں کے ذریعہ اس کی آہنی دیوار میں شگاف ڈالنے کے لئے کررہا ہے، وہ عالم اسلام اور مسلمانوں کو ہر جگہ رسواوبدنام کرکے ان کے عزم وحوصلہ کوختم کردینا چاہتا ہے، اوراس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ انہیں یاس وقنوط کی ایسی لامتناہی کھائی میں ڈھکیل دیا جائے جہاں سے کامیاب اورزندہ قوم کے مستقبل کے امکانات کے تمام دروازے بند ہوجاتے ہیں، اور عظمت رفتہ کی بازیابی کی راہ میں شکست خوردگی کے احساس کا ایسا بھاری پتھر رکھ دیا جائے کہ اس کے بارے میں سوچنے

کے سارے سوتے خشک ہوجائیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ مذموم ذہنیت اورناپاک سازشیں جن کے بوجھ تلے عالم اسلام کراہ رہاہے، مغربی طاقتوں اوراسرائیل کے ظالم حکمرانوں کی ماتحتی میں انجام دی جارہی ہیں جنہوں نے آزادیٔ رائے، انصاف پسندی، قوموں کے حقوق کا احترام اورآپسی تعاون اور خیرسگالی کا ڈھنڈوراپیٹ رکھاہے، اوردنیاکویہ باورکرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ امن وسلامتی کاپرچم بردار اگردنیامیں کوئی ہےتو وہ مغرب اوراسرائیل ہے، کس قدراندھیر ہے کہ بھیڑیااپنے کوبکریوں کا محافظ قرار دے رہاہے اوردنیا کی حماقت بھی قابل تعریف ہے کہ امن کی دھجیاں بکھیرنے والوں اورانسانوں کا لہو پینے والے درندوں اوران کی تڑپتی، سڑتی، گلتی لاشوں کو دیکھ کرتھرکنے والوں کوواقعتاً امن وسلامتی کا ضامن تصور کررہی ہے، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ مغربی میڈیا نے اقوام عالم کوایسی افیون کی گولی کھلادی ہے کہ پوری دنیا میڈیائی افیون سے مدہوش ہے۔کیا آج آپ کوعالمی میڈیاکے اندرسچائی وامانتداری کی کوئی خوشبونظرآتی ہے، کیااس کے اندرعوام کے احساسات وجذبات کے احترام کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے؟ اور مسلمانوں کے تعلق سے واقعہ کی صحیح تصویرکشی کے کسی ادنیٰ نمونہ کی کوئی جھلک جوتصویر کے سچے رخ کوپیش کردے؟ آج کا عالمی میڈیاعالم اسلام کی تمام ترعلمی اورثقافتی سرگرمیوں اورنوع انسانی کی تعمیروترقی میں ان کی تمام ترکدوکاوش اور جہدپیہم پراس طرح پردہ ڈالتا ہے کہ جیسے عالم اسلام پرکبھی تہذیب وثقافت اورعلوم وفنون کی فصل بہارگذری ہی نہیں، حالانکہ پوری دنیابالخصوص یورپ کے ظلمت کدوں کوعلم سے روشناس کرانے والا اسلام اوراس کے ماننے والے ہیں۔اس کے برعکس کسی غیراسلامی ملک کے معمولی سے واقعہ کو پہاڑبناکرپیش کرتاہے، اوراس کوعالمی منظرنامے پرلانے کیلئے اپنی تمام کوشش صرف کردیتا ہے، اورغیرمعمولی اہمیت کے ساتھ اس کودنیا کے سامنے پیش کرتاہے، چاہے پیش کردہ تصویراورحقیقی تصویرمیں واضح تضاد پایاجاتاہو، لہٰذا اگرآج ہم انسانی قدروں کی بات کریں اورعالمی میڈیاکے میدان میں اس کوتلاش کریں تو یہ دیوانے کی بڑ سے کم نہیں، کیونکہ آج

اس کا نصب العین صرف اور صرف مسلمانوں کے مضبوط و مستحکم وجود کو کمزور کرنا، اس کی ثقافت وتہذیب کو ملیا میٹ اور اس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آج کا مغربی میڈیا عالم اسلام اور پیروان اسلام کے خلاف عسکری یلغار کا ایک رمز ہے، اس کی اس طرح کی یورش اور اس کی اس ناپاک ذہنیت کی ابتدا تو طلوع اسلام سے آج تک قائم ہے، جس کا اظہار قرآن نے چودہ سال پہلے کر دیا تھا اور قوم مسلم کو یوں خطاب کر کے آگاہ کیا تھا۔

ولن ترضى عنك اليهود ولاالنصارى حتى تتبع ملتهم قل ان هدى الله هو الهدى

''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔''

(سورہ بقرہ: ۱۲۰)

لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ موجودہ میڈیا کا جو استعمال ہو رہا ہے یعنی نوع انسانی کے دامن کو تار تار کرنے امت مسلمہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے، اسے دہشت گرد قوم قرار دینے اور اس کے خلاف رائے عامہ کو ہموار اور نوع انسانی سے اس کو الگ تھلگ کرنے کی مذموم حرکتوں کی توقع وحشی جانوروں سے بھی نہیں کی جا سکتی ہے، چہ جائے کہ مہذب انسانوں سے ان کا صدور ہو، کس قدر عقل کو مبہوت کرنے والی بات ہے کہ جانوروں کی سوسائٹیاں اور ان کا سماج اس طرح کے وحشیانہ اعمال سے پاک ہو، مگر انسان کہلانے والی مہذب قوم کا سماج اس طرح کی قبیح لعنتوں میں گلے گلے ڈوبا ہوا ہو، عقل حیران ہے کہ اس نوع کے سماج کو کس عنوان سے یاد کرے۔

میڈیا کا یہ دورخا پن نہ صرف تشویشناک ہے، بلکہ پوری نوع انسانی کو تباہی کے دہانے سے قریب تر کرنے کی ایک گھناؤنی کوشش ہے، چنانچہ آج میڈیا پر جن لوگوں کا تسلط ہے ان کا یہ انسانی فرض بنتا ہے کہ وہ اس کو تعمیری اور انسانیت کے دکھ درد کا مداوا کرنے کے لئے

استعمال کریں، وہ دن دور نہیں ہے، جب میڈیا کا یہ زہر خود ان کے وجود میں سرایت کر جائے گا، اور ان کے وجود کو مٹا کر دم لے گا، کیوں کہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "چاہ کن را چاہ در پیش" اسی لئے مغربی میڈیا کے اجارہ داروں کو ہوش کا ناخن لینا چاہیئے اور حکمت ودانائی کی راہ اپنا کر انسانیت کی حفاظت کا سامان کرنا چاہیئے۔

☆☆☆

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

اسلامی تاریخ کے آغاز ہی سے اغیار کے ٹولوں نے دین اسلام کو تخریبی ریشہ دوانیوں اور اس کی تصویر کو مسخ کرنے میں سازشوں سے کام لیا ہے، اور انہوں نے اپنی ساری توانائیاں نور الٰہی کو گل کرنے پر جھونک دی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ خداوند قدوس اپنے نور کو پھیلا کر رہیں گے، کئی آیتوں میں اس حقیقت کی نشاندہی موجود ہے، چنانچہ سورہ الصّف میں اللہ کا ارشاد ہے:

يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منھ (پھونکوں) سے بجھادیں، اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا خواہ منکرین ناپسند کریں''۔

سورہ المنافقون میں منافقین کے بارے میں ارشاد ہے:

والله يشهد ان المنافقين لكاذبون اتخذوا أيمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ماكانوا يعلمون

''اور اللہ گواہ ہے کہ اہل نفاق بالکل جھوٹے ہیں، انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے، پھر اللہ کے راستہ سے روکا، بلاشبہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں برا ہے (انجام کے اعتبار سے)۔''

سورۂ جمعہ میں فرمایا:

مثل الذين حملوا التوراة ثم لم يحملوها كمثل الحمار يحمل أسفارا بئس مثل القوم الذين كذبوا بآيات الله والله لايهدى القوم الظالمين

''ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کی ذمہ داری عطا کی گئی، پھرانہوں نے اس کو نہیں نبھایا، گدھے جیسی ہے جس نے کتابوں (کے گٹھر) کو لادلیا ہو، بری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی کتاب کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا''۔

سورۂ جاثیہ میں وارد ہے:

ویل لکل أفاك أثيم يسمع آيات الله تتلى عليه ثم يصر مستكبرا كأن لم يسمعها فبشره بعذاب أليم.

''بڑی تباہی ہے ہر فریب کار مجرم کے لئے جو اللہ کی آیتوں کو سن رہا ہے وہ اس کے سامنے وضاحت سے بیان کی جارہی ہیں اس کے باوجود کبر ونخوت اختیار کرتے ہوئے (باطل پر) اڑا ہوا ہے، گویا کہ اس نے ان (آیات الٰہی) کو سنا ہی نہیں، لہٰذا آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیں''۔

سورہء بقرہ میں فرمان الٰہی یوں ہے:

ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى أبصارهم غشاوة ''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر اور کانوں میں (کاک) لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر (دبیز) پردہ ڈال دیا ہے''

مزید فرمایا: في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا، ولهم عذاب أليم بما كانوا يكذبون ''ان کے دلوں میں (خطرناک) بیماری (پہلے سے موجود) ہے، پھر اللہ نے ان کو بیماری کے اعتبار سے دوچند کردیا ہے اور خاص ان کے لئے سخت تکلیف دہ سزا ان کی دروغ بازی کی وجہ سے متعین ہے''۔ قرآن کریم میں اس مفہوم پر مشتمل آیات کثرت سے موجود ہیں۔

یہ آیات خدائی شہادت ہیں جن سے ہم ان مساعی کا بخوبی اندزہ لگا سکتے ہیں جو راہ خداوندی سے روکنے، مذہب اسلام پر بے بنیاد اتہامات عائد کرنے، نیز اس کو مذہبِ پارینہ

قرار دینے میں صرف کی گئیں، ایسا مذہب جس کا عہد داستان ماضی بن چکا اور سائنس وٹکنالوجی اور برق رفتاری کے دور میں جس کی بساط لپیٹ دی گئی، جس میں انسان کوتمدنی علوم ومعارف اور تہذیبی نقطہائے نظر کی کسی بھی دوسری چیز سے زیادہ ضرورت ہے۔

اسی مادی نقطۂ نظر کے پیش نظر مغرب نہایت تیز گامی اور سبک روی کے ساتھ تمام اخلاقی اقدار کو خس وخاشاک کی طرح بہا لیجانے والی مادہ پرستی کی جانب بڑھا اور اہل مغرب نے اقدار سے عاری زندگی کو اپنا لیا اور اسی کے نتیجہ میں ان کے درمیان خونی رشتے ختم اور معاشرتی وخاندانی شیرازے بکھر گئے، پھر کیا ہوا، یک بیک انسان اپنی فطرت سے بغاوت کرتے ہوئے اور بڑی بیباکی وجسارت سے اس نے حیوانیت کے تمام طور طریق اور کام اپنا لئے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس نے انسانیت سے اپنا دامن آزاد کر لینا چاہا۔ یہ وہ سیلاب بلا ہے جو آج بن بیاہی ماؤں، بن باپ اولادوں کی شکل میں نیز بڑوں کے خلاف بغاوت اور ان کے ساتھ نہایت سنگدلانہ روش کی صورت میں ہر طرف نمایاں اور عیاں ہے۔ یہ سارا سلسلہ اس شخصی آزادی کے نام پر مادہ پرست اہل مغرب کے یہاں جاری ہے جو ہر چیز کو صرف اور صرف مادیت اور مفاد پرستی کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اس کے برخلاف مذہب اسلام جو فرد اور معاشرہ کی زندگی میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا نظام مقرر کرتا ہے اور خدا کے بنائے ہوئے فطری نظام کی روشنی میں ہر گوشہ کا ایک مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔

مذہب اسلام کو تمام مذاہب کے مقابلہ میں بنی نوع انسان کے مقام ومرتبہ اور اس کے کردار کو متعین کرنے میں خاص امتیاز حاصل ہے جب کہ دنیا کی تمام تہذیبیں اور عالمی تمدن جس میں سرفہرست یونانی تہذیب وتمدن ہے انسانی معمہ کو حل کرنے اور اس کے مقصد تخلیق کا پتہ لگانے میں ناکام ہوگئیں۔ چنانچہ کبھی اس نے اس کو فلسفہائے بت پرستی میں تلاش کیا اور کبھی ادب وجمال کی فنکاریوں میں اور کبھی خوشیوں کی تقریبات اور مختلف انداز کے جشن منا کر اور کبھی عقل پرستی کا سہارا لیا اور کبھی خوشحالی اور عیش وعشرت کی بے مہار آزادانہ زندگی کو اہمیت دے کر، جس طرح عیسائی مذہب تاریخ عالم میں سب سے مختصر زمانہ

تک زندہ رہا اور اس کے بعد گوناگوں تحریفات اور مختلف قسم کے خرد برد کا شکار ہو گیا اور اس کا سرمایہ واثاثہ درمیان راہ ہی میں ختم ہو گیا، اس کے اعصاب منزل تک پہونچنے سے پہلے ہی جواب دے گئے اور اس طرح دوسرے مذاہب اور مذہبی نظریات بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہے اور زندگی و معاشرہ کے مسائل حل کرنے کے قابل نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مادی نظریات کی حامل سوسائٹیوں کی چولیں ڈھیلی نظر آ رہی ہیں اور وہ عارضی اور ظاہری لذتوں کے پیچھے بے تحاشا بھاگ رہی ہیں، جن کو آج کا انسان لباس کی طرح بدل رہا ہے اور ہر دن ایک نئی لذت کا خواہش مند ہے، اسے اس غلطی کے سنگین نتائج کی کچھ پرواہ نہیں جو متعدی اور پوشیدہ امراض و آفات کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں جو ابتدا میں اعصابی گراوٹ اور آخر میں خاندان و سوسائٹی کی تباہی اور سب سے آخری مرحلہ میں سارے تمدنی طور طریقے اور قبائلی رسم و رواج کے فنا ہو جانے کا پیش خیمہ ہیں اور دور دور تک کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس کو اقدار و کردار سے موسوم کیا جا سکے۔

مغرب کو اس اندیشے نے بے چین و بے قرار کر دیا ہے کہ انسانی دنیا پر کہیں دین و مذہب کی حکمرانی نہ ہو کہ وہ مشرق و مغرب میں اس کا سایہ دراز ہو اور لوگوں کو عقیدہ توحید کے التزام اور اعلیٰ کردار اور اخلاقی اقدار کو سینے سے لگانے کی دعوت دے اور ایمان و تقویٰ کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کرے جس پر ایک اسلامی زندگی کا پرشکوہ محل قائم ہو اور وہ اپنے مکین کے لئے خوش، قلبی راحت اور اطمینان و سکون کا ضامن ہو اور وہ اپنے اندر ان لوگوں کے لئے کشش رکھتا ہو جو محرومی، خوف اور رنج و فکر کے بحر بیکراں میں سانس لے رہے ہیں اور وہ ان کے اندر ایسی زندگی کی تلاش و جستجو کا جذبہ بیدار کرے جس سے ایک مستقل خود کفیل اصول اور مذہب کی حامل تہذیب کی داغ بیل پڑے اور وہ ہے اسلامی تہذیب، جس قدر آدمی اپنے ریسرچ و مطالعہ میں گہرائی پیدا کرے گا اس کے اس عقیدہ میں اضافہ ہوتا جائے گا کہ اسلامی تہذیب انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے اور وہ ایک ابدی تہذیب ہے جو اس کی متاع گم شدہ ہے، لوگوں کے نزدیک اسلامی تہذیب پر اطمینان

واعتماد کو ان کا اس کی بابت مطلوبہ کھویا ہوا خزانہ ہونے کا تصور مغربی رہنماؤں کے لئے پریشانی اور ناراضگی کا باعث ہے، وہ اس بے آمیز پاکیزہ اور صلح وآشتی پر مبنی تصور کو برداشت نہیں کر سکے اور وہ اس تہذیب اسلامی کے حاملین اور اس کے نمائندوں سے انتقام لینے پر کمربستہ ہو گئے، انہوں نے غصہ اور انتقام کی آگ کو تہذیبی، علمی، فکری اور عقلی جنگ کی مختلف شکلوں سے بجھایا اور حال ہی میں عسکریت کا تجربہ کیا جس نے ان کو تقلید پرست مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد بہم پہونچائی جس نے مغرب میں تعلیم حاصل کی تھی اور مغربی ثقافت کو اپنا لیا تھا اور ان کے علاوہ دیگر کچھ کمزور عقیدے کے لوگ اور روایتی طور پر دین سے تعلق رکھنے والے افراد بھی دستیاب ہو گئے جنہیں سیاسی میدان میں اہل مغرب کے ساتھ تعاون وتائید میں کوئی تأمل نہیں ہوا۔

اس طرح مغرب، عالم اسلام اور مسلم اقلیتی ملکوں میں اندھادھند ظالمانہ کارروائیوں کو انجام دینے سے متعلق اپنی پالیسیوں کی تائید کے لئے اپنے مسلمان حامیوں کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہوا لیکن اس کے نقصانات کا خمیازہ صرف مسلمان اٹھا رہے ہیں اور وہ اسی وجہ سے چیرہ دست ظالموں کے ہاتھوں سخت ترین آزمائشوں سے دوچار ہیں۔ ابھی چند روز قبل ہی امریکی صدر نے یہ صاف صاف کہہ دیا کہ وہ سرزمین عراق سے دہشت گردی کا پورا نپٹارہ کر دینے کے بعد ہی نکلیں گے، لیکن دہشت گردی کا مسئلہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کا باریکی سے تجزیہ اور اس کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لینا ضروری ہے، اسی طرح موجود حقائق کی روشنی میں دہشت گردی کے مفہوم کی پوری وضاحت بھی ضروری ہے، اس لئے کہ جس طرح خارجی دنیا میں ''القاعدہ نامی تنظیم'' کا کوئی وجود نہیں اسی طرح اسلامی دہشت گردی کے مفہوم کی پوری وضاحت بھی ضروری ہے، اسلامی دہشت گردی کا بھی ظاہر و باطن میں کہیں کوئی حقیقی مفہوم نہیں، جب کہ اس دشہت گردی کا بین الاقوامی محفلوں اور سیاست کی عالمی میٹنگوں میں چرچا ہے لیکن اس کا کسی ایک مسلمان سے بھی کوئی تعلق نہیں، اس کو انجام دینے والے وہ گروہ ہیں جو سرے سے مسلمان ہی نہیں نیز وہ مسلمانوں کے بھیس

میں ظاہری طور پر مسلمان ہیں، یہ بات پائے ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ اسلام اس طرح کی احمقانہ حرکتوں کو تسلیم نہیں کرتا، البتہ اس کو جہاد اس صورت میں کہہ سکتے ہیں جب کہ اس کے اندر اس کی شرطیں پائی جائیں اور کسی بھی سرکش دشمن کے خلاف مکمل جنگی حالات پائے جائیں، جو مذہب اور اسلامی سلطنت کو چیلنج کر رہا ہو، آج کل خود ساختہ اسلامی ناموں کی طرف انتساب کرتے ہوئے خودکشی کے مرتکب افراد یا تنظیمیں جو کسی خاص جگہ دھماکہ کی کارروائی کی ذمہ داری قبول کرتی نظر آتی ہیں فی الواقعہ اس کی کوئی حقیقت نہیں وہ محض ایک افسانہ یا بے معنی بات ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ کارروائیاں چند مشکوک ومشتبہ عناصر کی جانب سے منظّم کی جاتی ہیں جو نہیں چاہتے کہ دنیا میں امن وسلامتی کی فضا استوار ہو۔

ان دنوں عراق ملکی سطح پر ایک مکمل دستور کی تیاری کے دور سے گذر رہا ہے اس موقعہ پر امریکی نظام حکومت نے اعلان کیا ہے کہ ”عراق کے لئے دستور سازی ملک کی ترقی اور موجودہ بحران سے نجات کی بہت بڑی ضمانت ہے اور موجودہ حالات میں دستور سازی کا یہ عمل بہت بڑا واقعہ ثابت ہوگا جس سے ملک کے تمام طبقات کو دین پر عمل کی آزادی حاصل ہوگی اور یہ عمل اس ملک کی ایک نئی تاریخ رقم کرے گا اور ایک نیا باب قائم ہوگا اور آنے والی نسلیں اس ملک میں نہایت امن وسکون کے ساتھ زندگی گزاریں گی“۔

یہ امریکی بیان اس ملک کی آئندہ سیاست کے متعلق بہت گہرے مفہوم کا عکاس ہے، اس سے لگتا ہے کہ اقتدار دو میں سے کسی ایک گروہ کے حوالہ کر دیا جائے گا اور دوسرے گروہ کا کوئی اثر دخل نہ ہوگا، اور یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ سامراجی سیاست ہمیشہ مبہم، غیر واضح اور طبع زاد تصورات سے لوگوں کو دھوکہ میں رکھتی ہے اور بشمول امریکہ ساری دنیا کے عوام جنگ کے خلاف ہیں اور ملک کے باشندے اپنا سیاسی ڈھانچہ تیار کرنے اور اہل ملک کے مفاد ومصالح کے مطابق آزادانہ دستور سازی کے حق کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہی وہ فطری طریقہ ہے جس کو تمام قوموں اور ہر ملک کے باشندوں نے اپنایا ہے اور نہایت امن وسلامتی اور سکون وراحت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

ہم مغربی رہنماؤں کو اس اپیل کے ساتھ آگاہ کرتے ہیں کہ وہ بین الاقوامی سیاست میں حقیقت پسندی کی روش اپنائیں اور نوع انسانی کو ایک باعزت مخلوق تصور کریں جس کو اللہ نے بیک وقت دل و دماغ کی نعمت سے سرفراز کیا ہے، لہٰذا اگر ایک پہلو کا لحاظ کیا جائے اور دوسرے کو نظر انداز کیا جائے تو منفی نتائج سامنے آئیں گے اور یہ اختلاف ضد اور عناد کا باعث ہوگا اور دنیا میں بگاڑ اور انتشار رونما ہوگا اور وہ اللہ کے اس فرمان کے مصداق ہوں گے:

واذا قيل لهم لا تفسدوا في الارض، قالوا نما نحن مصلحون، ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون"

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں خرابی نہ پیدا کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف درستگی پیدا کرتے ہیں غور سے سن لو کہ در حقیقت وہی خرابی پیدا کرنے والے ہیں البتہ ان کو احساس ہی نہیں''۔ (بقرہ:۱۱)

اے حکمرانوں اور رہنماؤ! وقت آچکا ہے کہ زمین میں بگاڑ کا بیج بو کر تم نے جن منفی تخریبی نتائج کی فصل کاٹی ہے اس سے عبرت حاصل کرو، جو جنگ، قبضہ، چیرہ دستی کی شکل میں سب پر عیاں ہے، غیر فطری کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھنے اور بغاوت نیز ظلم و زیادتی سے آزادیاں چھیننے، حقوق ہڑپ کرنے پر اصرار، دنیا میں فساد و بگاڑ برپا کرنے یا ماحول سے امن و سکون اور دلوں سے اعتماد و اطمینان کے خاتمہ کے علاوہ کوئی دوسرا نتیجہ نہیں لا سکتا۔

تم سے پہلے بھی بہت سے سرکش و خود سر گذر چکے ہیں جو اپنے آپ کو خدا سمجھتے تھے اور زمین میں فساد مچاتے تھے اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو راہ راست اختیار کرنے کی دعوت دی۔ واضح دلائل و معجزات ان کے سامنے پیش کئے، تو انہوں نے تکبر اختیار کیا اور سرکشی سے کام لیا اور فساد مچایا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

"وقارون وفرعون ولقد جاء موسىٰ بالبينات فاستكبروا في الارض وماكانوا سابقين فكلا أخذنا بذنبه فمنهم من

ارسلنا عليه حاصبا ومنهم من أخذته الصيحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اغرقنا ، وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون"

''اور قارون وفرعون وہامان (بنگاہ عبرت دیکھو) اور میری ذات کی قسم موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے تو انہوں نے دنیا میں تکبر سے کام لیا حالانکہ وہ بچ نکلنے والے نہیں تھے چنانچہ ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ (جرم) کی پاداش میں پکڑ لیا، تو کسی پر عذاب کی آندھی بھیجی اور کسی کو (دلدوز) چیخ نے دبوچا اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ وہ بھی ہیں جن کو ہم نے دریا برد کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا البتہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے''۔

☆☆☆

زوال پذیر مغرب اور مستقل اسلام

چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟؟(۱)

اخلاق وکردار، انسانیت وشرافت، کمالات انسانی، بلند پایہ اخلاقی قدریں یہ وہ بنیادی عناوین ہیں جن سے محرومی اور تہی دامانی آج کے مغرب کی سب سے بڑی پہچان اور اس کا سب سے بڑا المیہ ہے، مغرب ژولیدہ فکری، بے راہ روی اور پریشان خیالی کے جس منحوس اور تیرہ وتار دور سے گزر رہا ہے اس نے اس کے شعور کو اس درجہ مردہ و بے جان کردیا ہے کہ اسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کچھ کررہا ہے اور اس کارکردگی کے انتہائی حیرتناک اور تیزی سے برآمد ہونے والے نامساعد نتائج کیا گل کھلا رہے ہیں؟ مغرب نے مختلف النوع سائنسی تجربات کے ساتھ ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی معادیانہ مشکوک پالیسیوں کو نافذ کرنے کی کارروائی انجام دی، پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ ہم آہنگ فطرت وخلقت اور باعث سعادت اسلامی تعلیمات وتہذیب کو مسخ کرنے اور اس کی تصویر کو بگاڑنے کی کوششوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

خلافت عثمانیہ کا سقوط وزوال بھی اصلا مجرمانہ سرگرمیوں اور کارکردگیوں کا ثمرہ تھا، مغرب نے متحد ہوکر تہذیب اسلامی کے صاف وشفاف چشموں کو خشک کرنے اور اس وسیع وعریض دنیا کے کسی بھی خطہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے خواب وتمنا کو بے برگ وبار کرنے

(۱) عربی مضمون سے ترجمہ، از مولانا اسجد ندوی

کے ناپاک عزائم کے ساتھ انجام دیا تھا، مذہب کو حکومت سے الگ کرنے اور عبادت وسیاست کا باہمی رشتہ توڑنے کا مغربی نعرہ اصلاوہ ہتھیار اور ذریعہ تھا جسے مغربی قائدین اور لیڈروں نے محض اس لئے استعمال کیا، تاکہ وہ اسلامی عقیدہ کو اس کے اصلی مفہوم اور تصور سے الگ کر ڈالیں، یہی وہ تصور ہے جو زندگی اور کائنات اور انسان سب کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے اور پوری انسانیت کے لئے سلامتی، سعادت اور امن وسکون کی ضمانت دیتا ہے اور نہایت راست اور پرامن راہِ عمل رکھتا ہے، اس حقیقت سے کوئی مفر نہیں کہ ان مغربی قائدین کو جدید وقدیم ہر زمانہ میں فرزندانِ اسلام کی ایک ایسی ٹیم تیار کرنے میں کامیابی میسر آئی جو مغربی تعلیم گاہوں اور اداروں کے ایسے ماحول وفضا میں مقیم تھے۔ جہاں صلیبی عداوت وبغض کی بدبو سے پوری فضا متعفن اور آلودہ تھی، چنانچہ سب سے پہلے مغربی مربیوں نے مختلف انداز اور طریقوں سے اسلامی شریعت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور ان کو ذہنوں میں پیوست کرنے کا کام انجام دیا، اس کے لئے انہوں نے کبھی علمی اسلوب اپنایا اور کبھی تہذیبی، کبھی فلسفیانہ اور عقلی طریقہ کار اختیار کیا۔ اور اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس فن کے ماہرین سے رابطہ قائم کیا، جنہوں نے بے انتہا حکمت عملی سے اپنے یہاں زیرِ تعلیم مسلم نوجوانوں کی ذہنیت کو بدلنے اور ان کا رخ موڑنے کے لئے بڑی جدوجہد اور کاوشیں صرف کیں، تاکہ یہ مسلم نوجوان اپنے اپنے علاقوں میں اسلام دشمن، حاسد وکینہ پرور اساتذہ کے نمائندے اور ایجنٹ بن کر لوٹیں۔

یہ عملی پالیسی کسی فوری اور محدود ضرورت کے پیشِ نظر یا ہنگامی صورت حال میں مکمل نہیں ہوئی، بلکہ اس پالیسی میں تدبیر ومنصوبہ بندی کا وافر حصہ صرف ہوا، اور انہوں نے اس کو مضبوط وقابل عمل بنانے کی راہ میں ہر طرح کی مشقتیں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیں، گویا یہ پالیسی بڑی عرق ریزی اور کاوشوں کے بعد اپنی مکمل شکل میں نمودار ہوئی، اور پھر اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ منصوبے اسلام کو ناقابل عمل مذہب قرار دینے کے مشن میں زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوئے، اس مشن میں عیسائی مبلغین اور مستشرقین کے پروردہ گروپ

شانہ بشانہ شریک رہے اور ایک دوسرے کا ہر طرح تعاون کرتے رہے، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پیغام اسلامی کے دوام وآفاقیت، اس کے رواں دواں علمی کارواں کے قدم بہ قدم منزلیں طے کرنے اور اس فکری ونظریاتی حصار کے ارد گرد شکوک وشبہات پیدا کرنے میں روز وشب ایک کر دیئے۔ اور نئی پود اور مسلم نوجوانوں کی عقلوں کو نشانہ بنانے اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو چیلنج کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف رہے، اور اپنی ساری توانائیاں صرف کرتے رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس قدر زور وشور سے جاری یہ سرگرمیاں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ اسلام اور تہذیبِ اسلامی کے ان کینہ پرور حاسدوں کے دلوں میں اسلام کے دین فطرت ہونے، اسکے تمام نفسیاتی اور جسمانی ضروریات اور تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے اور اس کے قلب وروح کی آسودگی کا ذریعہ ہونے کا پورا یقین جاگزیں ہے، ورنہ پھر وہ شعائرِ اسلام کو منہدم کرنے، ان کی صورت کو مسخ کرنے اور مغربی رہنماؤں کے لئے وفاداری اور محبت اور اسلامی مبلغین وداعیان کے لئے کینہ وحسد اور بغض وعداوت کے مخفی جذبات رکھنے والی مسلم نوجوانوں کی ٹیم تیار کرنے کے لئے اس طرح کی شاطرانہ چالیں نہ چلتے، یہ دراصل اسلام سے شدید نفرت اور بغض کی علامت ہے ہے جس کا اشارہ قرآن کریم میں ملتا ہے:

قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفي صدورهم أكبر

''کہ ان کی زبانوں سے شدت عداوت ظاہر ہو چکی ہے۔ لیکن ان کے دلوں میں جو دشمنی چھپی ہوئی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' (آل عمران:۱۱۸)

اقتصادی، سماجی اور سیاسی میدانوں میں مغرب کے مادی نظریات روز بروز ماند پڑتے جا رہے ہیں۔ ان کے تہذیبی فلسفے مائل بہ زوال وانحطاط ہیں، ڈارونی، فرویڈی اور مارکسی نظریات کا بطلان ثابت ہو چکا ہے، اور ان میں کسی بھی نظریہ وتہذیب کے بقاء کا جواز ہی باقی نہ رہا، چہ جائیکہ اس پر عمل اور اسے معاشرہ پر نافذ کرنے کا مسئلہ درپیش ہو۔ اسی وجہ سے مغرب کو بڑے خطرناک بحران وکشمکش کا سامنا ہے اور اس کا وہ رعب ودبدبہ رفتہ رفتہ ختم

ہوتا جارہا ہے جو اس کے زیر اثر علاقوں میں بسنے والے باشندوں پر تھا۔ یہ راستہ اس لئے بے نور ہو چکا ہے اور وہ تہذیبی ایجادات وتبدیلیوں کا اعتراف واعلان کرنے پر مجبور ہے ،تاکہ اسی بہانے اسے اپنے رسوا کن موقف سے رستگاری مل سکے۔ اور وہ دنیا کے سامنے نئے عالمی نظام کے دلکش و پرکشش فوٹو اور کچھ ایسے مبنی بر ربا اقتصادی نظام کی تفصیلات پیش کر سکے جو اس کے موقف کی کمزوریوں اور خامیوں کو چھپالیں اور نظریات وفلسفوں کی اس ذلت آمیز ناکامی پر پردہ ڈال دیں ،جس کا اسے سامنا ہے ،لیکن کب تک مادہ پرست مغرب اپنی کمی اور طبعی انحراف کو چھپا کر تاریک وظلمت زدہ کھائیوں اور سرنگوں میں سفر کرتا رہے گا؟

اسلام دشمن مغرب اور خصوصا اسلام مخالف قیادت کے علمبردار یورپ وامریکہ نے اب اپنی پالیسی بدلنی شروع کردی ہے، اب اس کے لئے براہِ راست اسلام اور تعلیماتِ اسلامی پر حملہ کرنا بے سود ثابت ہوا، اس لئے اس نے بغیر کسی رورعایت اور نرمی کے مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کا طریقہ اپنالیا ہے، غالبا اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت وشوکت ختم کرنے اور اچانک ان کے جان ومال وآبرو پر بٹہ لگانے کی کوششیں ان میں ضعف وپست حوصلگی، ذلت وکمزوری پیدا کردیں گی، اور وہ بے حیثیت قوم بن کر رہ جائیں گے جن کا کوئی مستقبل نہ ہوگا، چنانچہ ان کے جذبات سرد ہوجائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے ذلت وپستی اور زوال وانحطاط کے دلدل میں پھنسے رہ جائیں گے اور مغربی قائدین کے لئے عالم اسلام اور دعوتِ اسلام کے مراکز پر حکم چلانے اور من مانی کرنے کے لئے فضا ہموار ہوجائے گی اور ان کے لئے راستہ صاف ہوجائے گا، یہ زہر آلود فکر آج کی امریکی اور یہودی طریقہ کار میں بہت صاف طریقہ پر نمایاں نظر آتی ہے، اسلامی ممالک کی زرخیز زمین کے مسائل وجامد معدنی خزانوں پر امریکہ اور مغرب کی رال ٹپک رہی ہے اور لالچ بھری نظروں سے وہ اسے بڑی بے صبری سے دیکھ رہے ہیں، دیدہ دلیری اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ مغرب عالمِ اسلام کی قسمت کا فیصلہ کررہا ہے۔ عالم

اسلام کی ایجادات و مصنوعات پر بلا استحقاق قبضہ جما رہا ہے، مسلمانوں اور اسلامی اقلیتوں کے ساتھ اس طرح کی غیر قانونی کارروائیاں دراصل اس اخلاقی زوال اور انسانی قدروں سے تہی دامانی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں، جن سے دشمنانِ اسلام دوچار ہیں اور انہیں ظالمانہ کارکردگیوں ہی نے امریکہ کو عالمِ نو کا سپر پاور مالک بنا دیا ہے۔

اسلام دشمنی کی تیز و تند آندھی میں اللہ کے بہت سے ایسے ہدایت یافتہ معزز بندے بھی ہیں جو اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ فلسفوں، تہذیبوں اور نظریات کے اس بحر بیکراں میں تنہا اسلام ہی انسان کے لئے سفینہ نجات ہے، تمام مادہ پرستانہ اور فکری کشمکشوں سے انسانیت کو صرف اسلام بچا سکتا ہے اور اسلام ہی وہ دستور زندگی ہے جو روح کو ایمان و عمل کی غذا سے شادکام کرتا ہے، اپنے پیروؤں میں حقیقت کی اسپرٹ بیدار کرتا ہے۔ اور انہیں دنیا و آخرت کے حسنات روح و مادہ اور وسائل و مقاصد سب میں پورے توازن و اعتدال کے ساتھ جامعیت کا سبق دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

فمن الناس من يقول ربنا آتنا في الدنيا وماله في الآخرة من خلاق ومنهم من يقول ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار أولئك لهم نصيب مما كسبوا والله سريع الحساب ۔ (سورۂ بقرہ:۲۰۰)

"لوگوں میں سب کچھ ایسے ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں کامیابی عطا فرما، حالانکہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کی دعاء یہ ہوتی ہے کہ ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی کامیابی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور دوزخ کے عذاب سے بچا، یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے کئے کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

تاریخ انسانیت میں یہ پہلا موقع تھا جب اسلام نے عالمی طور پر ایمان کی بنیاد پر بھائی چارگی، ہر کلمہ گو کی خیر خواہی، انفرادی مصلحتوں و منفعتوں پر اجتماعی مصالح و منافع کی

ترجیح کا زریں اصول سکھایا، جبکہ دیگر مادی تہذیبیں افراد و معاشرہ کے لئے جھوٹے اور غلط معیار قائم کرتی ہیں اور طاقت و کمزوری رنگ و نسل، زبان و وطن کی تفریق کے کھوکھلے نعرے لگا کر نوع انسانی میں انتشار و امتیاز کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ یہی وہ تہذیبیں ہیں جو عصبیت اور نسل پرستی کے جذبات کو فروغ دیتی ہیں اور ہر حال میں طاقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا سبق سکھاتی ہیں، خواہ وہ طاقت کیسی ہی ہو اور اس کی حقیقت کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو، لیکن اسلام ہی وہ معتدل اور راست مذہب اور زندۂ جاوید و لا فانی دستور حیات ہے جو انسان کو ایمان و عملِ صالح کے ذریعہ اس کے خالق پروردگار سے جوڑتا ہے اور انسانوں کو اخوت و انسانیت کے اٹوٹ رشتہ میں باندھتا ہے اس کے نزدیک کمال و برتری کا معیار صرف خوفِ الٰہی اور خشیت ربانی ہے۔ ان أكرمكم عند الله أتقاكم ۔تم میں سب سے معزز اللہ کی بارگاہ میں وہی ہے جو زیادہ اللہ سے ڈرتا ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي الا بالتقوى كلكم من آدم وآدم خلق من تراب ۔کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے، معیارِ کمال تقویٰ ہے، تم سب آدم کے فرزند ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر رسولؐ نے قومی و خاندانی عصبیت اور رنگ و نسل پرستی کے بارے میں فرمایا۔ دعوها فانها منتنة کہ یہ عصبیت ختم کرو، کیونکہ یہ بدبودار ہے۔

دشمنان اسلام کا یہ بے بنیاد الزام بھی بڑے شد و مد سے اٹھا کہ اسلام علم جدید اور ٹکنالوجی کا بڑا سخت مخالف ہے لیکن اصحاب بصیرت و واقف کار حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام ایمان کی پختگی اور علم کی گہرائی دونوں صفات کا جامع ہے اور کائنات کی نشانیوں آسمان و زمین کی تخلیق اور روز و شب کی گردش میں غور و فکر کرنے کی صدا لگاتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی ان نشانیوں میں اللہ کی وحدانیت اور کبریائی کے عظیم مظاہر ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلام ہی روائے زمین پر نافذ ہونے والا وہ پہلا مذہب ہے جس نے علم کی فرمانروائی قائم کی اور اسے ہر نوع کی سربلندی و خوش بختی کا مرکز قرار دیا۔ اسلام ہی نے نبوت کی بنیاد

علم پر رکھی، چنانچہ اپنے آخری رسول کو حکم دیا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الأكرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم يعلم

''پڑھئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا رب معزز ہے جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

اسی طرح اسلام نے خلافت ارضی کا مدار واستحقاق علم پر رکھا، چنانچہ فرمایا:

وعلم آدم الاسماء كلها ثم عرضهم على الملئكة فقال أنبئونی بأسماء هولاء ان كنتم صادقين

''اور اس نے آدم کو سارے نام سکھا دیئے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان لوگوں کے ناموں سے آگاہ کرو''۔

اسلام کا سنجیدگی وتوجہ سے مطالعہ کرنے والے ایک انصاف پسند مغربی فلسفی کا کہنا ہے کہ: ''مغرب میں تہذیب وتمدن کا آغاز اٹلی سے یونان وروم کے موروثی سرمایہ کی بدولت نہیں، بلکہ اس کا آغاز اسپین سے عرب کی اسلامی ثقافت وعلوم کی شعاع روشن ہونے کی وجہ سے ہوا، لیکن مغربی تہذیب نے عرب کے اسلامی علوم سے صرف سائنسی وسائل اور طریقے اور ٹکنالوجی ہی اخذ کی اور اس عقیدہ کو چھوڑ دیا، جو ان تمام علمی سرگرمیوں کا محور تھا۔ اور اس کا مرکزی نقطہ رضائے الٰہی تھا تاکہ علم انسانیت کی مستقل طور پر ہمیشہ خدمت کرتا رہے۔

تحریک اخوان کے قائد ومجاہد امام حسن البناء شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جن اسلامی تعلیمات کی طرف لوگوں کو آواز دی اور انہیں ہر جگہ اور ہر زمانہ اور ہر موقع پر مسلمان کا بنیادی عقیدہ سمجھا، ان کی تشریح میں بہت دل کو لگنے والی اور آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل بات کہی ہے۔ وہ یہ کہ ''اسلامی تعلیمات کا منبع واساس کتابِ الٰہی اور سنتِ نبوی ہیں۔ اگر امت ان کو مضبوطی سے تھامے رہے تو وہ کبھی گم گشتہ راہ ومنزل نہ ہو سکے گی، اور

اسلام سے جڑ کر اس کے رنگ میں رنگ جانے والے بہت سے علوم ونظریات ایسے ہیں جو اصلاً اپنے موجودہ زمانوں اور معاصر جماعتوں کے قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسلامی احکام وتعلیمات کامل ومکمل ہیں وہ دنیا وآخرت دونوں سے متعلق تمام معاملات پر حاوی ہیں جو لوگ ان تعلیمات کو عبادت وروحانیت ہی کے محدود پہلوؤں کے ساتھ خاص مانتے ہیں، وہ فاش غلطی میں مبتلا ہیں، اس لئے کہ اسلام عقیدہ وعبادت بھی ہے، وطن وقوم بھی ہے، رہبانیت وعمل بھی ہے، مصحف وتلوار بھی ہے، اور مذہب وسیاست بھی ہے کیونکہ

جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قرآن کریم بھی اسی حقیقت کا ترجمان ہے اور اسے اصل اسلام اور دین کا لب لباب سمجھتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ کا پیغام ہے:

وابتغ فيما آتاك الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا ، وأحسن كما أحسن الله اليك.

''اور جو مال تمہیں اللہ نے دی ہے، اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو اور احسان کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔''

☆☆☆

باب دوم

مسلمان اور دعوتی جدوجہد

تبلیغ ودعوت انسانیت کی مسیحائی

تاریخ عالم شاہد ہے کہ اسلام نے عالمی سطح پر ملی قیادت کا فریضہ انجام دیا، ڈوبتے سفینہ کوساحل مراد تک پہونچادیا، روتی، بلبلاتی، دم توڑتی انسانیت کے ظلم وکرب کوختم کیا اور اسے اعلیٰ مراتب سے سرفراز کیا، اسلام کا یہ انقلابی عمل ایسے وقت میں وقوع پذیر ہوا، جب انسانیت ظلم وبربریت سے کراہ رہی تھی، ایک خاندان کے گنے چنے افراد پورے مجموعہ انسانی پر اپنا حکم وتسلط جمائے ہوئے تھے، ان کے ساتھ گدھے اور کتے کا سا برتاؤ کرتے تھے، اور ان کوتفریح طبع کا سامان سمجھتے تھے، اسلام کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے انسان کوانسان کے ساتھ جینے کا طریقہ سکھایا، مردہ ضمیروں کو بیدار کیا، حق کی آواز کو بلند کرنا سکھایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جلیل القدر تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ماقبل اسلام کی اس صورت حال کی پوری تصویر کھینچی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

''صدیوں سے آزادانہ حکومت کرنے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے دام تزویر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیاں اور سامان زیست میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کرلی تھی، وہ ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے اور فخر کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامان آرائش وراحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، چنانچہ ان پر فورا عمل شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر

کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالیشان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو نوجوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو اس پر قیاس کر سکتے ہو۔

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ وہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، چنانچہ ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہوگیا تھا جو ان کی پوری تہذیب، اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ مصیبت عظمیٰ تھی جس کا شکار عوام وخواص اور امیر وغریب سب تھے، ہر شہری پر یہ پر تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہوگئی تھی کہ اس کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش بہا رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے تھے اور یہ رقمیں اور بے پایاں دولت کاشتکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہوسکتی تھی، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں اور ان کے احکام کی تعمیل کی صورت میں ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک روا رکھا جاتا''۔(۱)

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ عجمی تہذیب وثقافت نے انسان کو اونچ نیچ، گداوغنی، قوی وضعیف کے دو طبقوں میں بانٹ دیا، کینہ وحسد، بغض وعداوت، عصبیت وقومیت، رنگ ونسل کی تفریق کے بیج بودئے اور انسانیت اور اس کے عز وشرف کے احساس کو ختم کردیا، نتیجۃً انسان کے خون سے ہولی کھیلی گئی، اور اس کے تقدس کو پامال کیا گیا اور پوری دنیا ظلم وجور، بربریت وشیطنت کی آماجگاہ بن کر رہ گئی۔

لیکن اسلام نے انسان کی قدر ومنزلت کو بڑھا کر اس کو بام عروج تک پہونچایا اور

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ مولفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۰۵۔۱۰۶

دنیاوالوں کے سامنے اخوت ومساوات، مواسات وہمدردی کا حسین گلدستہ پیش کیا اورصاف طور سے یہ اعلان کردیا کہ تمام انسان برابر ہیں، کسی انسان کوکسی دوسرے پر ذرا بھی فوقیت نہیں، نبی کریم ﷺ کا اعلان انسانی مساوات کی کھلی دلیل ہے کہ ”نہ عربی کو عجمی پر فوقیت حاصل ہے نہ عجمی کوعربی پر، نہ کالا گورے سے بڑھا ہوا ہے نہ گورا کالے سے، صرف تقویٰ ہی ایک کو، دوسرے پر فائق کرسکتا ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں“۔ اسی طرح قرآن پاک نے اعلان کرتے ہوئے انسان کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ ”یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکروأنثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن وأکرمکم عندالله أتقاکم “ (حجرات:۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کوایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری مختلف قومیں اور متعدد خاندان بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ شریف وہی ہے جوسب سے زیادہ پرہیزگار ہو، رنگ ونسل، جنس ومال، قوی وضعیف کے تمام امتیازات کو یک لخت ختم کرکے تمام انسانوں کو یہ سبق سکھایا کہ خدا کی رسی کومضبوطی سے تھامے رہنے ہی میں ان کی فلاح وبہبود مضمر ہے، اسی طرح اس مظلوم وپریشان حال انسان کو اخوت ومحبت، مساوات ورواداری کا سبق یاددلاتے ہوئے اس کوخون قرابت وعزت کے پاس ولحاظ سے بھی واقف کرایا اور یہ بھی بتادیا کہ جاہلیت نے انہیں کس طرح آگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا اور اسلام نے اس میں گرنے سے کس طرح ان کو بچالیا، کیا یہ انسانیت پر اس کا احسان وانعام نہیں؟! قرآن پاک اپنے انعامات کو بیان کرتے ہوئے یوں گویا ہے۔ ”واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقوا وانکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم أعداء فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمته اخوانا، وکنتم علی شفا حفرة من النار فأنقذکم منها، کذلك یبین الله لکم آیته لعلکم تهتدون “(آل عمران:۱۰۳) اور اللہ کی رسی کومضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی

بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

آج انسانی سوسائٹی پر مادیت کا جو جال پھیلا ہوا ہے اور چہار دانگ عالم میں اس سے جو شور بپا ہے اس سلسلہ میں اگر ہم فکر و تامل سے کام لیتے ہوئے انسان کی زبوں حالی و خستہ سامانی کے اسباب و عوامل تلاش کریں تو لازمی طور پر مادیت ہی کو اصل سبب قرار دینا ہوگا، چنانچہ آج کا متمدن انسان اسی طرح پریشان و حیران ہے جس طرح دورِ جاہلیت میں تھا، اس کی اس پریشانی و بدحالی کے چہرے اور نام بدل گئے ہیں، ورنہ جہاں تک ظلم و جور، شقاوت و عذاب، تشدد و سرکشی کا سوال ہے وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے زمانۂ اسلام سے ماقبل تھا، چاہے وہ تہذیب و ثقافت کے نام پر ہو، یا خوشحالی و معیار زندگی کے اعلیٰ ہونے کی بنیاد پر۔

آپ خود دیکھتے ہیں کیا آج کالے اور گورے کے درمیان جنگ بپا نہیں؟ کیا طبقاتی تفاوت آج نہیں پایا جاتا؟ کیا عیش و تنعم میں پلنے والا اور اعلیٰ عہدہ دار طبقہ اپنی دولت و مال کی بنیاد پر اتراتا ہوا نظر نہیں آتا؟ کیا رنگ و خون، نسل و خاندان کا امتیاز آج بھی باقی نہیں ہے؟ کیا کمزور طبقہ کو ایک ادنی غلام کی سی زندگی آج گذارنی نہیں پڑتی؟ کیا مزدور و پیشہ ور طبقہ صرف ایک لقمۂ عیش کے لئے محنت و مشقت برداشت نہیں کرتا؟ کیا یہ سب روم و فارس کی تہذیب و ثقافت اور طرز معاشرت سے بڑھ کر ہمارے علم و فن اور عقل و فلسفہ کے تمدن و کلچر میں نہیں پایا جاتا؟ کیا ایک کمزور و ناتواں انسان سے اس کا حق زندگی نہیں چھینا جاتا؟ کیا اس کو تپتی ہوئی آگ اور لوہے پر نہیں لٹایا جاتا؟ کیا اس کی کھال بکری اور اونٹ کی طرح نہیں کھینچی جاتی؟ اور اس کو ذلیل و رسوا نہیں کیا جاتا؟ کیا ایک لاڈلے بچے کو اس کی ماں، اور شوہر کو بیوی اور اولاد کو والدین کے سامنے نہیں ذبح کیا جاتا؟ اس طرح کی کتنی مثالیں ہیں جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس متمدن دنیا میں آج ظلم و جور، ذلت و رسوائی، جرائم و تشدد، طمع و حرص، جھوٹ و دغا کی فضا جس قدر عام ہے اسلام سے پہلے زمانہ میں اس قدر عام نہ تھی، دور

جاہلی کا انسان اتنے سخت حالات سے دوچار نہ تھا جتنا کہ آج کا متمدن (Civilized) شخص تمدن وفن کی وجہ سے دوچار ہے، آج تو یہ حال ہے کہ ظلم وشقاوت، غلام وتابعدار بنانے، حقوق کی پامالی کرنے، بے عزتی وآبروریزی کو ایک بہت بڑا کامیاب فن سمجھا جانے لگا، نیز دینی واخلاقی لبادہ اوڑھ کر اس کی آڑ میں لوگوں نے جو ڈھونگ رچا رکھا ہے یہ بھی آج ایک کامیاب فن ٹھہرا۔

ان نامساعد حالات میں جس تیزی کے ساتھ اخلاقی، دینی اور انسانی اقدار سے انحراف ہورہا ہے دراصل اس کی وجہ خواہشات نفس اور غلط آرزوؤں کی تکمیل ہی ہے، اس صورت حال نے موجودہ زندگی پر فلسفۂ علم ونظریات کی کئی شکلیں پیدا کردی اور اس پر بحث کرنے والوں نے عقل وفکر کی بنیاد پر خیال آرائی اور نکتہ چینی سے طرح طرح کے افکار کو جنم دیا جس سے عیش پرستوں کا مقام (Credit) اور بلند ہوگیا، یہ عیش پرستی، ناز ونعم انہیں افکار ونظریات کا نتیجہ ہے۔

اب غور وفکر کرنے کی بات ہے کہ یہ بگاڑ کیسے دور ہو، یہ صرف امید وآرزو اور فلسفۂ اسلام کو پیش کردینے اور قلم وزبان سے برائیوں واچھائیوں میں فرق کردینے سے ہرگز دور نہیں ہوسکتا، بلکہ اس بیمار سوسائٹی کی مسیحائی کے لئے تبلیغ ودعوت کے ساتھ ساتھ قول وفعل میں مطابقت پیدا کرکے اسلامی سیرت کو واضح ومنقح شکل میں پیش کرنے کی ضرورت ہوگی، جب تک ہمارے قول وعمل میں تضاد ہے اس وقت تک یہ فساد وبگاڑ ختم نہیں ہوگا۔

اسلام ہم سے یہی چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصود بھی ہے، اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنے سخت حالات کا مقابلہ نہیں تھا، جتنا آج ہے، اور خاص کر پندرہویں صدی ہجری تو طرح طرح کے چیلنج لے کر نمودار ہوئی، ایسے وقت میں ہمارا خاموش بیٹھنا یقیناً آیت قرآنی ” ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير “ کے منافی ہوگا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم علم وعمل کے ہتھیار سے لیس ہوکر اس ستم رسیدہ انسانیت کو اس کا سبق یاد دلائیں، قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ سے لوگوں کو عمل پر ابھارنے کی تاکید کی گئی ہے نوید قرآنی ہے، ” وقل اعملوا فسيرى الله عملكم و رسوله والمومنون “ (توبہ:۱۰۵): آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کرو، سو ابھی دیکھ لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان۔

دعوت اسلامی اور اس کے نتائج

دینی دعوت ہی انسانیت کی ہدایت کا پیغام اور اس کے تحفظ و بقا کی مدعی اور ضامن ہے، وہ اخلاق و روحانیت، خدمت خلق اور نفع رسانی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور انسانیت کی نشو و نما اور تہذیبی و اخلاقی ارتقاء کا انحصار اسی پر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب داعیان اسلام اور ہادیان انسانیت کے اندر دینی دعوت کی اشاعت و ترویج عام ہوتی ہے اور شعور و احساسات کی چنگاری بھڑکنا شروع ہوتی ہے تو عام طور پر سادہ لوح عوام کے اندر بھی جذبۂ ایمانی موجزن ہوتا ہے اور وہ ان کے دوش بدوش اور شانہ بہ شانہ چلنے کے لئے تیار ہوتے ہیں، جس کے نتائج اس طرح ظاہر ہوتے ہیں کہ غیر شعوری طور پر دعوت کی موافقت، اور دعوتی سرگرمیوں کا اہتمام شروع ہوتا ہے، علمائے اسلام اور مفکرین کی طرف سے بھی دینی افکار و خیالات اور علمی نظریات کی تائید ہونے لگتی ہے، کیونکہ علماء ہی اپنے طرز بیان اور بلیغ اسلوب سے اسلامی تحریک کو پروان چڑھا سکتے ہیں، اور مادہ پرستی ان کی راہوں میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

یہ ان داعیان حق اور مفکرین اسلام کے اخلاص، ایثار نفس، اور علمی و عملی قربانی کا ثمرہ ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا کوئی قطعۂ ارض ایسا نہیں، جہاں اسلام کے اس انقلاب عظیم نے ظاہری اور حسّی طور پر کوئی انقلاب اور تبدیلی نہ پیدا کی ہو اور صحیح اسلامی تعلیمات کی روح و معنویت منظر عام پر نہ آئی ہو۔

جہاں تک حقائق اور مشاہدات کا تعلق ہے تو پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ

مہذب غیر مسلم بھی اسلام کی تاثیر نفس، روشن ضمیری، قوت جاذبیت اور مقناطیسی کشش کا لوہا مانتے ہیں اور بہت سی تہذیبی وتمدنی مشکلات ومسائل کا حل اور ظاہری و باطنی امراض کا علاج سوائے اسلام کے دیگر مذاہب وادیان میں نہیں پاتے ، یہ اسلام کی منفرد اور ممتاز خصوصیت ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اسلام اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاقی انحطاط کے دور میں بھی مینارۂ رشد وہدایت بنا ہوا ہے اور آفتاب اسلام روز اول سے اب تک اسی طرح روشن اور تابندہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جاپان اور یورپ وافریقہ کے بعض علاقوں میں جہاں پر اخلاقیات وصداقت، غیرت وعزت، شرافت وخود داری اور انسانیت مرچکی تھی ، دعوتی سرگرمیوں، اور کوششوں سے غلامی وعبودیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کی ایک خاص تعداد اسلام اور تعلیمات اسلام کی منقاد ومطیع ہوگئی، اور اسلامی تعلیمات اور دینی احکامات سے روشناس ہوئی، اس راز کو ہر سلیم الطبع اور صاحب عقل وفہم انسان سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے حق وباطل، حلال وحرام، کفر وایمان اور جسم وروح میں فرق، اور خالق ومخلوق اور حاکم ومحکوم کے باہمی ربط وتعلق، اور سعادت وشقاوت کی راہوں کی نشاندہی میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیا ہے:

وأن هـذا صـراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ذلكم وصّاكم به لعلكم تتقون، (انعام:۱۵۳)

ترجمہ: یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ تم کو اس کے راستہ سے الگ کردیں، اس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیز گار ہوجاؤ۔ اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے : خذ ما صفا، دع ما کدر (صاف اشیاء کو لو اور ناصاف کو ترک کردو)

اس کے برعکس مادیت اور غیر اسلامی تہذیب نے انسان کی فطری صلاحیت عقل وفراست اور وجدان کی کیفیت کو کالعدم کردیا ہے جس سے صواب وناصواب میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی تقویم میں ایک ایسا دل سوز دور بھی گذرا ہے جس میں دینی دعوت اور اسلامی نظریات وافکار کی راہوں پر کانٹے اور خار دار جھاڑیاں بچھائی جاتی تھیں تا کہ متبعین حق کے دامن چاک ہو جائیں، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ جسمانی وروحانی قربانیاں پیش کرنے اور مصائب وآزمائشوں سے زور آزمائی میں کبھی مسلمانوں کے قدم نہیں ڈگمگائے، بلکہ نہایت ہی بشاشت، خوشدلی اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ سربکف میدان میں آگئے، اس یقین کے ساتھ کہ ؎

اے دل! تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سوایسا زیاں نہیں

بڑی مسرت کی بات ہے کہ دعوت اسلامی کے دائرے اور حدود وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں، ہر ملک وملت میں عالمی پیمانے پر اسلامی تعلیمات اور اخلاق وفضائل کی نشر واشاعت کے لئے دینی واسلامی مراکز اور تعلیم گاہیں قائم ہو رہی ہیں، مغرب میں بطور خاص بیداری کی مہم شروع ہوگئی ہے، وہاں بہت سی انجمنیں، تعلیمی ادارے اور اسلامی مدارس موجود ہیں، تعلیمات اسلام اور تبلیغ دین کے لئے بہت سے اسباب وعوامل مہیا ہیں، اسی طرح افریقہ، امریکہ، اور براعظم ایشیا بھی دینی وعلمی ارتقاء میں اہم حیثیت رکھتے ہیں، لیکن افسوس اس کا ہے کہ اسلامی دعوت اپنی حدود ودائرے کی وسعت کے باوجود روحانی اخلاص، دینی حکمت عملی اور فنائیت کے میدان میں بہت پیچھے ہے، اور اطاعت وفرمانبرداری، استقامت، ثبات قدمی اور جاں نثاری کی چھاؤں ڈھلتے ڈھلتے مفاد پرستی، خودغرضی ومصلحت بینی کی دھوپ وتپش میں تبدیل ہو رہی ہے۔ حالانکہ ایک پاک نفس داعی اور بےلوث مصلح کے لئے جس کے دل میں عشق الٰہی کی چنگاری سلگ رہی ہو، ضروری ہے کہ دنیا کے ساز وسامان سے بےفکر اور بےلوث ہو کر ایمان ویقین، علم وعبادت، اطاعت وفرمانبرداری کی بنیاد پر اس کی دعوتی زندگی کی عمارت قائم ہو، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر کی مادیت کے فاسد افکار وعناصر نے دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے وسیع دائرۂ کار میں

عیش طلبی، آرام پسندی اور تن آسانی کی راہوں سے داخل ہو کر داعیان اسلام اور فریضۂ دعوت وتبلیغ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی ہے، جس کی وجہ سے جاں بازی، مہم جوئی اور دین کی راہ میں خطر پسندی، حوصلہ مندی، خود اعتمادی وخود شناسی نیز مصائب ومشکلات پر صبر ورضا اور ثبات قدمی کے اوصاف محض داستان پارینہ بن کر رہ گئے ہیں اور منکرات ومعاصی اور احکامات خداوندی کی علانیہ نافرمانی اور سرتابی جیسی برائیاں عام ہو رہی ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ سے لاپرواہی وتساہلی علمائے حق کے درمیان عام ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ دینی واخلاقی دعوت کا جملہ رذائل اور منہیات ومحرمات سے منزہ اور پاک ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دعوت کا کام اس کے بغیر اچھے نتائج نہیں پیدا کر سکتا، اسی طرح ہر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعوت کا حامل ہو، اہم خصوصیات، یعنی غیر متزلزل یقین، اسلام سے وفاداری، سرفروشی وقربانی کا شوق، ایثار وخودداری، محنت وجاں بازی کا جذبہ اس کے دل میں موجزن ہو۔

چرب زبانی اور لن ترانی کے بجائے جد وجہد، حسین خوابوں اور تمناؤں کے بجائے حقائق پر اعتماد کامل ہو، اور ہر داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم وملت کے افراد کو اپنے کمزور پہلوؤں کو دیکھنے، اپنی بیماریوں کو سمجھنے اور اپنا اور اپنے قائدین کا احتساب کرنے کی دعوت دے کہ قومیں اور ملتیں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔

دعوت کا یہ فریضہ خواہ کتنا ہی دشوار، اور ناخوشگوار ہو، خواہ کتنا ہی تلخ اور جاں گسل ہو اور وہ کتنی ہی تنقیدات وملامت کا تختۂ مشق بنا ہوا ہو، مگر ایک داعی کے لئے ایک دینی فریضہ، ایک آشنائے حقیقت کے لئے اداء شہادت اور ایک دردمند معالج کے لئے ضروری عمل جراحی کے مترادف ہے۔ ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين (فصلت:۳۳) اور اس سے زیادہ بھلی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

دعوت اسلامی اور استحصال پسند عناصر

دنیا میں مختلف حصوں اور علاقوں میں کی جانے والی دعوت اسلامی کی کوششوں اور سرگرمیوں پر جن لوگوں کی نظر ہوگی، اور جو لوگ دعوت اسلامی کے کاموں سے دلچسپی رکھتے ہوں گے وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ اس معزز اور وسیع میدان میں کی جانے والی کوششوں کا دائرہ عمل کتنا وسیع ہے، دنیا کے اندر جو قابل قدر وسائل وذرائع اس وقت موجود ہیں، دعوت اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی، اپنے پیغام کی نشر واشاعت اور انسانی معاشروں میں دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ان تمام وسائل سے مکمل فائدہ اٹھایا، اسی طرح دعوت اسلامی کے کام کو ان علماء کرام اور داعیان اسلام سے مدد ملی جنھوں نے اپنے پاکیزہ افکار اور واضح اور موثر اسلوب کے ذریعہ دعوت اسلامی کے کام کو آگے بڑھایا، اور بغیر کسی مادی اور دنیاوی منفعت کے مخلصانہ طریقہ سے اپنی ساری فکری وذہنی طاقتوں اور صلاحیتوں کو دعوت کی خدمت میں صرف کیا۔

ان اسلام پسند مفکرین کے اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر حلقہ میں دعوت اسلامی کی مقبولیت بڑھتی گئی، اور دنیا کے ہر ملک میں ایک دستور حیات کی حیثیت سے اسلام کے مطالعہ سے دلچسپی روز افزوں ہوتی گئی اور غیر مسلم تعلیم یافتہ حضرات میں سے ایک بڑی تعداد نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ نوع بنوع مشکلات جن سے موجودہ انسان دوچار ہے ان کا صحیح حل اسلام کی تعلیمات ہی میں ہے، اور خصوصاً جب کہ انسانوں کے خودساختہ، ان گنت نظامہائے حیات ان مشکلات کے حل کرنے اور ان مسائل کا تشفی بخش جواب دینے

میں ناکام ہوگئے، اسلام کی تعلیمات کو اس طرح مدلل اور اطمینان بخش انداز میں پیش کرنے کا اثر یہ ہوا کہ جاپان اور دوسرے مغربی اور افریقی ممالک کی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوگئی، یہ وہ علاقے ہیں جہاں دعوت اسلامی سرگرم عمل ہے، اور ظلم وغلامی کے زیر سایہ زندگی گذارنے والوں اور انسانوں کے خودساختہ ظالمانہ نظاموں کے ستائے ہوئے لوگوں میں امید کی روح پھونک رہی ہے۔

داعیان اسلام کی کوششیں ہر سطح پر بارآور ثابت ہوئیں، اور ہر معاشرہ میں دین کی ضرورت واہمیت کا احساس پیدا ہوگیا، کیونکہ موجودہ مادیت زدہ تہذیبی حملہ کے نتیجہ میں لوگ زندگی سے متنفر اور پریشان حال ہوگئے ہیں، اس مادی اور تہذیبی حملہ نے انسان کو اطمینان قلب کی دولت سے محروم کردیا، اور ایسے تہذیبی اور مصنوعی وسائل واسباب کا ڈھیر لگا دیا جس نے انسان کے اندر زندگی سے نفرت کا احساس پیدا کردیا اور انسان کو ایک بے جان مشین بنادیا، لیکن مذہب نے ان انسانوں کے سامنے زندگی کی اہمیت بیان کی، اور اس کو سعادت وشقاوت کے طریقے سے آگاہ کیا، اور اس کے لئے جنت وجہنم کے راستے کی نشاندہی کی، اللہ تعالیٰ نے کا ارشاد ہے:

"وأن هـذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ذلكم وصّاكم به لعلكم تتقون" (انعام:۱۵۳)

ترجمہ: یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ تم کو اس کے راستہ سے الگ کردیں، اس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیزگار ہوجاؤ۔

اور چونکہ دعوت اسلامی ایک راہ پُر خار ہے، جس میں بڑی قربانیوں اور جاں فشانیوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے داعیوں کو ہمیشہ طرح طرح کے مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے ہی سے خود کو اس کے لئے تیار کرلیا اور راہ خدا میں جان ومال کی ہر ممکن قربانی پیش کی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو کھول دیا اور ان کے لئے ایسے اسباب ووسائل مہیا کئے جن سے منزل مقصود تک پہونچنے میں ان کو

مدملی، ان کی آواز دلوں میں اتر گئی اور چٹانوں کو پھاڑتے ہوئے، سمندروں کو پار کرتے ہوئے اور بیابانوں سے گذرتے ہوئے دور دراز قوموں تک پہونچ گئی، اس طرح ان کے پاس ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہوجاتی ہے، جوان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، ان کے جھنڈے تلے جمع ہوجاتے ہیں، اور دعوت وتبلیغ کے کام میں ان کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ، أولئك هم المفلحون "(آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ: ''تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے، برائیوں سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں''۔

دعوت اسلامی کی ماضی کی تاریخ میں ہمیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، دعوت کی موجودہ تاریخ ہمارے لئے کافی ہے، جو داعیوں کی حکمت، تفقہ فی الدین اور راہ حق میں قربانی وشہادت کے جذبوں کی داستانوں سے پُر ہے، ان داعیان کرام نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کرلیا تھا کہ ''یا جاں رسد بجاناں، یا جاں زتن برآید''، ان مخلص داعیوں نے اپنی دعوتی خدمت پر کوئی مادی معاوضہ قبول نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ اخلاص کے ساتھ ان کی نگاہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر لگی رہیں، اور انہیں پاکیزہ جذبات ومحرکات کے زیر سایہ ان کے معاونین اور متبعین کی تربیت ہوئی، اس دعوتی کام سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے، ان کو طاعت الٰہی اور اطاعت رسول کی توفیق ملے، اور انھیں وہ بڑی کامیابی حاصل ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے:۔

ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما "(احزاب:۷۱)۔ ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے، تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔

داعیان اسلام انہیں کے نقش قدم پر چل پڑے، اور انہوں نے قسم کھالی کہ دعوت کے اس مخلصانہ عمل میں جو دنیا وآخرت کی سعادت کا ضامن ہے پوری طاقت صرف کردینگے اور

کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملا
ئكة ألا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم
توعدون نحن أولياآؤكم في الحيلة الدنيا وفي
الآخرة۔ (فصلت:۳۰۔۳۱)

ترجمہ: ''یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ جم گئے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ خوف مت کھاؤ اور نہ ہی غمگین ہو، اور اس جنت کی بشارت لو، جسکا تم سے وعدہ کیا جارہا تھا، دنیاوی زندگی، اور آخرت میں ہم تمہارے مددگار ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دعوت اسلامی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، اور حکومتوں اور قوموں کی سطح سے بلند ہوکر عالمی سطح پر اسلام سے دلچسپی بڑھتی گئی، تقریبا ہر ملک کے عوامی حلقوں، سرکاری حلقوں، یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں اسلام کے مطالعہ اور دعوت کی نشر و اشاعت کے مراکز قائم ہوگئے اور تنہا یورپ میں یہ سرگرمیاں بہت زیادہ پائی گئیں، جہاں لاتعداد اسلامی انجمنیں، مراکز، ادارے اور مدرسے قائم ہیں، اسی طرح افریقہ، امریکہ اور ایشیا میں اس وقت اسلام کے مطالعہ اور اسلام کے پیغام کی تبلیغ، اور دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں وسیع پیانے پر وسائل اور دیگر سہولیات فراہم ہیں۔

لیکن دعوت کے دائرۂ عمل کی وسعت کے ساتھ ساتھ داعیوں کے اندر اخلاص و سرفروشی، استقامت واطاعت کے جذبے سرد پڑنے لگے اور ان کی جگہ سستے قسم کے اغراض اور دنیاوی حرص وطمع نے لے لی، اور داعیوں کی صفوں میں ایسے لوگ گھس پڑے جو دعوتی تربیت سے عاری تھے اور عملی میدان اور زندگی کے حالات کے سلسلے میں انہوں نے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کی تھی، انہوں نے دوسرے علمی نظریات اور خود ساختہ نظاموں کے مقابلہ میں محض ایک دستور حیات اور ایک نظریہ کی حیثیت سے اسلام کا مطالعہ کیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دعوت علم وعمل کے دو حصوں میں منقسم ہوگئی، جس نے چاہا علمی پہلو کو

اختیار کرلیا اور اسی پر بس کرلیا، اور پوری طاقت وقوت فکر اسلامی کے مطالعہ پر مرکوز کرلی اور عملی پہلو پر قطعاً کوئی توجہ نہ دی۔

فطری بات ہے کہ دعوت کی نظر میں یہ بات پسندیدہ نہیں ہوسکتی، اور دین کا مزاج اس کو کبھی گوارا نہیں کرسکتا، اس دین کی بنیاد تو ایمان وعمل، تفقہ واخلاق، علم وعبادت، اور یقین واطاعت پر ہے، دعوت اسلامی کو ان لوگوں سے کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے، جو علم ویقین پر اکتفا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بنیادی عقائد پر ایمان ہی اس بڑی کامیابی کا ضامن ہے جس کی طرف قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر اشارہ کیا ہے، اور جس کے بارے میں صراحت کی ہے کہ یہ کامیابی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت واتباع کا ثمرہ ہے۔

اگر دعوت اسلامی کی یہی تشریح ہے کہ اس میں عمل وعبادات، امر ونہی، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا:

"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"۔

اور حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ جو کوئی تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر ایسا نہ کرسکے تو اپنی زبان سے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اپنے دل سے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم ضرور کرتے رہو، اور برائی سے ضرور روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنی طرف سے کوئی سزا مسلط کردے تو تم دعا کروگے اور دعا قبول نہیں ہوگی۔"

صرف یہی نہیں بلکہ قرآن شریف کی ساری تعلیمات جہاں امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کی دعوت سے پُر ہیں، ان میں سب سے پہلے ایمان وعمل صالح کا مطالبہ کیا گیا ہے اور بیک وقت دونوں پہلوؤں کے جمع کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جب تک دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار اس اہم اصول پر قائم رہیں گے اور سارے معاملات میں اور ہر موقع پر اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے، ان کی کوششیں بارآور ثابت ہوں گی، عوام وخواص ان کی دینی زندگی سے واقف ہوں گے اور ساری خواہشات حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے تابع ہوجائیں گی، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔''

زمانہ کے ساتھ ساتھ دعوت اسلامی کے دائرۂ عمل میں وسعت پیدا ہوتی گئی، اور کلمۂ اسلام لوگوں کے دلوں کو متاثر کرتا رہا، دعوت کے میدان میں بہت سے طریقے اور وسائل سامنے آئے۔ اسی طرح دعوت کو ایسے اعوان ومددگار بھی ملتے رہے، جنھوں نے دعوت کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ان تمام وسائل واسباب کو اختیار کیا جس کا استعمال موجودہ زمانہ میں کسی بھی نظریہ کی اشاعت کے لئے ضروری ہے۔

لیکن دین کی تفہیم وتشریح کے سلسلہ میں دعوتی حلقوں میں نئے نئے نظریات وخیالات سامنے آئے اور اسلامی دعوت کے میدان میں ایسے عناصر داخل ہوگئے جو فکر وتربیت میں پختہ نہیں تھے، ان کو وہ حلقہ نہیں ملا تھا جس کے زیر تربیت اس اہم کام اور عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کا طریقہ معلوم کرتے ان کو اس کا بھی علم نہیں تھا کہ داعی کو ورع وتقویٰ کے رنگ میں کس طرح رنگ جانا چاہئے، اور نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ داعی کی زندگی میں عفت وپاک دامنی کی کیا اہمیت ہے۔ وہ دعوت کا استحصال کرنا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ مادی منافع سے لطف اندوز ہوں اور ذاتی فوائد حاصل کریں، ان کو اس کی بھی فکر نہیں کہ اس سے دعوت کا کام کس قدر متاثر ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں بہت سی دینی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں کو ایسے عناصر کی جانب سے استحصال کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، جن کو اخلاص کے ساتھ دعوت کا

کام کرنے کی اس قدر فکر نہیں تھی، جس قدر مادی فوائد اور سستے پروپیگنڈے کے حصول کی فکر تھی، ان کو اللہ کے کلمہ کی سربلندی سے اتنی دلچسپی نہیں تھی، جتنی اپنے سرمایہ کے بڑھانے سے تھی، یہ عناصر شخصی مفاد اور ذاتی بجٹ کو بڑھانے کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان میں سے بعض افراد کبھی جماعت کے کسی اہم عہدہ پر فائز ہوتے ہیں، بعض افراد جماعت کی کسی شاخ کے ممبر یا کارکن ہوتے ہیں، کچھ لوگ کسی خاص دائرہ میں رہ کر استحصال کرتے ہیں، اور دعوت کے سائن بورڈ اور مشہور علماء کے ناموں کو اپنی کسی مخصوص اسکیم کی تکمیل یا کسی ایسے معمولی فائدے کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں، جو دعوت کے مفاد سے ٹکراتا ہو، مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ کسی اہم ادارہ میں کوئی ملازمت حاصل کرلیں۔

دعوت کے میدان میں کام کرنیوالے بعض مخلص حضرات نے اس خطرناک صورت حال پر تشویش ظاہر کی ہے، اور کہا کہ اس قسم کے ناپختہ عناصر کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے، لیکن ان کے سلسلہ میں دعوت کے ذمہ داروں کے اعتماد اور مسلم عوام کی ہمدردی میں کوئی کمی نہیں ہورہی ہے، کیونکہ صحیح حالات سے صرف ایک قلیل تعداد کو واقفیت ہے، جسے اس تنظیم، یا کمیٹی یا ادارہ میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

ان کا یہ استحصال محض مادی بنیادوں پر ہے، اسلامی اخلاق وفضائل سے وہ اس قدر دور ہیں کہ ایک انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا، گھر کی فضا اور ذاتی معاملات کو قریب سے دیکھنے سے ان کی صحیح صورت حال سامنے آجاتی ہے، یہ لوگ عام اخلاق سے بھی عاری ہیں، چہ جائے کہ وہ مکارم اخلاق جن کی تکمیل اور خلق خدا کے درمیان ان کی اشاعت کے لئے نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔

لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر یہ عناصر داعیوں کی صفوں میں داخل ہوگئے، اور ان کا اعتماد حاصل کرلیا، ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ جس قدر مادی فوائد ہوں ان کے حصول سے دریغ نہ کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس دینی کام اور داعیوں کی مخلصانہ جدوجہد کی بنیاد

پر خفیہ حملہ کیا جائے، اور اسلامی مراکز اور دینی جماعتوں میں کام کرنے والے لوگوں کو بدنام کیا جائے، یہ لوگ اسلام دشمن اور تفریق بین المسلمین کے لئے کوشاں تخریبی تحریکوں اور خفیہ اداروں کے مفاد کی خدمت کرتے ہیں۔

دعوت کے کام کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان عناصر کی تحقیق و تفتیش کریں، یہ عناصر مختلف سطحوں پر دعوت اسلامی کا استحصال کرتے ہیں، علماء اور داعیان کرام کو بدنام کرتے ہیں، اور اسلام کو ذاتی مفاد کے تابع بنا کر اور شخصی منافع کے لئے دعوت کا نام لیکر مسلمانوں کے دلوں سے دعوت کی عظمت و ہیبت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

داعیان کرام کی ذمہ داری ہے کہ اپنی صفوں کو ہر طرح کے غلط عناصر سے پاک کریں اور دینی جماعتوں کے خراب اعضاء کو جسم سے الگ کردیں، تا کہ مرض جسم کے دوسرے حصوں میں پھیلنے نہ پائے۔

☆☆☆

شریعت اسلامی کے نفاذ کی طرف ☆

مختلف اقسام کے باطل نظریات اور ناقص نظام، انسانی مسائل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہورہے ہیں، اگرچہ کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ ان نظریات کی خامیاں اور ان کے عیوب لوگوں پر ظاہر نہ ہوں، پھر بھی ان کے عیوب اور خامیاں اب پوشیدہ نہیں رہیں۔

ان باطل نظریات کا بغور مطالعہ اور تجزیہ کر لینے کے بعد بڑی تعداد میں مسلمان اسلام کی طرف پلٹ کر آرہے ہیں خصوصاً وہ مسلمان جو کہ اسلام کے مستقبل کے بارے میں طرح طرح کی خیال آرائیاں کیا کرتے تھے، ان کو اب یہ موقع ملا ہے کہ وہ اسلام سے اپنے تعلق کو نئے سرے سے استوار کریں اور اسلامی نظام حیات کا بغور مطالعہ کریں۔

آج جب کہ ہر جگہ بدعنوانیوں کا بازار گرم ہے، نسل انسانی تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، ایسے نازک وقت میں بھی ہر جگہ اسلامی بیداری کے آثار نمایاں ہیں، اس کا اثر صرف مخصوص کانفرنسوں، یا علمی حلقوں تک نہیں ہے، بلکہ پورا عالم اس سے متاثر ہے، کسی حد تک بڑی تعداد میں حکمراں طبقہ بھی اس سے متاثر نظر آرہا ہے۔

چاہے افغانستان کا جہاد ہو، یا پاکستان اور سوڈان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کے لئے جدوجہد، سب اسلامی بیداری کا نتیجہ ہے۔

پانچ سال سے بھی طویل مدت سے دنیا کی ایک عظیم طاقت سے برسرپیکار رہنا، ہنستے کھیلتے موت کو گلے لگالینا، یہ اور اس طرح کے اعمال اس بات کی دلیل ہیں کہ روس کے خلاف

☆ سوڈان میں اسلامی انقلاب کے موقع پر یہ مضمون لکھا گیا اور پندرہ تعمیر حیات کے شمارہ ۱۰/۱۲/۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔

افغانستان کی جنگ دراصل اسلامی جہاد کی ایک قسم تھی، کیونکہ جس جرأت، شجاعت اور شہادت کے لئے بیتابی کا نمونہ ہمیں اس جہاد میں ملتا ہے وہ عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

اس بیداری کا نمونہ ہمیں کسی قدر بعض پڑوسی ملکوں میں بھی نظر آیا ، جہاں اس بات کی کوشش کی جارہی تھی کہ اسلامی شریعت کا نفاذ ہو، اور وہ صرف رسمی طور سے ہی نہیں ، بلکہ صحیح معنوں میں ایک اسلامی اسٹیٹ کا نمونہ بن جائیں، اور لوگ عملی طور پر وہاں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے لگیں۔

اسلامی بیداری کی شاندار مثال سوڈان میں بھی ملتی ہے ،سوڈان ایک عرصہ سے سیاسی اور معاشی بحران کا شکار رہا ہے۔اب اس نے اپنے لئے ایک ایسا راستہ منتخب کرلیا ہے، جس پر چل کر وہ ان مشکلات سے نجات حاصل کرسکتا ہے، کئی سال قبل سوڈان میں ایک میٹنگ ہوئی تھی ، اس میں سوڈان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا گیا ، یہ مبارک اقدام ان ممالک کے لئے مشعل راہ تھا ، جہاں شریعت اسلامی کا نفاذ نہیں تھا اور سوڈان کے صدر جناب جعفر نمیری اور سوڈانی عوام منزل مقصود کی طرف رواں دواں تھے ،انہیں کسی بات کا خوف تھا، اور نہ ان پر کسی طرح کی دھمکی کارگر تھی ، وہ جانتے تھے کہ اسلام کے راستے میں کتنی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں؟ وہ ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

جناب جعفر نمیری نے اس تاریخی اجلاس کا افتتاح ان آیتوں سے کیا تھا:

أفغير الله أبتغي حكما، وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلا والذين آتيناهم الكتاب يعلمون أنه منزل من ربك بالحق فلا تكونن من الممترين، وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا ،لا مبدل لكلمات الله وهو السميع العليم (انعام:۱۱۴-۱۱۵)

”کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو حکم بناؤں گا ، جب کہ اس نے تفصیلات بیان کرنے والی کتاب اتاری ہے اور جن کو ہم نے کتاب دیا وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ صداقت کے ساتھ رب ذوالجلال کی طرف سے اتاری گئی ہے، آپ شک میں

بالکل نہ پڑیں، آپ کے رب کا وعدہ صدق وعدل کے ساتھ مکمل ہو چکا، اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

بعدازیں انہوں نے ان اصولوں کا ذکر کیا جو اس اسلامی مملکت کے نئے سفر کے لئے سنگ میل کا کام کریں گے، انہوں نے کہا کہ اسلامی قوانین کا نفاذ حکومت کے تمام شعبوں میں اور اجتماعی وانفرادی طور پر کیا جائے گا، انہوں نے مزید کہا کہ عملی طور پر بعض حدیں بھی جاری کی گئی ہیں، جن سے جرائم کی تعداد میں بڑی حد تک کمی واقع ہوئی ہے، اور امن وآشتی کی فضا قائم ہوئی ہے، زکوٰۃ کا نظام نئے سرے سے اسلامی اصولوں کی روشنی میں منظّم ہو کر سامنے آیا ہے، جس سے معاشی حالت میں بہتری آئی ہے۔ صدر موصوف نے مزید وضاحت کی کہ سیاسی، معاشی اور فوجی معاملات میں بھی شریعت اسلامی کی روشنی میں کام کیا جائے گا۔

یہ ایک خوشگوار تجربہ ہے، محض خیالی باتیں نہیں، یہ اٹل حقیقت ہے کہ سوڈانی عوام اور صدر جعفر نمیری سوڈان کو اسلامی مملکت بنانے کے لئے کوشاں ہیں، اس بات کو وہ باطل پرست حکومتیں کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتیں، جن کے نظریات آج پوری دنیا پر غالب ہیں، وہ نہیں گوارا کرسکتیں کہ مسلمان اسلام کی طرف متوجہ ہوں، اور اسلامی شریعت کا نفاذ ہو سکے، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہدایت کا راستہ بند ہو کر رہ جائے اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو کر زندگی گزاریں، ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف کتنی عداوت ہے اور وہ لوگ کتنے تنگ نظر ہیں؟! یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے، اسلام جو کہ تمام عالم کی دائمی رہنمائی کے لئے آیا ہے۔ وہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے، بلکہ اس کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اسلام کا دائرۂ کار صرف مسجد تک محدود ہے اور اسلام صرف دینی معاملات ہی میں رہنمائی کرسکتا ہے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام علمی، سیاسی، معاشی، فوجی معاملات میں کس طرح رہنمائی کرسکتا ہے۔

اس عداوت ونفرت کا نتیجہ ہے کہ سوڈان کے اس انقلاب کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کوئی سیاسی چال ہے، بعض

کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر صدر جعفر نمیری بعض سیاسی مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں، بہر حال وہ کچھ بھی کہیں، حقیقت اس کے برعکس ہے، صدر جعفر نمیری نے اپنی افتتاحی تقریر ہی میں یہ بات واضح کردی تھی کہ وہ سوڈان کی حکومت کو کس طرح چلانا چاہتے ہیں اور خود سوڈان میں اس انقلاب سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدر جعفر نمیری اپنے ارادہ میں مخلص ہیں، وہ ایک ایسی اعلیٰ اسلامی مملکت کا قیام چاہتے ہیں جو پرامن زندگی کے خواہاں ممالک کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

سوڈان کا یہ انقلاب ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو جو اسلام کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں، کاش کہ وہ لوگ اس حقیقت کا ادراک کرلیتے کہ اسلام صرف افغانستان، سوڈان، پاکستان ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ ساری دنیا کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔

"وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعو السبل فتفرق بكم عن سبيله" (انعام:۱۵۳)

''ترجمہ: یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ تم کو اس کے راستہ سے الگ کردیں، اس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہوجاؤ۔''

☆☆☆

ہم اور ہمارا اسلام

جب ایک مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، تو اس کا مطلب بالکل واضح طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مسلمانوں کی جماعت سے ہے، یا قوم مسلم کا ایک فرد ہے، لیکن اسکے مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ نام کے اعتبار سے مسلمان ہو، قومیت کے اعتبار سے مسلمان ہو، اور وہ مسلمانوں کے ماحول میں کسی حدتک زندگی گذارتا ہو، مسلمانوں کے ساتھ ان کی قومی اور ملی تقریبات میں شریک ہوجاتا ہو، یا بالفاظ دیگر وہ صرف اس لئے مسلمان کہلاتا ہو کہ اس کی نشو ونما ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو مسلمانوں کا خاندان تھا، خواہ وہ عمل و کردار اور ذہنی اعتبار سے اسلام کی تعلیمات اور اس کی عملی حیثیت سے بالکل نا آشنا اور منحرف کیوں نہ ہو۔

اسلام کے عہد زریں کے بعد ہم ہر دور میں مسلمانوں کو بالعموم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مذکورہ بالا مفہوم کو اپنا حقیقی اور ملی مفہوم تصور کرتا ہے اور اسلام کے صحیح تصور، اس کے عملی اور اخلاقی پہلو سے وہ غافل ہے، اسکے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ لفظ مسلمان اس کی ذات کے ساتھ وابستہ رہے خواہ عملی اعتبار سے وہ اس کے بالکل برعکس ہی کیوں نہ ہو، اور بوقت ضرورت اسلام کو وہ صرف ذاتی اور محدود اغراض کو پورا کرنے کے لئے استعمال کیوں نہ کرے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو صرف اسلام کے عبادتی پہلو کو اپنا مطمح نظر بناتا ہو، اس کے

نزدیک مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ اسلام کے ارکان عبادت کا پابند ہو، اور کسی نہ کسی شکل میں وہ حقوق اللہ کوادا کردے، بندے کے حقوق کی اس کی نظروں میں کوئی قیمت نہ ہو، اخلاق وعزیمت اور دوسرے اہم امور کو وہ قابل توجہ نہ تصور کرتا ہو، اور زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں وہ اسلامی تعلیمات پر نہ عمل کرتا ہو اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا ہو۔

تیسرا وہ طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، جو اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات تصور کرتا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر اس کی نظر ہے، وہ اسلام کو صرف عبادتوں کا مجموعہ یا صرف کچھ رسم ورواج کا نام نہیں سمجھتا، وہ یقین رکھتا ہے کہ انسانی زندگی کو حقیقی کامیابی اور دنیاوآخرت کی حقیقی مسرت وسعادت عطا کرنے والا مذہب صرف اسلام ہی ہے جو ہر حال میں انسانوں کے لئے ہدایت ورہنمائی کا فرض انجام دیتا ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ قیامت تک کے لئے دین رحمت بنا کر نازل فرمایا۔

اگر ہم غور کریں تو آج بھی امت مسلمہ میں یہ تینوں طبقے موجود ہیں، پہلا طبقہ بہت بڑی تعداد پر مشتمل ہے اور وہ سب پر غالب ہے، دوسرے طبقہ کے افراد اس سے کم ہیں اور تیسرا طبقہ بہت محدود ہے۔

پہلا طبقہ جس کو ہم تقلیدی اور روایتی مسلمان کہہ سکتے ہیں، وہ ہے جس کے سامنے اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں ہوسکی، وہ اسلام کو دوسرے نظریات اور مذاہب کی طرح ایک تقلیدی مذہب سمجھ کر بغیر سوچے سمجھے اس میں داخل ہوگیا، ہمیشہ اسکے سامنے اسلام کی وہ تصویر رہی جو قومی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک دنیا کے دیگر قومی نظریوں میں ایک نظریہ اسلام یا مسلمانوں کا ہے جن کی تعداد دنیا میں دوسری قوموں کے مقابل میں بہت بڑی ہے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے صحیح مفہوم سے واقف ہی نہیں، وہ موت وآخرت اور حشر ونشر، حساب وکتاب کو اس قومی نظریہ کے چند ابواب تصور کرتا ہے جن کی

حیثیت چند شاندار ناموں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس طبقہ کے تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد کے شعور میں اسلام کی وہی غلط تصویر موجود ہے اور اس کے مطابق وہ اپنی زندگی میں اس کو نافذ کرتے ہیں، وہ بوقت ضرورت اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن عملی اور اخلاقی اعتبار سے نہیں بلکہ محض کسی خارجی اور اضافی بنیاد پر۔

مسلمانوں کا یہ تقلیدی طبقہ پوری قوت کیساتھ پھیل رہا ہے اور اس کا دائرہ اسی غلط شکل میں وسیع ہوتا جارہا ہے، اس کی ایک بہت بڑی وجہ مغربی تہذیب سے مرعوبیت بھی ہے، بلکہ دراصل مغربیت کا جادو اس طبقہ کے تعلیم یافتہ افراد پر اس طرح اثر انداز ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا اعلان کئے بغیر اسلام کی عملی اور اخلاقی زندگی سے خارج ہو چکے ہوتے ہیں، اور وہ مغرب کی نقل میں اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے اور بسا اوقات اس کو فرسودہ قرار دینے میں ذرا بھی تأمل نہیں کرتے۔

مسلمانوں کا یہ تقلیدی اور مغرب زدہ طبقہ بالعموم مسلم حکومتوں میں کلیدی عہدوں پر چھایا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں علماء اور صحیح سمجھ رکھنے والے مسلمان ناقابل اعتبار، اور رجعت پسند، قرار دیئے جارہے ہیں۔ دین کی صحیح نمائندگی سے ان کو محروم کیا جارہا ہے، اور اسلام کے سرچشمۂ حیواں کتاب وسنت کو مسخ کرنے اور اس کو دوسرے مذاہب کی طرح محض ایک قدیم تاریخی درجہ دیئے جانے کی کوشش جاری ہے۔

دوسرا وہ طبقہ جس نے اسلام کو محض چند عبادات واذکار کا مجموعہ سمجھا اور اسی کو اصل دین قرار دے کر زندگی کے اور تمام معاملات سے اپنے آپ کو علیحدہ کرلیا، اس نے دین کے ساتھ دنیا کے اجتماع کو کسی حالت میں جائز نہیں سمجھا۔

اس کی سب سے بڑی وجہ صحیح تربیت اور صحیح مطالعہ کی کمی ہے، اس طبقہ میں اگرچہ بہت سے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کے ذہنوں میں ابتداء ہی سے دین اور دنیا دونوں کا دو الگ الگ تصور قائم ہوا، دین کے ساتھ دنیا کو ملانا

انہوں نے ایک بہت بڑا مذہبی جرم سمجھا، ان کے سامنے یہ حقیقت نہیں آئی کہ دنیا کے بغیر دین کی صحیح تصویر بن ہی نہیں سکتی، اللہ تعالیٰ نے دنیا اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا تا کہ وہ دنیا کی نعمتوں اور اس کی لذتوں کو دین کی تقویت اور اس کو بہتر بنانے کے لئے استعمال کرے، یہ صحیح ہے کہ صرف دنیا میں منہمک ہوجانے اور دین وآخرت سے غافل ہوکر زندگی بسر کرنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ دین ایک الگ شئی ہے اور دنیا ایک الگ، اور دونوں کو جمع کرنا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے تو صاف اعلان کر دیا ہے:

هوالذي أنزل من السماء ماء لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسيمون، ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والأعناب ومن كل الثمرات، إن في ذلك لآية لقوم يتفكرون، وسخرلكم الليل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بأمره إن في ذلك لآيات لقوم يعقلون، وما ذرأ لكم في الأرض مختلفا ألوانه، إن في ذلك لآية لقوم يذكرون، وهوالذي سخر البحر لتأكلوا منه لحماطريا،وتستخرجوا منه حلية تلبسو نها، وترى الفلك مواخرفيه ولتبتغوا من فضله ولعلكم تشكرون۔ (نحل:۱۰۔۱۴)

''وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس کے سبب سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی چرنے کو چھوڑ دیتے ہو، اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور انگور اور کھجور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگایا ہے، بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے توجہ کی دلیل موجود ہے، اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو اپنا مسخر بنایا اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں، بیشک اس میں بھی عقلمند لوگوں کے لئے چند دلیلیں موجود ہیں، اور ان چیزوں کو بھی بنایا جن کو تمہارے لئے اس

طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسا مختلف ہیں۔ بیشک اس میں بھی سمجھدار لوگوں کے لئے دلیل (توحید موجود) ہے، وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو بھی مسخر بنایا کہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے موتیوں کا گہنا نکالو، جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں اس کا پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم روزی تلاش کرو اور شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات اور ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں بار بار یہ فرمایا ہے کہ ہم نے یہ نعمتیں تمہارے لئے پیدا کیں، اور عقل وسمجھ رکھنے والے لوگوں کے لئے اس میں نشانیاں بنائی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بیان دنیا کی مخلوقات کے بارے میں ہے، اگر کوئی شخص دنیا سے متعلق نہ رہے اور اس سے منقطع ہوکر رہبانیت اختیار کرلے تو اس نے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی اور آفاق وانفس کی نشانیوں پر غور کر کے خدا کا یقین اپنے دل میں پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دنیا دارِ امتحان ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے مؤمن بندوں کا امتحان لیتا ہے، اس لئے اگر اس دارِ امتحان سے کوئی منہ موڑ لے تو بلاشبہ اس نے امتحان دینے کی زحمت سے منہ موڑا اور امتحان نہ دینے والا کبھی کامیاب نہیں قرار دیا جاتا، بلکہ وہ امتحان دے کر ناکام ہونے والے سے بھی زیادہ ناکام شمار ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر دین ودنیا کی تفریق کرنا ایک مہمل اور غلط خیال ہے، بلکہ ایمان کی قوت کا مظاہرہ تو اسی وقت ہوسکتا ہے جب دنیا اور دل لبھانے والے اسباب سامنے ہوں، مگر خدا کے مطلوبہ اعمال وفرائض پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے۔

امت مسلمہ کا تیسرا طبقہ ان علماء اور ربانیین کا طبقہ ہے جنہوں نے اسلام کی حقیقت کو کتاب وسنت کے مطابق سمجھا ہے، وہ دین کو دنیا سے الگ کرنے کے قائل نہیں ہیں، اور نہ اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح ایک نظریہ اور فلسفہ قرار دینے کو روا رکھتے ہیں، اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک ہر زمان

ومکان میں یکساں طور پر مفید اور موثر ہے۔

ان کے نزدیک صحیح اسلام حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کی زندگی ہے، حضور ﷺ نے کبھی صرف عبادت وریاضت پر، یا صرف جہاد وفتح پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زمانے اور حالات کے مطابق اسلام کی نشر واشاعت فرماتے رہے، حضور اکرمؐ نے ایک طرف عبادت وریاضت، ذکر وتسبیح کا انتہائی اہتمام فرمایا تو دوسری طرف حقوق العباد کی سخت تاکید کی اور ہر چیز میں غلو سے منع فرمایا، ایک طرف حضور نے نوافل اور اذکار کی ترغیب دلائی، اس کے بدلہ میں جنت ونعیم کا اعلان فرمایا تو دوسری طرف معاش کی فکر کرنے اور حلال روزی کمانے پر زور دیا، اہل وعیال اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کی اس طرح تلقین فرمائی کہ مبادا اس سے کسی وقت غفلت نہ ہو جائے، بلکہ بندوں کے حقوق کو آپ نے مقدم رکھا اور فرمایا۔ "من لم یشکر الناس لم یشکر الله" کہ جو بندوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر کیا ادا کرسکتا ہے، یعنی جو بندوں کے حقوق نہ ادا کر سکے وہ اللہ کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے۔

ان حالات میں کیا یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ہر وقت مشعل راہ رہے، تاکہ وہ اس کو اسوہ بنا کر صحیح اسلامی زندگی اختیار کرسکیں اور سچے مسلمان بن کر دین ودنیا کا خیر حاصل کریں۔

مسلمانوں کو صحیح اسلام سے روشناش کرانے کے لئے کسی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کو حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ سے وہ سبق حاصل ہوسکتا ہے جو کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا، اور نہ اس کے مقابل میں کوئی دوسری کوشش کامیاب ہوسکتی ہے، اسی سے ایک مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے اور دین کی صحیح سمجھ سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

عقیدۂ توحید اور مسلمانوں کا موقف ☆

افغانستان میں گوتم بدھ کے مجسموں کے انہدام کے مسئلہ نے عالمی رائے عامہ کو بہت متاثر کیا تھا، ہر خاص و عام کی زبان پر یہی چرچا تھا اور بین الاقوامی محفلوں اور دینی حلقوں کا موضوع بحث بنا ہوا تھا، اس کارروائی سے متعلق کچھ فتوے بھی صادر ہوئے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے اس سے اتفاق کیا تھا اور طالبان کے اس اقدام کو درست قرار دیا تھا، دوسری طرف مذمت اور ناپسندیدگی کا ایک ہنگامہ برپا ہوا جس نے پوری دنیا میں ایک ہلچل پیدا کردی تھی، اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری کوفی انان افغانستان پہنچے اور وہاں کے ذمہ داروں کو اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ اور گفت و شنید کی دعوت دی، اور شہر بامیان میں واقع ''بوذا'' نامی بڑے مجسمہ کو منہدم نہ کرنے کی ان سے درخواست کی، لیکن ان کی یہ کوشش بے سود ہوئی، اور طالبان اپنے کام میں منہمک و مصروف رہے، کیونکہ طالبان کو یہ معلوم ہے کہ اسلام میں غیر اللہ کی عبادت و پرستش کی کوئی گنجائش نہیں، کوئی بھی مجسمہ، بت، انسان اور مزار، شانِ الوہیت میں خدا کا ساجھی اور شریک نہیں ہوسکتا خواہ اسے کتنا ہی تقدس اور مقامِ بلند حاصل ہو۔

طالبان کے اس رویہ پر پوری دنیا میں شدید ناراضگی کا اظہار کیا گیا، بودھ مذہب کے ماننے والوں نے ان کے خلاف احتجاج کیا، حتی کہ اقوام متحدہ نے اقتصادی و معاشی

☆ بیسویں صدی کے اواخر میں سویت یونین کے شیرازہ کے منتشر ہونے کے بعد افغانستان کے اکثر حصہ پر اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، اس کے روح رواں طالبان مجاہدین تھے، انہوں نے ملک سے مشرکانہ علامات کے ازالہ کا منصوبہ بنایا، بامیان کا مجسمہ جب منہدم کیا گیا، تو دنیا میں کہرام مچ گیا، یہ مضمون اسی موقع پر تحریر کیا گیا۔

بائیکاٹ کی دھمکی دی، لیکن وہ خدائی حکم کے بندے اور اسلام کی حفاظت کی خاطر اپنے حکمرانوں کے چشم وابرو کے اشارے پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے، ان سب کے باوجود ان کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ انہوں نے ان مجسموں کو مسمار کر کے ہی دم لیا جو شرک وبت پرستی کی آماجگاہ اور غیر اللہ کی عبادت کا مظہر تھے۔

آج جبکہ پوری دنیا مادیت کے نرغہ میں پھنسی ہے، شرک وبت پرستی کا دور دورہ ہے، جہالت اور بداخلاقی انتہائی عروج پر ہے، لوگ اسلامی تعلیمات سے برگشتہ ہوگئے ہیں، اور ان کے اندر ایمانی جذبہ سرد پڑ چکا ہے تو ایسے وقت میں طالبان کا یہ بہترین اقدام ان کے اندر ایمان ویقین، جذبۂ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کا غماز ہے، درحقیقت آج طالبان مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کر رہے ہیں جو انہوں نے اپنی حیات میں دیکھا تھا، افغانستان وہ ملک ہے جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ نے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی اور وہاں شریعت اسلامیہ کا نفاذ بھی عمل میں آگیا تھا، لیکن جب آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کفن بردوش مجاہدین اسلام کیساتھ جام شہادت نوش فرمایا تو اسی وقت سے یہ اسلامی حکومت روبہ زوال ہوئی اور سامراجی جبر واستبداد کا اس پر قبضہ ہوگیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب "جب ایمان کی بادِ بہاری چلی" کے مقدمہ میں ص ۲ پر رقمطراز ہیں کہ:-

"ان مجاہدین نے صوبۂ سرحد، پشاور اور اسکے اطراف میں عملی طور پر ایک اسلامی حکومت قائم کی، حدود شرعیہ کا اجراعمل میں آیا، اور اسلام کا نظام مالی ودیوانی بے کم وکاست قائم کیا گیا، لیکن وہاں کے قبائل نے اپنی ذاتی اغراض اور قبائلی عادات وروایات کی خاطر اس نظام کا بالآخر خاتمہ کردیا، آخر میں بالاکوٹ کے میدان میں ان سر بکف مجاہدین کی سکھوں سے آخری جنگ ہوئی اور اس معرکہ میں سید صاحبؒ اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے بہت سے جلیل القدر رفقاء اور مجاہدین نے ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ

مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جام شہادت نوش کیا"۔

کسی کو کیا معلوم کہ اللہ رب العزت نے ان فاقہ کش افغانیوں کے ذریعہ اس گنج گرانمایہ کی تلافی کا فیصلہ کرلیا ہو جو انہیں بغیر کسی جہد پیہم کے ملا تھا، مجسموں کے انہدام کے متعلق شدید ردعمل کے باوجود ان افغانیوں کی ایمانی غیرت وحمیت اور اعداء اسلام کے سامنے ان کا استقلال و پامردی، ان کے ایمان راسخ اور خالص اسلامی عقیدہ کے دو واضح ثبوت ہیں، اور یہی ایک حقیقی مسلمان کی شناخت ہے کہ وہ مصالح ومنافع سے آزاد ہو کر خدمتِ اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیتا ہے، اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر وہ کبھی مداہنت سے کام نہیں لیتا، اگر اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیاں زوروں پر ہوتی ہیں اور وہ اس کے راستہ میں روڑے ڈالتے ہیں تو وہ ان تمام رکاوٹوں کی پروا کئے بغیر کفر وشرک کے ظلمت کدہ میں ببانگِ دُہل یہ اعلان کرکے خدا کی وحدانیت کو ثابت کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، عبادت اور پرستش کے لائق صرف ذات باری ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو نبوت ورسالت سے سرفراز کیا گیا تو اس وقت مکہ کی حالت بہت بدتر تھی، پورا مکہ شرک وبت پرستی کا مرکز بنا ہوا تھا، حکمت کا تقاضہ تھا کہ وہاں کھلم کھلا اسلام کی دعوت نہ دی جاتی اور خدا کی وحدانیت کو لوگوں کے سامنے برملا نہ بیان کیا جاتا، لیکن مشیت خداوندی کا تقاضہ تھا کہ لوگوں کو اعلانیہ مذہب اسلام سے واقف کرایا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ خدا ہی پرستش کے لائق ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں:

قل یأیها الکافرون، لاأعبد ما تعبدون ولاأنتم عابدون ماأعبد، ولاأنا عابد ما عبدتم، ولاأنتم عابدون ماأعبد، لکم دینکم ولی دین۔ (کافرون:۱۔۶)

"ترجمہ: آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہوسکتا اور نہ تو (فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم

میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ (آئندہ مستقبل میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے، تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا (تفسیر تھانوی)۔"

جب طائف فتح ہوا تو قبیلۂ بنوثقیف نے حضور ﷺ سے اپنے بڑے بت "لات" کو باقی رکھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے مؤدبانہ التماس کیا کہ وہ ایک مہینہ تک کے لئے ہمیں مہلت دے دیں، تاکہ اتنے دنوں میں اس بت کی عقیدت و محبت ان کے دل سے جاتی رہے، لیکن حضور اکرم ﷺ اسکے تئیں ایک منٹ کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے اور آپ نے بلا تاخیر اس کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب "دستور حیات" ص ۳۳-۳۴ پر علامہ ابن قیم جوزی کی کتاب "زادالمعاد" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

"رسول اکرم ﷺ کا موقف توحید بلکہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد حتی کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں لچکدار اور مصالحانہ موقف نہ تھا، جو سیاسی قائدین کا (جو بزعم خود اپنے آپ کو حقیقت پسند اور علمی انسان سمجھتے تھے) ہر زمانہ میں طرۂ امتیاز رہا ہے، شہر طائف کی فتح کے بعد عرب کے دوسرے سربرآوردہ قبیلہ ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور یہ درخواست کرتا ہے کہ "لات" نامی صنم کو (جس کی وجہ سے طائف کو مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھا) تین سال اپنے حال پر رہنے دیا جائے، اور دوسرے اصنام کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، رسول اکرم ﷺ صاف انکار فرمادیتے ہیں، وفد کے لوگ دو سال، پھر ایک سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ مسلسل انکار فرماتے ہیں یہاں تک وہ اس پر اتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے، لیکن آپ ان کی آخری درخواست قبول کرنے کے بجائے ابوسفیان بن

حرب (جن کی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلۂ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ کو مامور فرماتے ہیں کہ وہ جائیں اور لات اور اس کے معبود کو ڈھادیں، اہلِ وفد ایک درخواست یہ بھی کرتے ہیں کہ انہیں نماز سے معاف رکھا جائے، آپ فرماتے ہیں کہ ''اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں''۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ان کے ساتھ ابوسفیان اور مغیرہ بھی جاتے ہیں اور لات کو ڈھا دیتے ہیں اور پورے قبیلہ ثقیف میں اسلام پھیل جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا طائف مسلمان ہو جاتا ہے۔''

درحقیقت مذہب اسلام میں غیر اللہ کی عبادت کی کوئی گنجائش نہیں، اور خداوند قدوس کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان غیر اللہ کی عبادت کرے، وہ تو کفر و شرک حتی کہ اسکے دواعی اور محرکات سے بھی بچنے کا حکم دیتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء۔

(نساء:۱۱۶)

''اسے اللہ تعالی قطعا نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔''

☆☆☆

اسلامی دعوت اور نوجوان

آج پوری دنیا میں بیداری کی لہر آچکی ہے، جابجا نوجوانوں کی تنظیمیں قائم ہوچکی ہیں ،انہیں اپنی ذات کا شعور اور معاملات زندگی میں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہونے لگا ہے، اور قوموں اور گروہوں کو تابناک مستقبل کی راہ پر گامزن کرنے کے سلسلہ میں وہ اپنے انتہائی اہم رول کو پہچاننے لگے ہیں۔تمام انسانی طبقوں نے نوجوانوں کے مطلوبہ کردار کی طرف پوری توجہ مبذول کردی ہے اور اپنی عام اور خاص سرگرمیوں میں وہ جس توجہ کے مستحق ہیں اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی ہے،اس کے لئے ''یوتھ ونگ'' (Youth wing) کے تحت انہیں کام کے میدان فراہم ہوگئے ہیں۔

سیاسی پارٹیاں اور دینی تنظیمیں سب اس پہلو پر پوری توجہ صرف کر رہی ہیں اور نوجوانوں کو کام کے میدانوں میں نکلنے اور اپنی قوتوں کے عام مصالح اور انسانی خدمات میں صرف کرنے کے مواقع فراہم کررہی ہیں، اس کی اہمیت خاص طور پر اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ معاشرہ میں، زندگی کے ہر میدان میں مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اس کے لئے نوجوانوں کے طبقہ میں حوصلہ افزائی کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں اور ان کی قوتوں کو اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے اور اسے امن وسلامتی، ترقی اور قوت کے زندہ میدانوں کی طرف موڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

آج نوجوان ایک مستقل وحدت (Parmanent Unit) کی حیثیت سے نمایاں

ہو رہے ہیں اور بغیر کسی خوف وخطر کے ہر قسم کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ پورے اعتماد اور قوت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں انجام دیں، اور ان کی سرگرمیوں کے نتائج جلد حاصل ہوں اور ان کی قوم ان کی کوششوں کے ثمرات سے جلد متمتع ہو، وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنی اہلیت اور صلاحیت ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انہیں اپنے وطن میں ایک طاقتور اور تعمیری فیکٹر (Factor) سمجھا جائے، اور معاشرہ کے تنظیمی اور ادارتی ڈھانچے کا اہم جز گردانا جائے، یہاں تک کہ انسانی معاشروں اور خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں اب یہ عام رجحان بنتا جارہا ہے کہ قیادت نوجوانوں کو سونپی جائے، خاص طور پر ان ممالک کے عوام نوجوان قیادتوں پر اپنے اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں اور ملک کا نظام چلانے کے لئے نوجوان خون (young Blood) کا استعمال کر رہے ہیں۔ کیونکہ بوڑھی قیادتوں سے عوام کو بیشتر حالات میں تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور مستقبل کی تعمیر، امن وخوش حالی کے میدانوں میں ترقی اور ملک میں برپا مختلف مسائل کے حل کرنے کے سلسلہ میں ان سے وابستہ امیدیں پوری نہ ہوسکی ہیں، اس میں شک نہیں کہ یہ ممالک جن سیاسی اور معاشرتی مسائل سے دوچار رہے ہیں انہیں مطلوبہ سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حل نہ ہوسکے۔ حالاں کہ ان کے حل کرنے میں بے پناہ فکری اور مادی طاقتیں صرف کی گئیں جن کا تصور اور شمار ناممکن ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی ملک کا نظام ایسی نازک صورت حال میں اپنی طبعی رفتار سے نہیں چل سکتا، بلکہ ایسے حالات کا رونما ہونا ضروری ہے جن سے عام بدگمانی پیدا ہو، یہی نہیں بلکہ اس صورت حال میں بسا اوقات ایسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں جنہیں ہم .... معاشرتی یا سیاسی انقلاب سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی بھی ملک کے عوام جاہل اور سیاسی اور ثقافتی شعور سے بے بہرہ نہیں رہ سکتے۔ بلکہ سائنسی ترقی اور ثقافتی وسعت کی بدولت عوام کا شعور بیدار ہوگیا ہے، وہ خیر وشر کے پیمانوں کا ادارک کرنے لگے ہیں اور معاملات کو ان کی حقیقی پوزیشن میں سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے اگر وہ دشوار ترین مسائل کے

حل اور ملک اور قوم کی قیادت کے سلسلہ میں نوجوانوں سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے لگیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں .... نوجوانوں کی اس موجودہ لہر ...... جس کے آثار کا ہم ہر ملک اور ہر معاشرہ میں مشاہدہ کررہے ہیں کے دو محرک ہیں۔

پہلا محرک وہ تعلیمی نظام ہے جو تعلیم وتربیت کے مراکز اور دانش گاہوں میں رائج ہے۔ اس کے مضامین میں وہ چیزیں شامل ہیں جو طلبہ میں مثبت یا منفی طور پر مسائل سے دلچسپی لینے کی روح پیدا کرتی ہیں اور اپنے مستقبل اور ملک کے مستقبل اور پھر پوری انسانیت کے مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک حتمی اقدام کے طور پر زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈنے میں دخل دینے کی طرف رغبت پیدا کرتی ہیں۔

دوسرا محرک جو نوجوانوں کو اپنی شخصیت تیار کرنے اور اہمیت محسوس کرنے پر اکساتا ہے وہ انسانی معاشروں کو مصائب ومسائل سے نجات دلانے اور امن وسعادت کے وسائل فراہم کرنے میں سیاسی اور معاشرتی قیادتوں کی ناکامی ہے، یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جو معاملات کو حقیقی پیمانوں سے ناپتا ہے اور انہیں بغیر کسی مداہنت کے غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھتا ہے۔

اب نوجوانوں کی تحریکیں صرف سیاسی اور سیکولر معاشرتی حلقوں ہی تک محدود نہیں رہ گئی ہیں، بلکہ دینی حلقوں اور اسلامی کاز کے میدان میں بھی بکثرت برپا ہوئی ہیں۔ مسلم نوجوان، یونیورسٹیز، مدارس اور دوسرے میدانوں سے نکل کر اسلامی دعوت کے مہم میں حصہ لے رہے ہیں، اسلام کو ایک نظام زندگی، ایک ابدی پیغام اور انسانوں کی سعادت کے لئے ایک واضح راستہ کی حیثیت سے پیش کررہے ہیں اور اپنی ہمہ گیر سرگرمیوں کے ساتھ اس سلسلہ میں ممکنہ جدید وسائل ثقافتی صلاحیتیں اور فنی مہارتیں استعمال کررہے ہیں جن سے علم، ذہانت اور عبقریت جھلکتی ہے، یورپ اور امریکا میں پائی جانے والی طلباء کی تنظیمیں، تنظیموں کے فیڈریشن اور آرگنائزیشن اس حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہیں، اور صرف مادی تہذیبوں کے مراکز ہی میں ہمیں نوجوانوں میں دعوت وعمل کی سنجیدہ روح کی شہادت

نہیں ملتی، بلکہ ٹھیک اسی روح اور طاقت کے ساتھ مشرق کے ترقی پذیر ممالک میں وہ اپنی مطلوبہ ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں اور ان کی جماعتیں اور تنظیمیں دعوت کے کام میں مطلوبہ حکمت عملی اور انفرادی واجتماعی حالات کی رعایت کے ساتھ ان کی مدد کرتی ہیں۔

واقعہ ہے کہ یہ مسلم نوجوان جو اسلامی دعوت وفکر کے میدان میں اپنی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے دعوت کے مدرسہ میں علماء اور داعیوں کے ہاتھوں تربیت پائی ہے، جنہوں نے نہایت اہتمام اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ان کی اخلاقی ودینی تربیت کی ہے، دراصل وہ نتیجہ ہیں علماء کے اخلاص، قربانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان کی مخلصانہ جدوجہد کا، روز اول سے آج تک نوجوانوں کی تربیت کرنے اور دین وعقیدہ اور حق کے راستے میں کام کے لئے تیار کرنے کا یہی انداز رہا ہے، اسلام کے داعی اول نبی رحمت ﷺ نے (جو رب العالمین کی طرف سے مبعوث تھے) صحابہ کی نوجوان نسل کی تربیت کی اور یہ سنہرا سلسلہ ان کے بعد بھی تاریخ کے کسی زمانے میں منقطع نہ ہوا، اور یہ مقدس فریضہ وہ لوگ انجام دیتے رہے جو دین کے صحیح فہم اور دعوت کے کامیاب اسلوب کے جامع تھے۔

جب بھی دعوت کے میدان میں کام کرنے والے ظاہر ہوئے، انہوں نے اپنی توجہ نوجوانوں کی تربیت ورہنمائی پر مرکوز کردی، تاکہ اسلام کا کام ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہو سکے، اسی لئے اسلامی دعوت کسی بھی زمانے میں ایسے سرگرم نوجوانوں سے محروم نہیں رہی ہے، جو دعوت الی اللہ کا علم بلند کرنا اپنی زندگی کی سعادت سمجھتے ہوں اور اس راہ میں اپنی قیمتی متاع لٹا دینے میں بخل سے کام نہ لیتے ہوں۔

بعض داعیوں کو توفیق الٰہی سے اس میدان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی دعوت اور کوششوں کے گرد ہوش مند مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی، ماضی قریب میں تاریخ سید جمال الدین افغانی جیسے انقلابی مصلح کو فراموش نہیں کرسکتی، جنہوں نے اپنی خطابت کے سحر، اپنی دعوت کی جاذبیت اور مقصد سے خلوص اور لگاؤ کی وجہ سے اپنے گرد منتخب نوجوانوں کو جمع کرلیا تھا اور ان میں دینی حمیت بھڑکا کر استعمار کے خلاف انقلاب برپا کرنے

میں کامیاب ہوگئے تھے، صرف نظر اس کے کہ ان کی شخصیت اوران کے عزائم کے بارے میں دوسری نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ وہ نوجوانوں کوایسی فعال اورتحریکی قوت عطانہ کرسکے جو عالمی پیمانہ پر جاری رہ سکے اورانہیں اسلام کی دعوت انسانی معاشروں میں اعلائے کلمۃ اللہ اور باطل کے خلاف انقلاب اور طاغوت کے خلاف اعلان جنگ کے مقصد پر جمع کرسکے۔

لیکن اللہ نے ماضی قریب میں اس ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے مصر میں امام حسن البنا کو مقدر فرمایا، انہوں نے اللہ کی توفیق اوراپنے تجرد واخلاص اوردعوت اسلامی کے لئے اپنے کو ہمہ تن وقف کرکے مسالک ونظریات کے اختلافات کے باوجود لوگوں کی توجہ اپنی دعوت کی طرف مبذول کرائی اور مسلم نوجوانوں کو دعوت کے عام کرنے اوراسلامی نظام کے قائم کرنے میں ان کی اہمیت کا احساس دلایا، ان کے گرد جو مسلم نوجوان جمع ہوئے انہوں نے ان کی تربیت پر پوری توجہ مرکوز کی، ان میں محبت اور عقیدہ کی نشو ونما کی، ایمان ویقین کا شعلہ بھڑکایا، ان کے دلوں میں اسلام پراعتماد اور پیغام الٰہی کے زندہ جاوید ہونے اور ہر زمان ومکان میں زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت پراعتماد کا بیج بودیا، اوراسلام کے دین فطرت ہونے کا عقیدہ راسخ کیا، اسطرح ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینے کے لئے نوجوانوں کی عظیم نسل نمودار ہوئی، جسے اللہ تعالیٰ نے داعی کی صفات سے نوازا اور حکمت وموعظت کے وہ سرچشمے جاری کئے جو اس مہم میں اس کی کامیابی کے ضامن تھے، نوجوانوں کی یہ ممتاز نسل فضائل وکمالات کی حامل تھی، ایمان، اخلاص، تجرد، ورع، انابت، دنیا سے اعراض، آخرت کے شوق اور جنت کی نعمتوں کی تمنا کے جوہر سے آراستہ تھی اور اسے امر بالمعروف اورنہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔

اس دعوتی تربیت کی تاثیر سلف سے خلف تک جاری رہی، اور یہ میراث عصر حاضر کے مسلم نوجوانوں تک منتقل ہوئی، جو عالم اسلامی اور دوسرے ممالک میں دعوت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن آج اسلام کا کام کرنے والے نوجوانوں کے لئے دعوتی قیادت کا فقدان ہے، اکثر حالات میں وہ اسلام کے بارے میں اپنے مخصوص مطالعہ اوردعوت

کے مزاج، کام کے مواقع اور زمانہ کے تقاضوں کے بارے میں اپنے عام فہم پر بھروسہ کرتے ہیں، اس لئے طبعی طور پر بسا اوقات وہ مصالح کی رعایت اور حکمت کا لحاظ نہیں کرپاتے جس کی وجہ سے ان سے فیصلہ کرنے میں جلد بازی اور اپنے موقف پر بے جا اصرار کی علامتیں ظاہر ہوجاتی ہیں اور اس سے دعوت کے مصالح کو فائدہ پہنچنے کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے اور حکمتِ دعوت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

مسلم نوجوان، داعیوں، علماء اور تربیت کرنے والوں کے ہاتھوں ایک بیش بہا امانت ہیں، متاعِ زیست میں گراں بہا حیثیت رکھتے ہیں، ان پر توجہ دینے اور اسلامی دعوت کے میدان میں ان کی صحیح رہنمائی کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ وہ مسلمان داعی اور اسلامی معاشرہ کے باعزت افراد ہونے کی حیثیت سے مثالی نمونہ پیش کرسکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مسلم نوجوان جب خالص اسلامی صفات سے آراستہ ہوں گے، ان میں اخلاص، تجرد، جان ومال کی قربانی کی صفات پیدا ہوں گی، اسلام کے نظام حیات ہونے کا صحیح شعور، اس کے زندہ جاوید ہونے پر مکمل اطمینان اور اس کے زندگی کے ابدی پیغام ہونے پر کامل اعتماد پیدا ہوگا اور وہ تواضع اور خشیت الٰہی کا التزام کریں گے، ساتھ ہی ان کوششوں اور سرگرمیوں کی بھی قدر کریں گے جنہیں مسلمان اور ان کی جماعتیں اسلامی دعوت کے میدان میں انجام دیتی ہیں اور مسلکی اختلافات اور مختلف فیہ باتوں سے بچیں گے، اور معاصی، نیز شرعی مخالفتوں اور ہر اس چیز سے دور رہیں گے جس کا رذائل سے ادنیٰ بھی تعلق ہو، تبھی ہم اسلامی دعوت کے لئے مطلوبہ نوجوان پاسکیں گے۔ ان کی سرگرمیوں پر اعتماد حاصل کرسکیں گے اور موجود زمانہ میں اسلامی دعوت کے راستے میں ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرسکیں گے، اور مستقبل کے داعی کی حیثیت سے ان کو تیار کرسکیں گے۔

(وما ذلك على الله بعزيز)

☆☆☆

کردار کے آئینہ میں ہماری تصویر

''انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے'' یہ وہ حقیقت ہے جس پر تمام ماہرین نفسیات کا اتفاق ہے، ماحول ایک سانچہ ہے جس میں انسان کی شخصیت اوراس کا کردار ڈھلتا ہے ،تاریخ انسانی کے چند ہی ادوار کا مطالعہ اس حقیقت کو واشگاف کر دیتا ہے کہ انسان اپنے معاشرہ اور گردوپیش کے حالات سے متاثر ہوتا ہے،اپنے معاصر لوگوں کے افکارونظریات کا اثر قبول کرتا ہے اور پھر انہیں کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگیاں دو مختلف ومتضاد مرحلوں سے گذریں، ایک مرحلہ جاہلیت کا تھا، ان کی زندگی اخلاقی اقدار اور حسن کردار سے عاری تھی، وہ ہر طرح آزادی کی زندگی گذارتے تھے، نہ مذہب کی کوئی پابندی، نہ ضمیر کی ملامت، ان کا ہر قول وفعل گمراہی وجہالت اور گھٹیا پن کا نمونہ، کسی کا دل دکھانے، کسی کی زندگی کی مسرتوں کو چھین لینے اور ماحول کو آلائشوں سے بھر دینے میں انہیں کوئی جھجک اور کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ تفریح طبع کا سامان بنتا تھا۔

دوسرا مرحلہ آیا تو کایا پلٹ گئی، اب زمین بھی دوسری اور آسمان بھی دوسرا، شب وروز بھی دوسرے، اب وہی شخص حق وبھلائی کا علمبردار، ہر موقع ومحل میں وہ صاحب کردار، اس کا ہر قول وعمل لوگوں کے لئے اسوہ ونمونہ، اس کے بلند اخلاق اور مثالی کردار نے اسے بام عروج پر پہونچا دیا ہے، اب وہ اخلاص وخیر خواہی اور نیکی وایثار کا پیکر بھی ہے اوراس کا داعی بھی، اور یہ سب کچھ صرف اخوت ایمانی کے جذبے، ضمیر کے احساس وحکم کی تعمیل میں،

اور آخرت پر ایمان اور رضائے الٰہی کے مقصد سے انجام پاتا ہے۔

یہ ہیں ایک مسلمان کی دو تصویریں، اپنی تصویر کے ایک رخ میں وہ صحیح ایمانی عقیدہ پر ثابت قدم ہوتا ہے، کسی بھی حال میں ذرا بھی لچک گوارہ نہیں کرتا، انجام سے آنکھیں بند کر کے اپنے عقیدہ کے موقف پر اٹل رہتا ہے، اور دوسرا رخ دیکھئے تو شریعت الٰہیہ پر مکمل کار بند ہوتا ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ خدا کی یہ شریعت ہی انسان کی خدمت کر سکتی ہے اور اس کی زندگی کو ہر مقام پر سرخروئی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

مسلمان اپنے بھائی کے سامنے ایک نہایت ہی صاف شفاف آئینہ ہوتا ہے، ہر شخص اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور گرد وغبار کے جو داغ دھبے نظر آتے ہیں انہیں دور کر لیتا ہے، اس کے عیب کو درست کر لیتا ہے، اور اسے اچھی طرح سنوار لیتا ہے، یہ آئینہ جس قدر صاف ہوتا ہے اسی قدر وضاحت کے ساتھ سارے نقوش ابھر آتے ہیں، اور آراستگی کا عمل بخوبی انجام پاتا ہے، محسن انسانیت ﷺ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''المؤمن مرآة المؤمن'' (مؤمن مؤمن کے لئے آئینہ ہوتا ہے)۔

اسلام کے ابتدائی ادوار میں مسلمان اپنے دین کا سچا عملی پیکر تھا، اپنے کردار سے اسلامی سیرت کا داعی تھا، اور شریفانہ انسانی خصلتوں پر اور فطرت کے مطابق بلند اخلاق کی بنیاد پر لوگوں کی تربیت کرتا تھا خود اللہ نے اپنی کتاب حکیم میں مسلمان کی اس صفت دعوت وتربیت کو بیان فرمایا ہے:

"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

افسوس کہ آج مسلمان اپنے مقام سے نیچے اتر آیا ہے، آج اس کی سیرت وکردار دیکھئے تو ایک ایسے انسان کی تصویر سامنے آتی ہے جو ہر فضیلت وخوبی سے خالی، ہر محبت اور

جذبۂ خدمت سے عاری ہے، اس کی فکری جولان گاہ صرف اپنے چند ذاتی مسائل ہیں، نہ دوسروں کی فکر ہے نہ کسی اور کا غم، اس کی مسرتیں صرف اس میں ہیں کہ اپنے طبعی تقاضے پورے کر لے، اپنی خواہشات اور پست مقاصد کو حاصل کر لے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دیکھئے، کس قدر تاکید کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ایثار اور خیر خواہی ایمان کی علامت ہے، " لايؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه " (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے) لیکن اب یہ مسلمان اپنے اس امتیاز سے تہی دامن ہو چکا ہے، اب وہ تصویر ہے غرور وتکبر کی، بھلائیوں اور خوبیوں کو ملیامیٹ کر دینے کی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی کی، اپنے مسلمان بھائیوں کے اندر عیب جوئی کی، اور انقلابات زمانہ کا شکار ہو جانے والے، مصیبت میں مبتلا بھائیوں پر خوش ہونے کی اور اپنے بھائی کو ضرورتمند پا کر اسے بے یار ومددگار چھوڑ دینے اور راہ فرار اختیار کر لینے کی۔

اپنی ان خصلتوں اور عادتوں کے ساتھ ہم کیوں کر اپنے معاشرہ اور اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں، ہمارے لئے کیوں کر ممکن ہے کہ ان بنیادی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں، جن کی خاطر ہم پیدا کئے گئے، اور اللہ نے ہمیں حلقہ بگوش اسلام کیا تھا، اس وقت زمانہ صاحب کردار وباشعور مسلمان کا منتظر ہے، ایسا مسلمان جو داعی ہو، تعلیمات دین کا پیکر ہو، اس کی رگوں میں اخلاص کی روح جاری وساری ہو، اور وہ ملت کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکتا ہو، عصر حاضر نہایت بے تابی سے اس وقت اس امت کا منتظر ہے، جسے اللہ نے پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ اسلامی شخصیت وکردار اور ایمانی فدا کاریوں کے نمونے پیش کرے، جسے اللہ تعالیٰ نے امت وسط بنایا تھا، ایک معتدل امت، تاکہ وہ دیگر امتوں کے لئے روز قیامت گواہ ہو، اور خود رسول امت صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لئے گواہ ہوں:

وكذلك جعلنا كم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شيهداً۔(بقرہ:۱۴۷)

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں۔''

☆☆☆

ہماری زندگی میں مصائب وآلام کا راز

آج ہم مسلمانوں کا حال یہ ہوگیا ہے کہ ہم ہر اچانک پیش آنے والے حادثے یا مصیبت کے پیچھے مادی اسباب ومحرکات کی تلاش وجستجو کرتے نظر آتے ہیں، گرچہ بعض دفعہ ہم اس کا اظہار زبان سے نہیں کر پاتے، اکثر ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہونے پاتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عام طور پر ہر آفت وپریشانی کا کوئی نہ کوئی خارجی سبب ڈھونڈھتے ہیں، اور واقعات وحوادث کا محرک مادی حقائق وواقعات کو قرار دیتے ہیں، پھر اس کے بعد آہ وفغاں اور نوحہ خوانی کرتے ہیں اور اس واقعہ کے ذمہ داروں کو لعنت وملامت کا ہدف بناتے ہیں۔

یہ صورت حال ہمیں ہر سطح پر اور بعض دفعہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہر جگہ نظر آتی ہے کہ کسی بھی حادثے کی ساری ذمہ داری ان ریشہ دوانیوں کے سر تھوپ دی جاتی ہے جو مسلمانوں کے خلاف کی گئی ہوں، یا ان خفیہ منصوبوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جو دشمن ممالک یا بڑی طاقتوں یا عالمی فوجی تنظیموں یا مجرمانہ سرگرمیوں میں کسی پارٹی کی طرف سے تیار کیا گیا ہو۔

لیکن ہمیں ان واقعات کے اسباب وعلل کو اپنی سیرت وکردار میں اپنی سرگرمیوں اور روزانہ کے پروگراموں میں، اپنی گوناگوں مصروفیات میں، جادۂ حق سے ہٹی ہوئی غلط طریقۂ زندگی میں تلاش کرنے کی فرصت نہیں ملتی، اور ان چیزوں میں اپنی تباہ کاری کے اسباب معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوتا، اس پہلو پر توجہ دینے سے ہم بالکل غافل ہو بیٹھے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں تمام مشکلات ومصائب کو اس ماحول کی روشنی میں سمجھنا ہوگا

جس میں ہم اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں، خاص طور پر جس کا تعلق ہمارے اخلاق اور اعمال سے ہے جس کو بے خوف وخطر ہم اپنائے ہوئے ہیں، آج ہم صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور اسلام کے ساتھ ہمارا تعلق محض رسمی رہ گیا ہے، مردم شماری کے سرکاری رجسٹر میں ہم مسلمان ہیں، کہنے کو آج ہماری تعداد دنیا میں ایک ارب سے بھی متجاوز ہو چکی ہے، مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں زمام سلطنت بھی ہے، اقوام متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل میں ان کی وقیع نمائندگی بھی ہے، مادی وسائل اور دولت وطاقت کی فراوانی بھی ہے، ان کے پاس عالمی سطح کے ادارے اور موثر رابطے بھی ہیں، لیکن ان سب کے باوجود سب سے کمزور، سب سے بدنصیب اور تمدنی، سائنسی، اور معاشرتی زندگی میں سب سے زیادہ پسماندہ مسلمان ہی ہیں۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ معلوم اور بالکل واضح ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں نے اپنی مثالی شخصیت کھودی ہے، اور دنیا کی رہنمائی سے خود کنارہ کش ہو گئے ہیں، چنانچہ اسلامی زندگی مادی تہذیبوں اور فضائل وآداب سے عاری تمدنوں میں جذب ہو کر اپنا تشخص کھو بیٹھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمام اخلاقی برائیوں کو یکجا طور پر دیکھنا چاہے تو اس کو سب سے واضح اور نمایاں مثال مسلمانوں ہی کی زندگی میں ملے گی، رنگ، نسل، زبان اور علاقے کے لحاظ سے ان میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن برائیوں کے قبول کرنے میں غیر معمولی اتفاق نظر آتا ہے۔

وہ مقام بلند جہاں سے ہم قوموں اور ملتوں کو خطاب کیا کرتے تھے، علم وادب اور دین واخلاق کا درس دیتے تھے، تہذیب وثقافت اور اجتماع ومعاشرت کے آداب سکھاتے تھے ،لوگوں کو جہالت وبدبختی کے قعر مذلت سے نکال کر ہدایت وعلم کی روشنی میں لاکھڑا کرتے تھے، آج وہ مقام بلند ہماری دسترس سے باہر ہے، آج تو ہم پستی وخواری کے تحت الثریٰ میں پہونچے ہوئے ہیں، جہاں ہمیں پامال کیا جارہا ہے، ہمارے ساتھ ذلت ورسوائی کا معاملہ کیا جاتا ہے، بزور طاقت اپنے حقوق سے دستبردار ہوجانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے،

آخر ایسا کیوں ؟

اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم نے اپنے قائدانہ منصب کو ٹھکرا دیا اور غلامی کی زندگی پر قانع ہو گئے، خودداری اور شرافت کی زندگی بسر کرنے کی روش ترک کر دی، اور شیرازہ منتشر کرنے، اتحاد اور جمعیت کو پارہ پارہ کرنے والی اور اسلامی رشتے سے تعلق منقطع کرنے والی تمام چیزوں کو ہم نے گلے سے لگا لیا۔

مزید برآں یہ کہ ہم ان مصائب و آلام کے اسباب اپنے غیروں میں تلاش کرتے ہیں اور اپنی بدبختی و نامرادی کی ذمہ داری دوسروں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ ہماری یہ روش انتہائی حیرت ناک اور قابل تعجب ہے اور عقل سلیم اس کی گتھی سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے۔

☆☆☆

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے ☆

حال ہی میں مصر کے اخبارات نے ایک ایسی سازش کا انکشاف کیا ہے جس کا اصل مقصد موجودہ حکومت کو قیادت سے محروم کر کے منصب قیادت پر قابض ہونا تھا، اس سازش کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو شاید یہ ہے کہ انقلابی دماغوں نے اس سلسلہ میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس میں صدر جمہوریہ اور حکمراں طبقہ کو قتل کرنے کے ساتھ فلمی ستاروں، مغربی ممالک کے سفرائے حکومت کو بھی قتل کرنے کا پورا پروگرام تھا، مگر خوش قسمتی سے سازش کا یہ منصوبہ عملی جامہ پہننے سے پہلے ہی منکشف ہو گیا، اور حکومت مصر نے ''الأخوان المسلمون'' کے تمام ارکان کو گرفتار کر کے اس خطرناک سازش کو (بزعم خود) ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔

اخوان کے جو ارکان ملک سے باہر ہیں انہوں نے اس سازش کی تفصیلات شائع کر دی ہیں جس میں انہوں نے واضح دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اخوان مصر میں ایک نہتے شہری سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، اور انقلاب مصر ۱۹۵۲ء کے بعد سے وہ ہر طرح کی سرگرمیوں سے الگ تھلگ ہیں، اس لئے کہ وہ مصر کے حکمراں طبقہ کی نگاہوں میں ایک باغی جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ قطعاً اس کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ کسی طرح کی خفیہ یا ظاہری تنظیم اور کسی عملی تحریک میں حصہ لیں، مصر کے حکمرانوں نے اس جماعت کے ایک ایک رکن کو قید و بند کی مصیبتوں میں رکھا، اور ان کو ہر طرح کے شہری حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی۔

☆ یہ مضمون نومبر ۱۹۶۵ء مطابق ۱۵ر رجب ۱۳۹۵ھ کو پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ کے اداریے کے طور پر لکھا گیا اور شائع بھی ہوا۔

ان حالات میں ان کے لئے کسی طرح یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی بھی انقلابی سازش کا منصوبہ بناتے، اور حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے اسلحہ، اور سامان فراہم کرتے، بالخصوص جبکہ حکومت کی عقابی نگاہیں ان کی ساری نقل وحرکت کو ریکارڈ کرتی رہتی ہیں، اور سی، آئی، ڈی کا پورا عملہ ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتا ہے۔

لیکن سرکاری ذرائع اطلاعات نے اس محال کو بھی وقوع پذیر ثابت کر دکھایا اور ایک ایسی خطرناک سازش کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو گئے جو نہ صرف "الأخوان المسلمون" جیسی دینی جماعت کی طرف سے بالکل ناممکن ہے، بلکہ ایک بڑی حکومت کے لئے بھی اس طرح کی انقلابی سازش کا منصوبہ تیار کرنا کچھ آسان نہیں۔

اس سازش کی اہمیت جتانے کے لئے ارکان حکومت نے جو پالیسی اختیار کی ہے وہ اس قدر ناقابل فہم اور غیر معقول ہے کہ معمولی عقل وفہم کا شخص بھی اس کو حکمت وتدبر کی پالیسی نہیں قرار دے سکتا، مثلاً اس کے خطرناک پہلو کو واضح کرنے کے لئے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان میں سب سے بڑی دلیل اسلحہ اور گولا بارود کا وہ ذخیرہ ہے جس کو سازشی استعمال کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ کس قدر آسان بات ہے کہ قاہرہ کے اسلحہ خانہ سے جتنی تصویریں منظور ہوں لے لی جائیں اور ان پر موٹے موٹے عنوانات لگا کر اشاعت کے لئے حکومت کے اخباروں کو دے دی جائیں۔

اس تصویر کا کھوکھلا پن بالکل صاف ظاہر ہے، اس لئے کہ اخوان، انقلاب مصر کے بعد ہر قسم کی مادی طاقت سے محروم کر دیئے گئے تھے یہاں تک کہ ان کی جماعتی طاقت کو بھی بالکل ہی فنا کر دیا گیا تھا، اور مصر میں کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اخوان کا نام بھول کر بھی لے لیتا، ایسی صورت میں اسلحہ اور گولا بارود کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر لینا، کس قدر لغو اور مہمل بات ہے۔

اس دعوی کی کمزوری اس کی دوسری دلیل سے واضح ہو رہی ہے جو سازش کے خطرناک اور اہم ترین ہونے کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے اور وہ ہے خفیہ کاغذات کی وہ فائلیں جو اس

سازش کا پورا خاکہ تیار کرتی ہیں، آپ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ یہ خفیہ کاغذات سید قطب کی کتاب "معالم فی الطریق" اوران کے بھائی محمد قطب کی کتاب "جاھلیة القرن العشرین" سے برآمد ہوئے ہیں، اول الذکر کتاب ایک سال قبل مکتبہ وہبہ قاہرہ سے شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے، اور لوگ پڑھ کر اس کو پرانی بھی کرچکے ہیں، یہ کتاب سید قطب کی دوسری کتابوں کی طرح ایک دعوتی وفکری کتاب ہے، اور جس کے کچھ مضامین آج سے بہت پہلے ان کی بعض دوسری کتابوں کے ساتھ شائع ہوچکے ہیں، لیکن مصری ارکان حکومت کو اصرار ہے کہ یہ کتاب ہی دراصل اس سازش کا پیش خیمہ تھی، اخوان کی رپورٹ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جب مصر کے ترقی یافتہ ادیبوں اور حکمرانوں نے دیکھا کہ مصری سوشلزم کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں عوام میں بالکل مقبول نہیں ہورہی ہیں، اور نہ ان کو پڑھنے کے لئے کوئی تیار ہے، اس کے برعکس سید قطب اور محمد قطب وغیرہ کی کتابیں بیحد مقبول ہیں تو انہوں نے مصر کے صدر جمال عبدالناصر کو صورت حال سے مطلع کیا اوران سے سید قطب اور محمد قطب کو گرفتار کرنے اور اخوانی ذہن کو فنا کردینے کی درخواست کی، انہوں نے درخواست منظور کرلی، اور موقع کا انتظار کرنے کو کہا، بالآخر گرفتاریوں کا جواز پیدا کرنے اور اخوانی تحریک کا نام ونشان مٹانے کے لئے انہوں نے روس کا دورہ کرنے سے پہلے اخوان کے نام پر ایک خطرناک سازش کا منصوبہ بنانے اوراس کو منکشف کرنے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی، اور سازش کا ڈرامہ کھیلا گیا"۔

اس سازش کے ایک حیرت انگیز پہلو یعنی فلمی ستاروں کے قتل کا منصوبہ بنانے پر تبصرے کرتے ہوئے ایک جرمنی سے آنے والی عربی زبان کی رپورٹ میں درج ہے کہ "سی آئی، ڈی کی رپورٹ کے مطابق صدر ناصر کی مقبولیت عوام میں دن بدن کم ہوتی رہی، تا آنکہ دلوں میں بجائے محبت ومقبولیت کے اب نفرت جاگزیں ہونے لگی، تو انہوں نے دیکھا کہ سازش میں صرف صدر کے قتل کا منصوبہ پیش کرنا انتہائی لاحاصل ہے، اس سے حکومت کو عوام کی تائید حاصل کرنا مشکل ہوجائے گا، اس لئے انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر ان شخصیتوں کا انتخاب

کیا جن سے عوام کو دلچسپی ہو سکتی ہے، ان کے نزدیک مشہور فلمی ستاروں، موسیقاروں اور گانے والوں کے نام کا استعمال اس موقعہ کے لئے بیحد نتیجہ خیز سمجھ میں آیا، انہوں نے کہا کہ عوام اگر صدر ناصر کے قتل کی سازش سے برافروختہ نہیں ہو سکتے تو وہ ام کلثوم، عبدالوہاب، فایزہ احمد، شادیہ اور عبدالحلیم حافظ کے قتل کی سازش سے ضرور مشتعل ہو جائیں گے"۔

اس واقعہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ بہت سی ایکٹرسوں نے جن کا نام سازش میں نہیں آسکا تھا، انہوں نے سخت احتجاج کیا کہ آخر ہم نے کیا قصور کیا تھا، جو ہم کو اس طرح نظر انداز کر دیا گیا، ان کو یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ شاید حکومت کے حلقوں نے انہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ اس "فرضی فہرست" میں ان کا نام بھی شامل کیا جاتا۔

اس سے زیادہ مضحکہ خیز اور پر لطف بات یہ ہے کہ ان کے ناموں کا اضافہ کرنے پر پوری "سنجیدگی" سے غور بھی فرمایا گیا ہے۔

یہ واقعات خواہ از راہ تفنن کئے گئے ہوں یا ان کی بنیاد حقیقت پر ہو، بہرحال اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ اس سازش کی "مضحکہ خیزی" اور "عقل دشمنی" ہر ہوشمند پر آشکار ہو چکی ہے، ان سب ڈراموں سے قطع نظر وہ اصل واقعات جن سے ملک کے عمومی ہیجان اور باغیانہ ذہن کا اندازہ ہوتا ہے، مختلف غیر ملکی ایجنسیوں نے بیان کئے ہیں۔

بالخصوص دمیاط اور کرواسہ میں جو فسادات ہوئے ان کی مختصر تفصیلات ملاحظہ ہوں:

دمیاط اور کرواسہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ شہر اور گاؤں کے لوگ جمال عبدالناصر کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے، جس نے دس سال کے اندر عوام کا اعتماد کھو کر ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی ہے، اور اب موجودہ اقتدار سے ان کی خفگی صلیبیوں اور فرانسیسیوں کی خفگی سے بھی بڑھ چکی ہے۔

کرواسہ میں واقعہ اس طرح پیش آیا کہ فوج اخوان کے ایک ممبر کو تلاش کرتی ہوئی اس شخص کے گھر میں گھس گئی، اور اس کو نہ پا کر اس کی بیوی کو گرفتار کر لیا، اور اس کو اپنے ساتھ لے جانے لگی، یہ منظر دیکھ کر گاؤں والے مشتعل ہو گئے، اور وہ فوجیوں پر ڈنڈوں، پتھروں اور

بندوقوں سے حملہ کر بیٹھے، اس کے نتیجہ میں کئی فوجی مارے گئے، پھر گاؤں والوں نے مظاہرہ کی شکل میں ایک جلوس نکالا اور پورے شہر میں حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے انہوں نے گشت کیا، ادھر فوج نے حکومت سے ٹینک اور توپ خانوں کی مدد مانگی، تا کہ وہ عوام کا مقابلہ کر سکیں، عوام نے ٹینک اور توپ خانوں کا مقابلہ کرنے کی بھی ٹھان لی اور ہر طرح کی تیاری کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے بند اور دفاعی پشتے تعمیر کر کے اپنے گاؤں کو ہر طرف سے محفوظ کر لیا، مگر فوج نے اپنے اسلحہ کی مدد سے گاؤں والوں پر حملہ کیا اور لڑائی شروع ہو کر رہی، جس میں بہت سے فوجی اور عوام مارے گئے، پورے گاؤں میں فوجیوں نے لوٹ کھسوٹ شروع کر دی، اور اس پر محاصرہ کر کے سینکڑوں بے گناہوں کو گرفتار کیا، اور گاؤں کا امن وامان غارت کر دیا۔

دمیاط میں اس سے بھی زیادہ سخت حادثہ پیش آیا، جب شہر میں اخوان کو گرفتار اور اسلحہ کا پتہ لگانے کی غرض سے خانہ تلاشی شروع ہوئی، تو عوام اس ظلم سے تنگ آگئے، اور جمال عبدالناصر کے ظلم و بربریت کا علی الاعلان اظہار کرنے لگے، اسلحہ کی تلاشی کے سلسلہ میں ایک فوجی افسر نے اس علاقہ کے ایک شکاری کو جو ساحل پر مچھلی کا شکار کر رہا تھا، اس سے کشتی کی تلاشی لینے کو کہا، شکاری نے اس ڈر سے کہ کہیں فوجی اس کی شکار شدہ مچھلیوں کو بلا قیمت دیئے ہوئے نہ لے لے، کشتی چھوڑنے سے انکار کر دیا، اسی لمحہ فوجی افسر نے بندوق سے شکاری کو ہلاک کر دیا، دوسرے شکاریوں نے یہ منظر دیکھا تو جائے وقوع پر جمع ہو گئے جن میں قریبی دیہات کے لوگ اور کسان، تاجر، بڑھئی، لوہار، اور سبھی قسم کے لوگ تھے....، اور تقریباً دس ہزار کا مجمع ہو گیا، جو مظاہرہ کرتا ہوا اور حکومت کے خلاف نعرے لگاتا ہوا دمیاط کی سڑکوں پر گشت کرنے لگا، اتنے میں کچھ فوجیوں نے ان کو خاموش کرنا چاہا، مگر انہوں نے اپنا مظاہرہ جاری رکھا، اور عبدالناصر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہے، شہر کی کوتوالی کے سامنے جا کر انہوں نے ہر طرح کے نعرے لگائے، اور اپنے غم وغصہ کا مظاہرہ کیا، کوتوالی سے عبدالناصر کی تصویریں نکال کر پیروں سے روندی گئیں۔

بالآخر کوتوالی کو مارشل عبدالحلیم عامر سے مدد مانگنی پڑی، یہاں تک کہ مارشل ایک بڑے فوجی دستہ کے ساتھ تشریف لائے، اور دمیاط کا محاصرہ کرلیا گیا، اور کئی ہفتے تک پورا شہر ایسے سخت محاصرہ میں رہا کہ لوگ ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے سے قاصر رہے، مارشل نے جب اپنی آنکھوں سے اپنے دوست جمال عبدالناصر سے عوام کی بیزاری کا حال دیکھا تو انہیں بڑا دکھ پہونچا........"

اس واقعہ کو ساری دنیا کی نیوز ایجنسیوں نے ریکارڈ کیا، خصوصاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی نیوز ایجنسیوں نے پوری تفصیل سے واقعات کی خبریں شائع کیں جب کہ خود مصری اخبارات نے اس حادثہ کو معمولی طور سے صرف اس طرح بیان کیا ہے۔

"دمیاط کے ساحل پر پولیس نے ایک مشتبہ شخص کو پاکر اس پر فائرنگ کی، مگر اہل شہر واقعہ سے چونکہ باخبر نہیں تھے، اسلئے ان کے جذبات مشتعل ہوگئے، لیکن جوں ہی ان کو حقیقت حال کا علم ہوا، وہ سکون پذیر ہوگئے اور امن بحال ہوگیا......"

ان واقعات کو محض اتفاقی حادثہ قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں، بلکہ یہ اور اسی طرح کے آئے دن پیش آنے والے حوادث اس بات کا صاف اعلان ہیں کہ مصری حکومت سے عوام کا اعتماد اٹھتا جارہا ہے، اور صدر ناصر دن بدن ان کی نگاہوں میں گرتے جارہے ہیں، اسلئے کہ مصری حکمرانوں نے جھوٹے پروپیگنڈے کرنے اور نیک نامی حاصل کرنے کے لئے وہاں کی اقتصادیات کو جس طرح تباہ کیا ہے اور دیہاتی باشندے جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے، اب عام طور سے موجودہ حکومت کے خلاف عوام میں غم وغصہ کی لہر پیدا ہوچکی ہے، اور صدر ناصر اپنا زوال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مصری قیادت اپنی کمزوریاں چھپانے اور عوام کی توجہ کو دوسری طرف مرکوز کرنے کے لئے نہ جانے کتنی سازشوں اور تحریکوں کا سہارا لے گی، اس کی نگاہوں میں مصر کی بے ضابطہ جماعت "الاخوان المسلمون" اس غرض کے لئے جتنی آسانی کے ساتھ استعمال ہوسکتی ہے غالباً کوئی اور جماعت اس کے لئے اتنی مفید اور کارآمد نہیں ثابت ہوسکتی۔

لیکن یہ حقیقت بھی کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ مادہ پرست طاقتوں نے جب کبھی حق کی آواز کو خاموش کرنا چاہا تو وہ دیر یا سویر نا کام ہو کر رہیں، اسی سرزمین میں کتنے ہی حق و باطل کے معرکے تاریخ نے دیکھے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ باطل کو ہمیشہ شکست ہوئی، اور حق سر بلند ہوا۔

فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کون نہیں جانتا، اس کی تفصیل خود کتاب الٰہی میں موجود ہے، سرفروشان راہ حق کی ایک چھوٹی سی نہتی جماعت نے فرعون کے قصر تمکنت کو کس طرح متزلزل کر دیا، اور بالآخر وہ انہیں کے ہاتھوں اپنی ساری طاقت اور کبر و غرور کے ساتھ ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

اس سرزمین میں حق و باطل کا معرکہ پھر قائم ہے، ایک طرف کچھ نہتے، بے سہارا، اور مادی طاقت سے محروم لوگ ہیں، تو دوسری طرف ایک بڑی حکومت ہے، فوج اور پولیس اور جدید اسلحہ کا ذخیرہ ہے، اور وہ سارے وسائل ہیں جو ایک خالص مادہ پرست طاقت کے پاس ہوتے ہیں، ایک طرف صرف ایمان و یقین کی طاقت ہے، اللہ تعالی پر بھروسہ اور اس کے دین کی راہ میں مر مٹنے کا جذبہ ہے تو دوسری طرف کبر و غرور ہے، مادی وسائل پر اعتماد ہے اور دنیا میں بلند و برتر ہونے کا جذبہ ہے، ایک طرف صرف مسلمانوں کی تائید اور ان کی دعاؤں کا سہارا ہے تو دوسری طرف بڑی بڑی حکومتوں کی تائید اور ان کی فوجی و اقتصادی امداد پر بھروسہ ہے، ایک طرف کعبہ و حرم ہے تو دوسری طرف لینن گراڈ اور اقوام متحدہ ہے، ایک طرف ایثار و قربانی ہے، تو دوسری طرف عیش کوشی اور تن آسانی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ کون کس پر غالب آتا ہے، معرکہ جاری ہے اور بظاہر مادی طاقت فائق ہے، لیکن خدا کا قانون اٹل ہے، اور اس کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، اسلام کا معجزہ ہمیشہ ظاہر ہوا ہے اور ظاہر ہوتا رہے گا، حق و باطل کی کشمکش جاری رہے گی، اور اہل عبرت کے لئے سامانِ عبرت فراہم کرتی رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

☆☆☆

باب سوم

عالمی قیادت کے زریں اوصاف

اسوۂ ابراہیمی اور شیوۂ آزری

ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام دنیا میں اس وقت آئے جب معصیت کا بازار ہر طرف گرم تھا، گھر سے لے کر باہر تک ساری دنیا صرف ایک کام میں مشغول تھی، اور وہ تھا بت سازی اور بت پرستی کا کاروبار، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر بت پرست ہونے کے ساتھ ہی ایک بڑے ماہر بت تراش اور اپنے زمانے کے فنکار بھی تھے، پورا ماحول اسی بت سازی اور بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا، انسان کی معراج ہی یہ تھی کہ کم از کم اگر وہ بت ساز نہیں ہے تو بت پرست ضرور ہو، اس وبا نے تمام انسانوں کو بری طرح گھیر رکھا تھا، اور ہر شخص اپنے حقیقی ماحول سے دور بہت دور ایک ایسی خاردار وادی میں بھٹک رہا تھا جہاں بجز معدہ و مادہ کے کسی اور بات کا گذر نہ تھا، اور لوگ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے آشنا بھی نہیں تھے۔

حرص و ہوس سے جکڑے ہوئے اسی ماحول میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی، انہوں نے اپنی حقیقت آشنا نگاہوں سے اس گھٹتے ہوئے انسان کو دیکھا جو اپنی ساری صلاحیتوں کو پتھر اور لکڑی پر صرف کر رہا تھا، انہوں نے ایک بے جان اور بے حس و حرکت بت کے سامنے لوگوں کو اپنی پیشانیاں ٹکاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس محدود اور مقید ذہن کو دیکھا جو ایک تنگ دائرے کے اردگرد گھوم رہا تھا، اور جس کا مطمح نظر صرف معدہ تھا، اور مادہ پرستی کی ایک گھناؤنی شکل جس کا مرکز توجہ والتفات تھی۔

یہ ساری باتیں انسان کے فطری وظیفہ کے بالکل خلاف تھیں اور دوسرے الفاظ میں انسانی فطرت سے جنگ کے مرادف تھیں، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خداداد صلاحیت اور اپنی فطری قوت سے ان تمام مادی طاقتوں کو چیلنج کیا، یا انہوں نے بت پرستی اور بت سازی

کی مخالفت کی، انہوں نے حرص وہوس کی اندھی تقلید پر احتجاج کیا، اور انہوں نے اس غیر حقیقی ماحول کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اپنے باپ آزر کو اس بے راہ روی سے باز رہنے کی فہمائش کی، اور قرآن مجید کی زبان میں ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف کہا:

وإذ قال لأ بيه يا أبت لم تعبد مالا يسمع ولا يبصر ولا يغني عنك شيئاً، ياأبت إني قد جاء ني من العلم مالم يأتك فاتبعني أهدك صراطاً سوياً، ياأبت لا تعبد الشيطان، إن الشيطان كان للرحمن عصيا، يا أبت إني أخاف أن يمسك عذاب من الرحمن فتكون للشيطان ولياً (مریم:۴۲۔۴۵)

''جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے ''جو کہ مشرک تھا'' کہا کہ اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، تو تم میرے کہنے پر چلو، تم کو سیدھا راستہ بتاؤں گا، اے میرے باپ! تم شیطان کی پرستش مت کرو، بیشک شیطان رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے، اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے، پھر تم (عذاب) میں شیطان کے ساتھ ہو جاؤ۔''

ابراہیم علیہ السلام کی یہ صاف گوئی اور ان کا اعلان حق آزر کی بت ساز طبیعت کو چیلنج نہ کر سکا، اور وہ اس غیر حقیقی ماحول کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کی بات سننے اور ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوا، اور اس نے صاف صاف کہہ دیا:

قال أراغب أنت عن آلهتي ياإبراهيم، لئن لم تنته لأرجمنك واهجرني مليا (مريم:) (سورۂ مریم:۴۶)

''باپ نے جواب دیا کہ تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو، اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو پتھروں سے سنگسار کر دونگا اور ہمیشہ کے لئے مجھ سے برکنار رہو۔''

لیکن ابراہیم علیہ السلام ہر طرح کی دھمکی اور خطرے سے بے پروا اپنے کام میں مشغول رہے اور فطرت کے اصول کے سامنے انہوں نے کسی ایسے تصور کو ماننے یا اس کے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا جو انسان کو انسان ہی کے آگے نہیں بلکہ پتھروں اور بے حس وحرکت مجسموں کے سامنے جبین نیاز جھکانے پر آمادہ کرے، وہ اس مصنوعی اور بے جان ماحول میں ایک اجنبی تھے، لیکن ان کے ایمان کی طاقت نے اپنے زمانے کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی اور پوری آبادی کے خلاف ان کی آواز اس وقت اٹھی جبکہ ہر طرف سے خطرات ان کو گھیرے ہوئے تھے، اپنے اور پرائے ان کے دشمن ہو چکے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام نے ہر خطرہ کو دعوت دی اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوئے، آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں اپنی جان عزیز کو فنا کر دینے میں انہوں نے ذرا بھی تأمل نہیں کیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ مخالفین پسپا ہو گئے، دشمن شکست کھا گئے اور آگ کے دہکتے ہوئے شعلے گل وگلزار بن گئے، یہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی وہ لازوال اور غیر فانی طاقت تھی جس کے سامنے دنیا کی ہر بڑی طاقت شکست خوردہ تھی اور جس نے اپنے زمانے کے جابر اور صاحب سطوت بادشاہ کے سامنے اس شانِ بے نیازی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

اس آزری ماحول کو جنم دینے اور اس غیر حقیقی معاشرہ کو برپا کرنے میں جس چیز کو سب سے زیادہ دخل تھا وہ اسباب ووسائل کے پیدا کرنے والے سے قطع نظر کر کے اسباب ووسائل پر مکمل اعتماد تھا، اسباب ہی معبود وکارساز سمجھے جانے لگے تھے اور وسائل ہی پر زندگی کی ساری عمارت قائم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کو متنبہ کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اسباب وعلل کی بے بسی کا راز افشا کرنا چاہا اور یہ بتایا کہ ان وسائل کے بغیر بھی انسان کس طرح بلند سے بلند مرتبہ پر پہونچ سکتا ہے اور وہ کس طرح بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں یہ پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ہر موقع پر اس کا اظہار ہوتا ہے،

خواہ وہ آتش نمرود ہو یا وادیٔ غیر ذی زرع کے تپتے ہوئے ریگستان، بے یار و مددگار بیوی کی بے تابی اور شدت انتظار ہو یا شیر خوار بچے کی پیاس کی بے چینی ہو، ظالم و جابر بادشاہوں کی نظر حرص ہو یا پوری قوم اور برادری کی شدت عداوت کا عالم ہو، آپ جدھر بھی نظر ڈالئے وسائل و اسباب کا فقدان اور بے یاری و بے بسی، عجز و تہی دستی ہر جگہ نمایاں اور صاف نظر آئے گی، لیکن اس کے باوجود ہر موڑ پر کامیابی اور سخت سے سخت آزمائش میں ایک غیبی مدد اس طرح ساتھ ساتھ دکھائی دے گی کہ اسباب و وسائل کی اس دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ماحول یا ایک قوم اور معاشرہ کے باغی نہیں تھے بلکہ وہ اس زمانے کے باغی تھے جو اپنا حقیقی راستہ بدل کر وسائل کی راہ پر گامزن تھا اور اسی کو اپنی معراج اور حقیقی کامیابی کا راستہ سمجھ رہا تھا، انہوں نے آ کر اعلان کیا کہ اے اہل زمانہ! تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ تمہاری خودی اور تمہارے مرتبہ کے کسی طرح شایان شان نہیں ہے، تم اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بت سازی و بت پرستی میں مشغول ہو، تم انسان ہو کر ان مجسموں کے سامنے جھکتے ہو جو تم کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتے، بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ہی محتاج رہتے ہیں، ان پر ایک مکھی بیٹھ جائے تو اس کو اڑانے کی بھی طاقت جس معبود کے اندر نہ ہو وہ بلاشبہ باطل و ناحق ہے، اور اس سے لو لگانا، اس کے سامنے جبین نیاز جھکانا تمہاری سخت توہین ہے، اور تمہاری جبین امتیاز پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہزاروں سال پہلے جن خود ساختہ معبودوں اور خانہ ساز اصولوں کو توڑا تھا، آج دنیا پھر انہیں معبودوں اور انہیں اصولوں کی پیروی کر رہی ہے، تاریخ نے گویا اپنے آپ کو دہرایا، اور آزر کی صنعت کو آج پھر فروغ حاصل ہوا ہے۔ وسائل و اسباب کے سامنے آج عجز و عبادت کا سر خم ہو رہا ہے، کارساز حقیقی سے بے تعلق اور فنا ہو جانیوالے اسباب پر کامل توکل اور بھروسہ، آج کی دنیا کا اصول بن چکا ہے۔

یہ آزری فتنہ جب بھی دنیا میں فروغ پائے گا اور وہ محدود و تنگ ماحول جہاں بھی قائم ہوگا وہی لعنتیں اس کے ساتھ آئیں گی، معیار بدل جائے گا، ذہنی توازن متغیر ہو جائے گا،

گناہوں، لذتوں اور شہوات نفس کو اخلاقی قدروں کا درجہ دے دیا جائے گا، ہر بے اصولی اور فطرت سے بغاوت کو فن اور صنعت کا لباس پہنا دیا جائے گا، اور انسان نہ صرف انسان کے آگے جھکنے لگے گا، بلکہ وہ گناہوں کی عبادت، نفس کی پرستش، رذالت وکمینگی کو فروغ دینے کے لئے اپنے سارے امکانات کو صرف کرنے کی پیہم کوشش میں لگ جائے گا، اور انسانیت دم توڑتی ہوئی نظر آئے گی۔

فتنہ آزری آج سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوا تھا، لیکن آج پھر وہ تازہ دم ہے اور ساری دنیا کو اپنے تیز رو سیلاب کی زد میں لے چکا ہے، اگر پہلے ایک آزر تھا تو آج ہزاروں لاکھوں آزر پیدا ہو چکے ہیں، آج کے آزروں کی اولاد مارکس واسٹالن، خروشچیف وبلگانن ہیں، اگر اس آزر نے سنگ سار کرنے کی دھمکی دی تھی تو آج کے آزر لاکھوں ابراہیمیوں کو گولی کا نشانہ بنا چکے ہیں اور دار کے تختوں پر لٹکا چکے ہیں، اور آزر کا طوفان اتنا بلاخیز نہیں تھا جتنا اس کے متبعین اور آج کے آزروں کا ہے۔

پورے ہجری سال میں سب سے زیادہ ابراہیمی یادگاروں کا جو زمانہ ہے وہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے، جس میں ابراہیم علیہ السلام کی متعدد یادگاروں اور مختلف آزمائشوں کو ہم یاد کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں ہم بھی خدا کے حضور اپنی معمولی قربانی پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں، بلاشبہ ہماری قربانیاں، صفا ومروہ کے درمیان ہماری سعی اور اس گھر کا طواف جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا یہ سب کچھ بہت ضروری اور ان کو انجام دینے والا خوش قسمت اور باعث صد مبارکباد ہے اور ان سے انکار کرنیوالا قابل عتاب وملامت بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن اس اعتراف کے باوجود یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ محض رسمی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کر لینا اور ان کی یادگار میں شریک ہو لینا اور سال میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک جانور کی قربانی دیدینا کافی نہیں، اور نہ اس سے اس طوفان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جس کا مقابلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے میں کیا۔

اس وقت دنیا مادیت کے سامنے اسی طرح سربسجود اور اسباب و وسائل کی پرستش میں اسی طرح مشغول و منہمک ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی، بلکہ آج اس مادیت کا دھارا پہلے سے زیادہ تیز ہے، پہلے مٹی اور پتھر کے بت پوجے جاتے تھے، لیکن آج سونے چاندی کے بت، اور تہذیب و تمدن کے بت، اور قومیت و وطنیت کے مجسموں کی پرستش میں دنیا پوری طرح ڈوبی ہوئی ہے اور مختلف ناموں سے نفس کی پرستش میں لوگ مصروف ہیں، کبھی فن اور آرٹ کے نام سے نفس کی پوجا ہو رہی ہے تو کبھی خدمت اور ترقی کے نام سے بت پوجے جا رہے ہیں، اور کہیں علم و ادب کا سائن بورڈ لگا کر مادیت کے سیلاب کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہر چیز کی شکل بدل گئی ہے اور ہر پہلو سے آزری فلسفوں کی خدمت ہو رہی ہے، یہ وہ وقت ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کو بت شکنی کے لئے کمربستہ ہونا چاہئے، آج ابراہیم جیسا ایمان، ابراہیم کی سی جرأت و ہمت اور ابراہیم جیسا اخلاص چاہئے، جو مادیت کے فلسفوں میں جکڑی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کا مداوا کر سکے اور اس کو بچا سکے۔

آج اسی بت شکن، بہادر اور مرد مومن جری اور مخلص ابراہیم کی ضرورت ہے جس نے اپنے نفس ایمانی سے آزر کے جادو کو توڑا، اور اپنے اخلاص و عمل کے جذبہ سے آزر کے بت کدہ کو ٹھنڈا کیا، اس بت کدہ میں آج پھر بہت سے بت جمع ہو گئے ہیں اور ان کو توڑنے کے لئے ایک ابراہیم کی ضرورت ہے، لیکن بجز ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کے اور کون ہو سکتا ہے جو اس مہم کو انجام دے اور ابراہیمی سنت کو پھر سے زندہ کر کے انسانیت کا خراج حاصل کرے۔

☆☆☆

آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوتے ہوتے پوری دنیا سے زادوراحلہ کی استطاعت رکھنے والے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے ایک ایسے مرکز میں جمع ہوتے ہیں جو ہر طرح کی دنیاوی لذتوں عیش وآسائش اور تفریحات سے بالکل پاک ہے، نہ وہاں سرسبزی وشادابی ہے، نہ دلفریب مناظر اور نہ پرسکون ماحول، لیکن ایک تڑپ ہے جو ہر شخص کو کشاں کشاں اس وادئ غیر ذی زرع کی طرف لیجارہی ہے اور طواف کعبہ کے لئے اس کو بے چین کئے دیتی ہے۔

ادھر فریضہ حج ادا ہوا، ۹/ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کی سعادت سے لوگ بہرہ اندوز ہوئے کہ ۱۰/ذی الحجہ کو یوم نحر آگیا، عیدالاضحیٰ کی صبح طلوع ہوئی اور پورے عالم میں عید قرباں کی آمد کا نہایت گرم جوشی سے استقبال ہوا، ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق نئے لباس کا انتظام کیا، امام عید کے پیچھے دوگانہ شکر ادا کیا، عید کی فضیلت اور اس کی مشروعیت پر امام کا خطبہ سنا، اور بندگی کے اظہار کے لئے اللہ کے نام پر اس نے جانور کی قربانی دی، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت کی پیروی میں اس نے اس یادگار کو دہرایا جو آج سے ہزاروں سال قبل دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ کی شکل میں پیش آئی اور خالق ومخلوق کے درمیان اس مستحکم رشتہ کی آئینہ دار بنی جو بندہ کو اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے، محبت کا یہی وہ رشتہ تھا جس نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ بیٹے کی قربانی کو گوارا کرلیا اور نہ صرف گوارا کرلیا، بلکہ اس نے اس کو ایک بڑی سعادت اور ایک عظیم کامیابی سمجھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پوری زندگی پر آپ نظر ڈالئے تو آپ کو قربانی

کی مثالیں قدم قدم پر نظر آئیں گی، یہ زندگی وہ آئینہ ہے جس میں بندہ کو اپنی سچی تصویر نظر آسکتی ہے، جہاں اسباب ووسائل سے قطع نظر کر کے صرف مسبب الاسباب پر توکل کامل اور یقین کی صحیح مثال موجود ہے، جہاں آگ کے شعلوں میں پورا اطمینان وسکون ہے، ایک بے آب وگیاہ وادی میں جہاں زندگی گزارنے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں ہے، بیوی اور چھوٹے سے بچے کو انتہائی اطمینان وسکون قلب کے ساتھ محض اللہ کے اعتماد پر چھوڑا جاسکتا ہے، بت پرستی کے خلاف دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں سے تن تنہا جنگ کا اعلان کیا جاسکتا ہے، باپ کی شفقتوں سے محض اس لئے محروم ہوا جاسکتا ہے کہ وہ بت پرستی سے باز نہیں آتا۔

اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے پر نظر ڈالیں اور اس وقت کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ پوری دنیا اس وقت اسباب ووسائل کے سامنے سر بسجود تھی، ہر شخص کی زندگی مسبب الاسباب سے ہٹ کر اسباب کے سہارے گزر رہی تھی، یہاں تک کہ اسباب معبود کی شکل اختیار کر گئے تھے اور وسائل ہی کو لوگ قادر مطلق سمجھنے لگے تھے، مادیت، زندگی کی مصنوعی شکلیں اور اس کے مظاہر، یہ وہ چیزیں تھیں جو زندگی پر مسلط ہو چکی تھیں۔

ایسے وقت میں توحید کی ایک آواز اٹھی جس کی صدائے بازگشت سے بحر وبر اور دشت وجبل سب کانپ اٹھے، یہ وہی آوازۂ حق تھا جس کو حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل نے اللہ کے حکم سے بلند کیا تھا اور دنیا کی سب سے عظیم طاقت کو جو اس زمانے میں مادیت کے سہارے جی رہی تھی چیلنج کیا تھا، اور آخر کار وہ عظیم طاقت اس آوازۂ حق کی تاب نہ لاسکی اور اس طرح صفحہ ہستی سے اس کا وجود مٹ گیا جس طرح ریت کی دیوار کو ہوائیں اڑا دیتی ہیں۔

عید الأضحیٰ اسی زندۂ جاوید نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سراپا جہاد زندگی کی ایک یادگار ہے، جس میں ہر وقت اور ہر زمان ومکان کے لئے عبرت کا ایک ایسا مرقع ہے کہ اگر وہ قوموں کے پیش نظر ہو تو دنیا کی ہر طاقت اور بڑی سے بڑی قوت ان کے سامنے سرنگوں

ہو سکتی ہے، اسباب و وسائل پر اعتماد کے خلاف جنگ کا اعلان اس میں ہر ہر قدم پر ہے اور وقت کے ہر نازک مسئلے، زندگی کی ہر پیچیدہ گتھی کا حل اس میں پایا جاتا ہے۔

توحید خالص، اسباب و وسائل کے خلاف جنگ اور توکل علی اللہ کا سچا نمونہ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر نظر ڈالئے، اللہ کی سچی محبت اس کی راہ میں ہر محبوب چیز کی قربانی، وقت کے نعروں اور مادی زندگی کے خلاف آواز اٹھانے اور سچے اصول پر ثابت قدمی اور استقامت کا نمونہ آپ کو اسی زندگی میں نظر آئے گا۔

آج جبکہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی یادگار منانے جا رہے ہیں اور عیدالاضحیٰ کی پُرمسرت تقریب کے موقع پر ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کر رہے ہیں، کتنا ضروری ہے کہ اس عید کے بانی کی زندگی ہمارے سامنے ہو اور ہم ان کی زندگی سے اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے روشنی حاصل کریں۔ کتنا سچ کہا ہے شاعر نے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

☆☆☆

احتساب اور اکتساب

اس ترقی پذیر دنیا میں مادی عقل نے جو بنیادی تبدیلیاں پیدا کردی ہیں، وہ یہ ہیں کہ عقل، فوری طور پر حاصل ہونے والے نفع کی منطق کے تابع ہے، گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) اور عالمگیریت کا نظام بہت سے خلافِ شرع تصرفات اور ایسے امور کا سبب بنا ہے جن کا اخلاقی قدروں سے ذرا بھی واسطہ نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ہی بشری قوتوں اور انسانی وسائل کو استعمال کر کے اقتصادی اور تجارتی میدانوں میں خودسری اور ڈکٹیٹرشپ کا مزاج پیدا کرنے والی بے قابو خواہشات کا بھی باعث ہوا ہے، گلوبلائزیشن کا نظام مادی تہذیب کے پرستاروں، ایک منحرف آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) اور نقطۂ نظر کے حاملین کے مخصوص گروپ ہی کی ذاتی مصالح کی تکمیل کرتا ہے اور اس آئیڈیالوجی سے بہت سے سادہ لوح حضرات جو اسے معتبر گردانتے ہیں دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس وقت اسلامی شناخت مٹانے اور اس کی امتیازی حیثیت ختم کرنے کی زبردست کوششیں جاری ہیں، جسے ایک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں روبہ عمل لاتا ہے، اور ان تربیتی نظاموں اور پروگراموں کو یکسر بدل دینے کی سازشیں کی جارہی ہیں جو کتاب وسنت کی روشنی میں اسلام کو مطلوب ہیں، اور عالمی سطح پر گوناگوں ثقافتی پروگراموں کی بھرمار کرنے والے نعرے دیئے جارہے ہیں وہ معاشرہ کی تشکیل جدید اور اسے پسماندگی، ناخواندگی، محتاجی اور امراض سے نجات دلانے اور ان تمام اقتصادی بحرانوں اجتماعی پریشانیوں اور نسلی امتیازات سے نکلنے کا یقین دلاتے ہیں، تیسری دنیا کے

باشندے آج اس آزمائش سے دوچار ہیں، مگر اس حقیقت سے سب ہی واقف ہیں کہ یہ بلند بانگ نعرے اور زوردار دعوے مادیت پسند مزاج کے مسائل کو حل کرنے اور عالمی کیمپوں کے بحران کو دور کرنے میں کچھ بھی کارگر نہیں ہوسکتے ہیں، بلکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ یہ عالمی مسائل برابر بڑھتے اور پھیلتے ہی جارہے ہیں اور دور تک ان کا کوئی حل یا ان سے گلوخلاصی کی کوئی سبیل نظر نہیں آرہی ہے، وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں پیش کئے جانے والے معاشرتی فارمولوں اور تہذیب جدید کی نئی شکلوں سے حقیقی مسائل کا حل نکالنا نہ صرف یہ کہ بہت مشکل ہے، بلکہ انتہائی ناممکن ہے۔

بہت سے مغرب کے تعلیم یافتہ لوگ بلکہ عوام الناس بھی اس میدان میں مختلف تجربوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جو بھی اجتماعی فکر، اقتصادی اور علمی شکلیں ان کے سامنے رکھی جاتی ہے وہ صرف زبانی جمع خرچ اور خوش آئند باتیں ہی ہوتی ہیں، جو کسی حال میں بھی ذہنی اور روحانی الجھنوں کو دور کر کے روح کو تسکین نہیں دے سکتی ہیں، اس نتیجہ کے بعد ہی سے اسلام اور انسانی تہذیب اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کے لئے اسلامی نظام حیات کے مطالعہ پر توجہ مبذول ہوئی، اور لوگ اسلام کی طرف آنے لگے، مغرب و مشرق میں مختلف جماعتیں اسلامی تربیت کے اصول و افکار کا بنظر غائر مطالعہ کررہی ہیں اور اسلامی عقیدے کو گلے لگانے، ایمان و یقین کے سانچے میں ڈھل جانے اور اسلامی تہذیب کے زیر سایہ رہ کر زندگی گذارنے میں اپنے شوق و رغبت کا اظہار کررہی ہیں۔

آج مغربی انسان، قلبی سکون و اطمینان کی تلاش میں عقیدے اور ایمان کے راستے کی طرف لوٹ رہا ہے، جہاں اُسے اپنی متاعِ گم شدہ کی بازیابی اور اس کو دل کا سکون ملتا ہے اور وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ کی حمد و ثنا کے ترانے گاتا ہے کہ اللہ نے اُسے زندگی کی خوش بختی، حقائق اور اصل مقصد تخلیق کی معرفت کا زریں موقع عنایت فرمایا۔ وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون (ذاریات:۵۶) میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ خداوند قدوس نے اس کو محرومی سے

سعادت کی طرف اور تاریکیوں سے نور کی طرف نکال کر کتنا بہرہ ور فرمایا، خیر وشر، معروف ومنکر کی تمیز دے کر اُسے کس قدر اعزاز بخشا، برائیوں سے نکال کر اچھائیوں کی طرف اور مادیت کی باغیانہ روش سے نکال کر امن وعافیت کے دامن میں لا پہنچایا اور ذکر الٰہی پر اعتماد اور فرائض وواجبات کی ادائیگی کا بہترین موقع عطا فرمایا، وہ موقع زندگی میں خوشگواری، وقت میں برکت وکامیابی اور مصائب وامراض کے ازالہ کا ضامن ہے، اس کی بنیاد پر انسان اپنے رب کا محبوب بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہی اس کا نگراں، محافظ، حامی وناصر ہو جاتا ہے، پھر اُسے نہ کسی قسم کا خوف دامن گیر ہوتا ہے اور نہ غم واندیشہ، نہ پشیمانی اُسے لاحق ہوتی ہے اور نہ اکتاہٹ وآزردگی، یہی نصرت الٰہی اور توفیق ربانی ہے جس سے ہر لمحہ وہ فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔

"إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ألا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون، نحن أولياؤكم في الحياة الدنيا وفي الآخرة"

(حم السجدة:۳۰)

"جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔"

یہی اصل نفع اور اصل مطلوب ومقصود ہے، اہل ایمان کو اسی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ارباب عقل ودانش کو اسی کی طرف لپکنا چاہئے اور جہاں تک فوری نفع اور عارضی دولت کا مسئلہ ہے تو وہ صرف فریب خوردہ ذہنیت اور محروم لوگوں کا مقدر ہے، جن کو خواہشات نفسانی اور اغراض، ہلاکت کے گھر یعنی جہنم کی طرف لئے چلے جا رہے ہیں، جس میں وہ جھلسائے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان کس قدر واضح اور روشن ہے:

"و سيق الذين كفروا الى جهنم زمرا، حتى اذا جاء وها فتحت أبوابها وقال لهم خزنتها ألم ياتكم رسل منكم يتلون عليكم اٰيٰت ربكم وينذرونكم لقاء يومكم هذا، قالوا بلىٰ ولكن حقت كلمة العذاب على الكافرين۔ قيل ادخلوا أبواب جهنم خٰلدين فيها، فبئس مثوى المتكبرين۔(زمر:۷۱۔۷۲)

ترجمہ: ''کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے، اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے، لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہوگیا۔ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہو گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔''

☆☆☆

انسان اپنے کو پہچان!

جب ہم اس وسیع تر دنیا میں اللہ کی افضل ترین مخلوق کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ مخلوق انسان ہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں تخلیقِ انسانی کے مراحل ومنازل کا تذکرہ پورے اختصار واجمال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں: **ثم أنشأناه خلقاً آخر فتبارك الله أحسن الخالقين** (مؤمنون:۱۴) ''پھر ہم نے اس کو دوسری ہی مخلوق بنادیا، وہ کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے'' اگر انسان کائنات کی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ایک امتیازی حیثیت نہ رکھتا، تو اللہ تعالیٰ اس کی اہمیت کو نہ بڑھاتا اور اس کے مقام کو بلند نہ کرتا اور نہ یہ شرط لگاتا کہ وہ اپنی اس عقل سلیم کا صحیح استعمال کرے جس کے ذریعہ خیر وشر، نفع وضرر اور بھلے برے کے درمیان فرق کرسکے، اور اللہ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے، تاکہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوکر زندگی گذار سکے، اور اپنی دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، وہ اپنے مقام ومرتبہ کو پہچانے، اور اپنے رب سے اور انسانوں کے ساتھ اس کا کیسا تعلق ہونا چاہئے، اس سے بھی آگاہ رہے، اور اپنے فرض منصبی کا جائزہ لیتا رہے، وہ اپنی ذمہ داری کا بھی احساس رکھے، پھر یہ کہ اس کے اپنے حقوق وفرائض ہیں جو انسان کی سعادت وکامیابی اور پوری مخلوق پر اس کی برتری کے لئے ثابت شدہ ضمانت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہی وہ انسان ہے جو اپنے رب کریم سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے، یہی وہ بشر ہے جو اپنی خواہشات کو نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی کامل شریعت اور طور وطریق کے تابع بنادیتا ہے۔

انسان کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنی خواہشات کی تابع ہے، اتباع نفس کے مکر وفریب، شیطان کے بہکاوے اور پھندے میں ہے، گویا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی، وہ اپنی حیثیت اور اپنے مرتبہ سے نا آشنا اور نابلد رہا، دنیوی زندگی میں وہ اپنے کردار سے ناواقف ہوا، وہ تو صرف اور صرف اپنی حقیر تمناؤں، برے خیالات اور باطل تصورات، غلط نظریات، بے بنیاد و بے کار مقاصد اور حقیر لذتوں کا شکار بنا، وہ ظلم کے طریقے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، وہ صرف اپنی مفاد پرستی کی خاطر اور اقتدار کی ہوس میں نیز عیش پرستی سے زندگی بسر کرنے کے لئے ہر طرح کے اخلاقی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور انسانی قدروں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

اسلام انسانیت کی اصلاح اور انسان کو نظام تکوینی سے مربوط رکھنے کے لئے آیا، پست معیار سے اعلیٰ اقدار کی طرف نکالنے کے لئے برپا ہوا اور انسانی جرائم اور اخلاقی بیماریوں سے نکال کر اس کو عزت وعظمت کی بلندیوں پر پہنچانے کے لئے ظہور پذیر ہوا، وہ عالمی معاشرہ جو ماقبل اسلام، بے راہ روی کا شکار تھا وہ اسی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے جس کی اصلاح نہ کسی علم سے ممکن تھی، اور نہ کسی تہذیب کے ذریعہ، نہ کوئی طاقتور ملک اس کی اصلاح کرسکا، نہ یہ کسی عظیم الشان شخصیت کے بس میں تھا، اور نہ کوئی عقلی فلسفہ ہی اس پر قادر تھا جو حیوانیت کے گڈھے میں گرے ہوئے اور درندگی کے دلدل میں پھنسے ہوئے بے قیمت و بے وزن انسان کو انسانیت کا اصل مقام دے سکے، یہاں تک کہ سابقہ مذاہب بھی اس کو صحیح رُخ پر لا کھڑا کرنے میں اس کا ساتھ نہ دے سکے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانیت کی تعمیر کرتا ہے، اس کا شیوہ ہے کہ وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے، وہ لوگوں تک بھلائی اور خیر پہنچانے کا پیغام عام کرے، یہی وہ اسلام ہے جس نے انسان کو اس کے بلند مقام ومرتبہ سے روشناس کرایا، زندگی کی تعمیر اور مثالی معاشرہ عطا کرنے میں اس کے عظیم کارنامہ اور کردار کا صحیح تعارف کرایا، اور اس کو ایسے طریقے سکھائے جن کو اختیار کر کے دنیا کو نئی زندگی اور ولولہ عطا ہو، لوگ اس شخص کے اندر موجود بے بہا صلاحیتوں سے فائدہ

اٹھائیں، اور نیک انسانی مقاصد کو بروئے کار لاکر اپنی زندگی کو اسکے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، ان کی شانِ امتیازی محبت وایمان، تواضع وخاکساری، عدل وانصاف اور نصیحت وخیر خواہی ہو، ان میں اللہ کے راستے میں جان ومال کی قربانی پیش کرنا اور ہر قسم کے فضائل ومناقب کی نشر واشاعت بھی شامل ہو۔

اس طرح انسان نے اپنی کھوئی ہوئی قیمت کو پہچانا، اور اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کر کے سعادت وخوش بختی کے درجات کو حاصل کیا جن کی طرف اسلام نے اس کی توجہ مبذول کرائی، اور ان کے ذریعہ زندگی کے رخ کو اس کے تمام معاملات میں شر سے خیر کی طرف، ذلت سے عزت کی طرف، غلو پسندی سے اعتدال پسندی کی طرف اور خرابی وبگاڑ سے توازن وسنجیدگی کی طرف پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بقاء، زندگی کے سکون وقرار، انسانیت کی ہدایت اور اس کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالنے کا فیصلہ فرمادیا ہے، چنانچہ یہ کفر وشرک کی تاریکیوں سے ایمان کی کشادگی ووسعت کی طرف اور جہالت وضلالت کے راستوں سے علم وعمل کی شاہراہ کی طرف ایک عظیم انسانی تبدیلی تھی، اس حقیقت وصداقت کو دیکھ کر اس کی بصارت اور دور اندیشی لوٹ آئی، اب اس پر اسلام کا درخشندہ وتابناک ستارہ جگمگاتا ہے، اس کے سامنے ایمان وفرمانبرداری والی زندگی کی فرمانروائی ہوتی ہے، یہ تو صرف اور صرف خدا کی قدرت کی وہ کاریگری ہے جو اس پر ایسی وسیع تر اور ہمہ گیر زندگی کا مقصد واضح اور روشن کر رہی ہے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ دنیا وآخرت کی کامیابی وسعادت کی ضامن ہے۔

انسان زندگی اور وجود کائنات کے راز کو سمجھ چکا ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق اپنے رب سے، پریشانی وخوشحالی اور فائدہ ونقصان ہر حالت میں جڑا ہوا ہے اور ایمان ویقین کی بنیاد پر قائم ہے، اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ خوش بختی وکامرانی کا راستہ ہر اس شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو اللہ کی عبادت وفرمانبرداری کرنا چاہتا ہے، اور ان تمام ہدایات ونصائح اور تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کو بطریق وحی عطا کی گئی ہیں،

یہیں سے انسان اپنی زندگی کا سفر از سر نو شروع کرتا ہے، اور اس راستہ کو بدل ڈالتا ہے جن کو وہ پہلے بغیر ہدایت کے خواہشات نفسانی اور شیطان کی پیروی میں اپنائے ہوئے تھا، اب وہ ان تمام راہوں کو چھوڑ کر اللہ کے سیدھے راستے کی اتباع کرتا، اور ان عادتوں سے باز آجاتا ہے جنھوں نے اس کو اصل راستہ سے منحرف کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی اخلاق کی تعمیر جدید کے لئے، موجودہ برائیوں کی اصلاح کے لئے اور تاریک دائرۂ حیات اور زندگی کے جملہ شعبوں کو روشنی عطا کرنے کے لئے شریعت کو نازل فرمایا، چنانچہ اللہ کی شریعت دائمی، ابدی اور سرمدی نعمت ہے جو زمانہ کے اسباب و عوامل سے کبھی متاثر نہیں ہوتی، وہ کبھی بھی اپنی شناخت وحیثیت نہیں کھوتی، بلکہ طول مدت کے باوجود بھی ہمیشہ برقرار رہتی ہے، کسی حالت میں اس کا قدم ڈگمگا نہیں سکتا، اور نہ اس کے قدم میں کبھی جنبش پیدا ہوسکتی ہے، اس فطری طریقہ کو اختیار کر کے انسان نفس پرستی اور حقیر زندگی کو چھوڑ کر اتباع حق اور سعادت وعزت والی دائمی زندگی کی طرف لوٹ جاتا ہے، اسی زندگی کے ذریعہ اس نے ایمان کی حلاوت محسوس کی ہے اور تقویٰ کی لذت پائی ہے، نیز انسانیت کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچا، اور اس کا مقام ومرتبہ مخلوق کے مابین بلند ہوا، ارشاد ربانی ہے:

> ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلاً (اسراء:۷۰)
>
> "یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت وشرف کا تاج عطا کیا، اور ان کو خشکی وتری ہر جگہ رزق دئے، نیز اپنی دیگر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔"

انسان نے زمین پر خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، جبکہ فرشتوں نے اس کے اس بڑے عہدہ کی بخشش وعنایت پر نکیر کی تھی، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ تو زمین میں فساد برپا کریں گے، اور خونریزی کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس اعتراض کو مسترد فرمادیا، اور ان سے جواباً یوں عرض کیا "جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے" کیا یہ سب

چیزیں اس بات پر حجت نہیں ہیں کہ انسان کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، وہ پورے عالم کا ایک ایسا عنصر اور فرد ہے جو افراد سازی کے میدان میں معمار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام کا پیغام اور اس کی بنائی ہوئی تہذیب نیز مسائل ومشکلات کا حل نکالنے اور علمی وتہذیبی تبدیلیوں کا سامنا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ودیعت کئے ہوئے علمی اوصاف و شرائط کے اندر غور وفکر سے کام لینے والا شخص اس راز کو ضرور پالے گا، کہ اسلام ہی انسان کا اصل رہنما اور اس کے لئے باطل کی تاریکیوں اور مخالف حالات میں روشنی کا ایک مینار ہے ، یہ کوئی سماجی ومعاشرتی مذہب یا خود ساختہ دینی طریقہ یا سیاسی نظریہ اور اقتصادی فلسفہ نہیں ہے جو صرف مصائب زندگی اور گردش زمانہ سے نکلنے اور نجات دلانے میں انسان کا ساتھ دے سکے، اور اس کو مادی اور اخلاقی گراوٹوں اور انحطاط کے نتیجہ میں درپیش آزمائشوں اور پریشانیوں سے بچا سکے جس نے اسے اصل شاہراہ سے دور رکھ کر مادی زندگی کے سمندر میں غرق کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تہذیب اور قانون فطرت عطا کیا ہے اس کے ذریعہ ہر فساد کی اصلاح، انفرادی واجتماعی زندگی میں ظلم وستم کے خاتمہ اور تمام زمان ومکان میں حیاتِ بشری کی خوش بختی وفلاح اور اس کی سعادت وخوش بختی کی ضمانت حاصل ہے، اگر یہ بلند ترین مقاصد نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ زندگی، کائنات اور انسان کو عطا کی گئی اسلام جیسی نعمت کے بارے میں کوئی اور فیصلہ فرماتے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایک ایسا مکمل دائمی اور ہمہ گیر دین بنا کر بھیجا ہے، جس کے ساتھ جزا وسزا اور حشر ونشر وابستہ ہے، اسی پر عزت وشرافت بھی موقوف ہے، اس میں بھرپور سکون واطمینان مہیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اليوم أكملت لكم دينكم، وأتممت عليكم نعمتي، ورضيت لكم الإسلام ديناً (مائدہ:۳)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔“

یہ سب خصوصیات انسان کے مفاد ونفع کے لئے ہیں جس نے دنیا کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالی ہے، پھر یہ سارے امتیازات ان ابدی وسرمدی ارشادات وفرمودات اور نصائح کی روشنی میں اس کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالنے کے لئے ہیں، جن کا دارومدار کلام اللہ اور حدیث نبوی پر ہے:

لقدكان لكم في رسول الله أسوة حسنة، لمن كان يرجوالله واليوم الآخروذكرالله كثيراً (أحزاب:۲۱)

''تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ویقین رکھے، اور خدا کو خوب یاد کرے)۔''

اب ہمیں اس بات پر یقین کرنے کے لئے ہر طرح کا جواز موجود ہے کہ اسلام در اصل انسان کے لئے انتہائی ضروری عنصر ہے، اسکے بغیر اس کی زندگی ناقص، اس کا معاشرہ بے جان اور اس کی ساری جدوجہد رائگاں ہے۔

معاشرۂ انسانی کی تعمیر میں دل کا کردار

دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہر وقت اپنے دل کو غلط خیالات سے پاک صاف رکھنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، اگر انسان کا دل غلط تصورات اور عیوب ونقائص سے پاک ہوتا ہے تو وہ عین فطرت انسانی کے مطابق کام کرتا ہے اور اس سے کوتاہی اور غلط کام کا ظہور نہیں ہوتا،، اس کی مثال اس صحیح مشین (warking order) سے دی جاتی ہے جس کے تمام کل پرزے برابر کام کرتے رہتے ہیں اور مالک کو ان پر اعتماد ہوتا ہے، اگر یہ مشین یوں ہی چھوڑ دی جائے، اس سے پرانے تیل کو نکال کر نیا تیل نہ ڈالا جائے اور خراب پرزوں کو بدلا نہ جائے تو مالک کو اس سے کم منافع حاصل ہوں گے اور ناگاہ وہ اپنا کام کرنا بھی چھوڑ دے گی، جس کی وجہ سے جملہ سرگرمیاں ٹھپ پڑ جائیں گی۔

دل انسان کے جسم میں طاقت وقوت کا سرچشمہ ہے، رگوں تک خون پہونچانے کا آلہ ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی اپنا کام صحیح ڈھنگ پر انجام دیتا رہتا ہے، اور داخلی امراض سے وہ محفوظ رہتا ہے، دل جس طرح سے انسان کے جسمانی نظام کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح اس کے روحانی نظام کا تعلق بھی دل ہی سے ہوتا ہے، جب دل پاک ہوتا ہے تو انسان کا ہر عمل درست وپاکیزہ ہوتا ہے، اس کے ذریعہ ہر پاکیزہ انسانی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے، یہی دل جب اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہے تو اس کے حامل کو روحانی غذا ملتی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ نرمی کے مقام پر نرمی اور سختی کے مقام پر سختی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

اس کے برعکس ایک گنہگار اور فاجر و فاسق شخص کے دل میں ارتکاب گناہ کے

بعد ذرا کسک پیدا نہیں ہوتی، وہ برے کام میں منہمک ومصروف رہتا ہے، اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نفس کی شیطنت کے درمیان تمیز پیدا نہیں کرتا، وہ گناہ کا اتنا عادی اور رسیا ہو جاتا ہے کہ فطرت بھی اس سے پناہ مانگتی ہے اور وہ شرافت ونجابت، زہد وقناعت اور صلاح وتقویٰ کے لبادہ کو اتار کر پھینک دیتا ہے اور قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے: کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون (سورۂ مطففین:۸۳)

ہرگز ایسا نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگوں کے قلوب پر غفلت ونسیان کا غلبہ تھا، ان پر کفر وشرک کا دبیز زنگ بیٹھ گیا تھا، ایمان وعمل کی کوئی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی، شراب نوشی اور بے حیائی نے وہاں کے باشندوں کو سنجیدگی سے سوچنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا، ان کے نظامہائے حیات بھی اتھل پتھل کے شکار تھے، ان کی زندگی شقاوت وقساوت سے عبارت تھی، ضلالت وگمراہی عام تھی، اور ظلم وزیادتی کا بازار ان کے اندر گرم رہتا تھا، ایسے پر آشوب حالات میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ کے دوشِ ناتواں پر نبوت کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی، اور تعلیم وتربیت، تزکیہ واحسان اور لوگوں کے قلوب کی صفائی کی تاکید فرمائی گئی، غرض یہ کہ نبوت کے چہار گانہ صداقت سے متصف ہونے کو کہا گیا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آيته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين: (آل عمران:۱۶۴)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے ہیں، اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

آج اگر ہم معاشرۂ انسانی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو لوگوں کو فواحش ومنکرات میں مبتلا پاتے ہیں، عیاری، مکاری اور جعل سازی میں وہ اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی مثال

نہیں ملتی، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، ایسے موقع پر حضور اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہمیں یاد آتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ: خبردار! جسم انسانی میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست رہتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے:

درحقیقت قلب ہی انسان کے افکار وخیالات کا سرچشمہ ہے وہ خوشی وناراضگی صلاح وفساد، نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے اور محبت وعداوت کے اظہار کا مرکز ہے، اسی وجہ سے اس کی طہارت ونظافت کا خیال رکھنا، اس کو اطمینان وسکون بہم پہونچانا بے حد ضروری ہے، اس حقیقت سے دنیا کے اکثر انسان نا آشنا ہیں، حتی کہ عالمی فلسفوں اور مختلف تہذیبوں کے متوالے بھی اس سے ناواقف ہیں، انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ تہذیب کی تعمیر وتخریب میں اس کا کیا کردار رہا ہے، اس کردار سے عدم واقفیت ہی نے یورپ کے باشندوں کو دل کا مریض بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے وہاں کثرت سے دل کے دورے پڑتے ہیں، بالآخر وہ اس کی سرجری کرتے ہیں، اور فطری طریقے سے اس کو خون فراہم کرنے کا راستہ بناتے ہیں۔

امراض قلب کے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلب کو تمام بیماریوں سے پاک وصاف رکھا جاسکتا ہے، جو بندہ صدق دل سے اللہ کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے اس کو قلب کی ظاہری وباطنی کوئی بیماری نہیں لاحق ہوتی ہے۔

دینی اعتبار سے قلب ایمان وایقان کا مرکز ہے، وہ کبھی کبھی اخلاقی امراض پر بندش لگانے اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں ہاتھ اور زبان کا نمائندہ ہوتا ہے، اسی طرح جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص برائی دیکھے تو ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان کے ذریعہ اس کو ختم کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا، تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

بعض لوگوں نے صرف یہ سمجھ رکھا ہے کہ دل صرف رگوں تک خون سپلائی کرنے کا آلہ ہے، اسی پر اعتماد کر کے انہوں نے قلب کی فعالیت اور تاثیر سے چشم پوشی کی اور اس کو

صاف وستھرا رکھنے کے وسائل فراہم نہیں کیئے، چنانچہ وہ خسارے میں رہے، دل کو صرف رگوں اور جسم کے پورے حصے میں خون پہونچانے کا آلہ سمجھنا، ذکرواذکار سے اس کو پاک نہ کرنا اور اس کے قائدانہ کردار سے تغافل برتنا یہ سب غیر دانشمندانہ اور غیر اسلامی اعمال ہیں اور اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ تو ذکرواذکار، توجہ وانابت الی اللہ میں مشغول رکھنے کا حکم دیتا ہے، کیونکہ ان کے ذریعہ انسان کو فکری وروحانی غذا ملتی ہے، اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملٓئكة ألاتخافوا ولاتحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون .

(سورہ حمٓ السجدۃ:۳۰)

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو، اور نہ غمناک ہو اور جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اس کی خوشخبری حاصل کرو۔''

قرآن کریم کی اس آیت سے زیادہ قوی کیا کوئی دلیل ہوسکتی ہے کہ جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایمان کے حاملین کے قلوب پر نہ دنیا میں غم کا اثر ہوگا اور نہ آخرت میں وہ پریشان ہوں گے، وہ جنت کی سدابہار ولازوال نعمتوں کے بیچ زندگی گذاریں گے اور ان کو ایسی دائمی زندگی نصیب ہوگی جو کبھی فنا نہیں ہوگی اور ایسی خوشی حاصل ہوگی جس کا اندازہ اس دنیاوی زندگی میں نہیں لگایا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام اطاعت وفرمانبرداری میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے اور معاشرۂ انسانی میں احکام الٰہی کے نفاذ کی ترغیب دیتا ہے اور اس دین قیم کی نشرواشاعت پر مامور کرتا ہے جس کی تمام تر توجہات قلب ہی پر مرکوز ہوتی ہیں، اسلام، اسلامی تہذیب کے ان بنیادی ستونوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم دیتا ہے جو آقائے مدنی ﷺ کی زبانی یوں بیان کیئے گئے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے۔ (۱) کلمۂ طیبہ کی گواہی دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھنا (۵) بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

ان بنیادی احکامات پر عمل کرنے والے افراد ہی قلب سلیم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، وہ زمانہ کا شکوہ نہیں کرتے، بلکہ ایمان کامل کے ہتھیار سے لیس ہوکر زمانہ کا مقابلہ کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں ابوالأنبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسب فیض کرتے ہیں، جن کی زندگی کا ابتدائی مرحلہ شرک پرستی و بت پرستی سے پراگندہ ماحول میں گزرا تھا، لیکن انہوں نے لوگوں تک خدا کا حقیقی پیغام پہونچایا، نامساعد حالات کی پرواہ نہیں کی، بادشاہ وقت نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالے جانے کا جو منصوبہ طے پایا تھا اس سے بھی خوف نہیں کھایا، نہ اس سے دل برداشتہ ہوئے اور نہ شرک سے سمجھوتہ کیا۔ بقول شاعر ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قائدانہ کردار سے بنی نوع انساں کو ایک نیا راستہ دکھایا اور یہ تعلیم دی کہ اگر انسان ایسے ماحول میں ہو جہاں شرک و بت پرستی عام ہو، مجاورین اور پروہتوں کی کثرت ہو، اور حالات صحیح رخ اختیار نہ کرسکے ہوں، اسلام دشمن طاقتیں برسرِ پیکار ہوں تو گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں، بلکہ اپنے قلب کے اندر ایمان کی شمع روشن کر کے دعوتی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی ضرورت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا، کیونکہ وہ وسیع دماغ کے مالک تھے، قلب سلیم جیسی عظیم نعمت ان کو حاصل تھی، امن وامان اور چین وسکون کے ساتھ زندگی بسر کررہے تھے، ان پر رحمت کی گھٹائیں چھائی رہیں، ہر طرف سے خدا کا تحفظ حاصل رہا، وہ خدا کے فرمانبردار، کلمۂ توحید کو بلند کرنے والے اور عظیم داعی الی اللہ تھے، بالآخر طاغوتی طاقتوں کا سر نیچا ہوا۔ حق کا بول بالا ہوا، ایمان کامل اور قلب سلیم جیسے ہتھیار نے اپنا کام کر دکھایا۔

اس وقت ہمیں بھی حالات حاضرہ کے پیش نظر اپنے دل ودماغ کی صلاحیتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کر کے معاشرہ کی اصلاح میں تعمیری کردار ادا کرنے کی بے حد ضرورت ہے، تاکہ دنیا سے شر وفساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور لوگ فطرت کے مطابق زندگی بسر کریں۔

اسلامی اصول ہی موجودہ مسائل کا حل ☆

سابقہ ادوار میں یورپ اور تہذیب جدید کے متوالوں نے اسلام کے خلاف جو منصوبہ بند سازش کی تھی، اس کو کامیاب بنانے کے لئے ان کی سرگرمیاں کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں ہیں، عرصۂ دراز تک معاشرۂ انسانی انہیں کے نقش قدم پر رواں دواں تھا جس کی وجہ سے اسے قدم بہ قدم ذلت وپستی اور شقاوت و بدبختی کا سامنا کرنا پڑا، تہذیب جدید کی ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کی انتھک کوششیں صدا بصحرا اور شجر بے ثمر ثابت ہوں گی اور وہ فائز المرام نہیں ہوسکیں گے، چنانچہ سائنس وٹکنالوجی کے راستے سے انہوں نے معاشرۂ اسلامی پر یلغار کی، اور ارکان اسلام کو منہدم کرنے کے لئے عسکری طریقے استعمال کئے اور حق کے جویا اور اس کو تلاش کرنے والوں کی راہ میں سدِ سکندری اور آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے، یہ حقیقت ہے کہ اعدائے اسلام نے جب بھی اس طرح کی سازشیں کیں تو پہلے مرحلے میں لوگ ان کے اسیر ہوگئے، اور ظاہری آرائش وزیبائش کے دامِ فریب میں آگئے، لیکن جب انہیں اس تہذیب کے کھوکھلے پن کا علم ہوا تو انہیں ایسے نظام حیات کی تلاش کی فکر دامن گیر ہوئی جس میں انہیں ذہنی اطمینان وسکون حاصل ہو، ان کی زندگی پُرمسرت ہو اور زندگی کی چول بیٹھ جائے۔

اہل یورپ نے ایک عرصہ تک مادی تہذیب کو نظامِ حیات کے طور پر اختیار کر کے

☆ یہ مضمون نائن الیون کے بعد ۲۰۰۲ء میں تحریر کیا گیا اور ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ ترجمان ''تعمیر حیات'' کے شمارہ ۱۰ ؍ مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع بھی ہوا۔

زندگی بسر کی، جس نے ان کے اندر بے شمار مسائل پیدا کردئے، ان مسائل نے انہیں اتنا بے چین کیا کہ ان کی رات کی نیند حرام اور دن کا آرام غارت ہو کر رہ گیا، اور زندگی کا اصل سکون و چین جاتا رہا، اور اس کی لذت و لطافت ان سے چھن کر رہ گئی، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ بلکہ ظاہر پرست افراد انہیں حالات سے دوچار ہوتے ہیں، ظاہری تراش وخراش، چمک دمک اور آرائش وزیبائش انہیں قلبی سکون نہیں بخشتی، بالکل یہی صورتحال تھی، لوگ مسائل میں گھرے ہوئے تھے، انہیں اس کی بھی اطلاع نہیں تھی کہ دنیا میں ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو انسان کو عقلی وفکری غلامی سے آزاد کرتا ہے، جسمانی اعصاب کو سکون فراہم کرتا ہے، اور فطرت انسانی کے ساتھ ہم آہنگ رہتا ہے، اس حقیقت سے ان کی عدم واقفیت کی یہی وجہ تھی کہ مادی تہذیب کے دلدادہ بالخصوص قائدین یورپ نے اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر ان کے سامنے پیش کی تھی وہ بہت ڈراؤنی اور خوفناک تھی، انہوں نے لوگوں کو یہ باور کرایا تھا کہ اسلام ایک غیر انسانی نظامِ حیات ہے، اس کے علمبردار دہشت گرد ہوتے ہیں جو ہمہ وقت اپنی آستینوں میں چھری اور خنجر چھپائے رہتے ہیں، جب انہیں موقع ہاتھ آتا ہے تو وہ اپنی درندگی اور قساوت قلبی کا علانیہ مظاہرہ کرتے ہیں، لوٹ کھسوٹ، توڑ پھوڑ، ظلم وزیادتی تو ان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان پروپیگنڈوں اور غلط الزامات ہی نے خود حقیقت سے پردہ اٹھایا، چنانچہ ان کی کمزور بنیادیں خود بخود منہدم ہوگئیں اور مطالعۂ اسلام کا ایک عام رجحان پیدا ہوا، لوگوں نے عملی طور پر اس کے طریقہائے حیات کا تجربہ کیا، بالآخر انہیں معلوم ہوا کہ یہ الزامات مخالفین اسلام کی اسلام دشمنی کا نتیجہ تھے، مذہب اسلام تو امن وسلامتی، صلح وآشتی اور احترام انسانیت کا داعی ہے، دہشت گردی، قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد پروری سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی تجارتی ادارے ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگن پر حملے ہوئے تو بے گناہ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے، پوری دنیا پر سکوت چھا گیا، ریاستہائے متحدہ امریکہ پر ایک لرزہ طاری ہوگیا، اور وہاں کے باشندوں میں خوف ودہشت سما گیا، سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں

تفوق و برتری ثابت کرنے والے افراد بھی سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے، صورت حال بہت پر خطر تھی، یہودیوں اور عیسائیوں کے حواس باختہ ہو چکے تھے، لیکن مذہب اسلام کے حاملین اسلام کے سایہ تلے اطمینان وسکون کی سانس لے رہے تھے، وہ راحت و آرام کے ساتھ اپنی کشتی حیات کو آگے بڑھا رہے تھے، چنانچہ اس صورتِ حال نے دشمنانِ اسلام کو از سرِ نو غور کرنے پر آمادہ کیا اور وہ مطالعہ اسلام پر مجبور ہوئے، جب انہوں نے اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کا مطالعہ شروع کیا تو ان کے سامنے اسلام اور دیگر ادیان کا فرق واضح طور پر سامنے آ گیا، اور انہوں نے بے ساختہ اسلام کی صداقت وحقانیت کا اعتراف کیا، صرف اعتراف ہی نہیں بلکہ بڑی تعداد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے، بعض موصولہ رپورٹوں کے مطابق حالیہ طالبین حق کی تعداد وہم وگمان اور ظن وتخمین سے بہت زیادہ ہو چکی ہے، اہل یورپ کے مطالعۂ اسلام کے شغف وانہماک کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی اسلامی بک اسٹال سے بہت ہی قلیل مدت میں اسلامی کتابیں ختم ہو گئیں، اور مزید کتابوں کی تلاش جاری ہے، خوش آئند بات یہ ہے کہ متعدد اسلامی تنظیمیں نو مسلموں کو حقیقتِ اسلام اور اس کے اصول ومبادی سے واقف کرانے کی خاطر کافی تعداد میں اسلامی کتابیں تقسیم کر رہی ہیں۔ علاوہ ازیں داعیانِ اسلام بھی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لئے سرگرم ہیں۔

حالیہ خوش کن خبروں میں ایک اہم خبر یہ ہے کہ ابھی برطانوی وزیر خارجہ "جاک اسٹرا" کا آکسفورڈ یونیورسٹی کے ریسرچ اسلامک سینٹر میں محاضرہ ہوا جس میں انہوں نے بتایا کہ اسلام اور عالم اسلام دونوں قابلِ احترام ہیں، جملہ ادیان و مذاہب پر اسلام کو تفوق و برتری حاصل ہے، وزیر خارجہ نے مزید کہا کہ یورپ کی حالیہ ترقی مسلمانوں کے اسلامی ثقافت کی دین ہے، جب مسلمان عروج وارتقاء کے منازل طے کر رہے تھے، اسپین ان کے زیر نگیں تھا تو اس وقت یورپ نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا، علم وثقافت، سائنس وٹیکنالوجی اور دیگر علوم وفنون کے میدان میں انہیں کے چشمے سے سیرابی حاصل کی اور اپنی تشنگی بجھائی۔

اگر ہم سابقہ ادوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس سے قبل بھی کئی ذی حیثیت افراد نے اسلامی تہذیب کی فعالیت واثر پذیری اور اس کے قائدانہ

کردار، نیز اس کی اہمیت وافادیت کا کھلے لفظوں میں اکثر مواقع پر اعتراف کیا ہے، یہ بھی حقیقت کی ایک بین دلیل ہے: والفضل ماشهدت به الأعداء حق بات وہی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔

ذیل میں کویت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ جریدہ ''المجتمع'' کے حوالے سے برطانوی وزیر خارجہ ''جاک اسٹرا'' (Jauck Straw) کے بعض اعترافات منقول ہیں، وزیر خارجہ نے کہا کہ ''اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی زندگی کے جملہ شعبہ جات خواہ وہ ماضی سے متعلق ہوں یا حال سے، ہر ایک کی تشکیل جدید کرتا ہے برطانیہ اور یورپ کی تہذیب جدید میں عالمِ اسلام کا حصہ وافر موجود ہے اور عالمِ اسلام تاریخی طور پر علم کے مراکز اور حکمت وعمل کے سینٹروں کی وجہ سے مشہور ومعروف ہے، اسلام بنی نوع انساں کے مابین مساوات وبرابری کا قائل ہے، وزیر خارجہ نے سیکولرازم اور نامذہبیت پر زبردست تنقید کی، اور اسلام پسندوں کی خدمات کو سراہا بھی، انہوں نے کہا کہ سیکولر طاقتیں ہی آج پوری دنیا میں جابرانہ وقاہرانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، لیکن اہل یورپ اس ناسور سے غافل وبے پرواہیں''۔

یہ تھے برطانوی وزیر خاجہ کے اسلام کے متعلق اعترافات، اس وجہ سے بھی ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ہی یورپ کے درپیش مسائل کا حل پیش کرسکتا ہے، آج یورپ میں جو فکری اور روحانی بحران ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے افراد مستقبل کے بارے مایوس نظر آرہے ہیں اور ایسے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، جن سے آزادی حاصل کرنا بہت مشکل ہے، اگر وہ اسلام اور اسلامی اصول کو اصل قائد ورہنما مان کر اپنی زندگی کے مراحل طے کریں گے، تو ان کا مستقبل بحال ہوگا، اور انہیں زندگی کا اصل لطف نصیب ہوگا، اور ایک ایسا عالمی نظام وجود میں آئے گا جو دوسروں کے مال کو ہڑپ کرنے کے بجائے ان کو تحفظ اور امن وسلامتی فراہم کرے گا، اور اس سے ان کی زندگی کی چول بیٹھ جائے گی، اور ایک روشن مستقبل ان کے سامنے ہوگا۔

معاشرہ کی تعمیر میں اسلامی تہذیب کا قائدانہ کردار

روئے زمین کے اکثر باشندے سائنس وٹکنالوجی کے اس دور میں زندگی اور معاشرۂ انسانی کی ترقی کے لئے مغربی تہذیب کو اصل قائد ورہنما تصور کر بیٹھے ہیں، تہذیب حاضر کے متوالوں کا یہ تصور اس سے ان کی گہری دلچسپی کی طرف اشارہ کر رہا ہے، اس کے اکرام واحترام کے وہ اسی طرح قائل ہو چکے ہیں، جس طرح انہوں نے خاک و وطن، رنگ ونسل کو مقدس سمجھ رکھا ہے، اہل یورپ نے تو مختلف قدیم ثقافتوں کو مقدس سمجھا، اسے اپنی زندگی میں برتا اور سائنسی وفکری میدانوں میں ناکام مغربی اقوام وملل کے نمائندے اس کے شانہ بہ شانہ چلے، اوراس کی نافعیت کی ایسی صدا لگائی جس کی صدائے بازگشت دنیا کے چپہ چپہ میں سنی گئی، اور بطور دلیل خود ساختہ تاریخی واقعات کو پیش کیا، یہ عمل اس وقت سے بحسن وخوبی انجام پانے لگا، جب یورپ اپنی گہری نیند سے بیدار ہوا، اور بالخصوص جب یورپ نے اسپین میں مسلمانوں کے علمی سرمایہ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی پر اسلامی کلچر وثقافت کا بغور مطالعہ کیا تو اس کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، ارسطو کے دور کے متروک علمی سرمایہ کے ضائع ہونے پر انہیں افسوس نہیں ہوا، اور وہ اپنی غفلت وکوتاہی پر ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوئے، آج یورپ جو علمی ترقی میں فوقیت وبرتری رکھتا ہے وہ سب اسلامی تہذیب ہی کی دین ہے۔

اسلامی تہذیب ایک عطیۂ ربانی ہے جو فطرت انسانی کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہے اور اس میں انسانیت کی کامیابی کا راز پنہاں ہے، اور زندگی کے مادی، روحانی، علمی، فکری،

معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں پر مشتمل ہے، اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کے توسط سے انسانوں کو اس سے نوازا ہے، خلافت ارضی کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"و إذ قال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة ، قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء، ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك، قال إني أعلم مالا تعلمون ، وعلم آدم الأسمآء كلها ثم عرضهم على الملا ئكة فقال أنبئوني بأسماء هولآء إن كنتم صادقين "(سورہ بقرہ: ۳۰)

ترجمہ: ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ ضرور بناؤں گا، فرشتے کہنے لگے آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو فساد کریں گے اور خونریزی کریں گے، حالانکہ ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں اور آپ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا: میں اُس بات کو جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم دیا، پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کردیں اور فرمایا: بتلاؤ مجھے ان کے اسماء اگر تم سچے ہو۔''

بلاشبہ علم ومعرفت کے تعلق سے اللہ رب العزت اور ملائکہ کے درمیان کی گفتگو خدائی تہذیب کی پہلی اساس ہے، انسان اسی خدائی تہذیب کا حاجت مند ہے اور کائنات اور انسانی زندگی کا راز اس میں مضمر ہے اور انسانیت کی نجات بھی اس پر موقوف ہے، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ علم ہی تہذیب کی بنیاد اور اس کی جڑ ہے اور معاشرہ کی تعمیر میں خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے، اسی وجہ سے اسلام نے علم کے مقام کو بہت بلند کیا ہے اور اس کے حصول کے لئے تمام ممکن الحصول وسائل اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو علم کی اہمیت پر زور دیا گیا اور اس کی وضاحت بھی کی گئی کہ تہذیب کا تکملہ تعلیم وتربیت ہے۔

علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ ۔

(۱) فرض عین وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا انسان پر ضروری ہے، اس کی چند قسمیں ہیں:

(۱) پانچ چیزوں پر ایمان لانے کا علم جیسے اللہ پر ایمان لانا، فرشتوں، رسولوں، نازل شدہ کتابوں اور روز جزاء پر ایمان لانا، جو شخص ان پانچ چیزوں پر ایمان نہیں لاتا ہے وہ مؤمن نہیں کہلائے گا۔

(۲) اسلامی قوانین اور آداب وضوابط کا جاننا جیسے وضو کرنے کا طریقہ معلوم ہونا، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے شرائط سے واقف ہونا۔

(۳) شریعت اسلامیہ میں جو پانچ چیزیں حرام ہیں ان کا علم ہونا۔

ان پانچ چیزوں کو قرآنی آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها ومابطن ، والإثم والبغي بغير الحق، وأن تشركوا بالله مالم ينزل به سلطانا وأن تقولواعلى الله مالا تعلمون (سورہ اعراف:۳۳)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) فرمادیجئے! میرے رب نے تمام فحش باتوں کو حرام کیا ہے ان میں جو اعلانیہ ہوں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہوں وہ بھی، اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگادو جس کی تم سند نہ رکھو۔''

(۴) معاشرتی اور اقتصادی مسائل کا علم ہونا۔

(۲) فرض کفایہ وہ ہے جس کا حاصل کرنا سب پر ضروری نہیں، بلکہ اگر اس کو چند افراد حاصل کرلیں تو دوسرے لوگوں سے ساقط ہوجاتا ہے، اور وہ یہ ہے جس سے قوم کی زندگی کی مادی ترقی وابستہ ہو، جیسے ڈاکٹری، ریاضیات، انجینئرنگ، زمین کی پیمائش، کاشتکاری، بُنائی، لوہاری، فنکاری، تجارت اور اس کے علاوہ دیگر علوم ہیں، امت کی ایک جماعت کو ان کے

حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینی چاہئے، تا کہ قوم کی اقتصادی و معاشی صورت حال مستحکم ہو، اور دوسری قوموں سے معاملاتی تعلقات استوار ہو سکیں۔

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ فرض عین کے تحت عبادات، اخلاقیات اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب جیسے مسائل آتے ہیں، اور یہ اعمال انسان کی ذاتی شخصیت سے متعلق ہیں، جہاں تک فرض کفایہ کا تعلق ہے تو اس کے تحت امن وامان کے قیام، لوگوں کے مابین صلح وصفائی کا اہتمام، عہدے اور مناصب کی انجام دہی اور ایسے علوم میں مہارت وکمال اور کاریگری داخل ہے جس سے قوم وملت بآسانی عروج پر پہنچے اور دنیا کے تمام باشندے چین وسکون کی ٹھنڈی سانس لے سکیں، اسی وجہ سے فرض کفایہ کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "جب قوم کے کچھ افراد اس کو انجام دے دیں تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو معاشرہ ان علمی عناصر سے تشکیل پائے گا وہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوگا، ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا، امن وامان کی فضا پیدا ہوگی، نیک بختی اور خیر وسلامتی کا دور دورہ ہوگا، لوگوں کے تعلقات ایک دوسرے سے مستحکم ہوں گے، باہم الفت ومحبت اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوگا اور خدائے وحدہ لاشریک سے لوگوں کا تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا، ہدایت کے راستے کھلتے چلے جائیں گے اور انسان اپنے جملہ اعمال میں اللہ ہی سے لو لگائے گا، اسی کو مشکل کشا اور خالق ورازق سمجھے گا، اخلاقی اور معاشرتی امراض سے پاک وصاف ہوگا اور ظلم وزیادتی اور حق تلفی سے اس کو غایت درجہ نفرت ہوگی۔

اس وقت لوگوں کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ یہ تہذیب وثقافت انسانی حقوق کی پاسداری کی داعی ہے، حقوق اللہ کی بجا آوری پر ابھارنے والی ہے، ظلم وتشدد، بے گناہوں کے ساتھ قتل وغارت گری اور انسانی معاشرے میں شر وفساد کی تخم ریزی کی شدید مخالف ہے، اس تہذیب کی فطرت تعمیر ہے تخریب نہیں، محبت ہے عداوت نہیں، انصاف پسندی ہے ناانصافی نہیں، اس کے بالمقابل دنیا کی مادی تہذیبیں اور موقع پرستی پر مبنی نظریات وغیرہ

سب قابل مذمت ہیں، کیونکہ ان نظریات میں انسانی منافع ومصالح کی پاسداری کا ذرا بھی لحاظ نہیں، ان میں اعتدال وتوازن مفقود ہے، غم خواری اور رحم وکرم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

آقائے مدنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے معاشرہ کی تعمیر کی مثال اپنے علم وحکمت اور نور وہدایت سے دی تھی اور کہا تھا کہ ''اللہ رب العزت نے جو علم وہنر اور نور وہدایت مجھے دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس بارش کے پانی کی طرح ہے جو کسی زمین پر خوب خوب برسا، اس زمین کا ایک حصہ زرخیز اور شاداب تھا تو پانی اندر جذب ہو گیا جس سے پوری زمین سرسبزی سے لہلہا اٹھی، اور دوسرا حصہ خشک اور بہت سخت تھا جس نے پانی ذرا بھی جذب نہیں کیا، سطح زمین پر وہ پانی باقی رہا، لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، اپنے مویشیوں اور چوپاؤں کو خوب پلایا اور پھر اس سے آبپاشی بھی کی، تیسرا حصہ وہ تھا جس نے پانی ذرا بھی نہیں جذب کیا، بلکہ یوں ہی ضائع ہو گیا، پہلی اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری تعلیمات سے فائدہ اٹھایا، خود عمل کیا اور دوسروں کو عمل کی ترغیب بھی دی، اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری تعلیمات کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں دی اور جس ہدایت کو لے کر میں مبعوث کیا گیا ہوں اس کو قبول نہیں کیا''۔

اسلامی معاشرہ ایمان وعمل کے بہترین امتزاج کا معاشرہ ہے، جسم وروح کے اجتماع کا معاشرہ ہے، دین ودنیا کی نیکیوں سے نوازنے والا معاشرہ ہے، اس میں زندگی کے جملہ شعبہ جات کا حل موجود ہے، سختی ونرمی، راحت وآسانی، خوشحالی وپریشانی، صلح وآشتی، جنگ وجدال اور معرکہ آرائی، فقر ومحتاجی اور دولت ومالداری، غرض یہ کہ ہر درد کا درماں اور ہر زہر کا تریاق اسی اسلامی تہذیب میں موجود ہے۔ اس لئے یہ تہذیب ایک نمونہ والی تہذیب ہے اور تا قیامت رہے گی، ایسا اس وجہ سے کہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله (روم:۳۰)

''یہ اللہ کی تخلیق کردہ فطرت ہے، جس پر اس نے لوگوں کو وجود بخشا ہے، اور اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہی معاشرہ کی تعمیر میں قائدانہ کردار ادا کرسکتی ہے، کیونکہ اس کی سرحد علم وایمان سے ملتی ہے، اخلاقی قدریں اس کے ماتحت ہیں اور ہر زمان ومکان کے ساتھ ہم آہنگ اور سیدھے راستہ کی رہنمائی اسی میں ہے۔

وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله، ذلكم وصاكم به لعلكم تتقون

(سورۂ انعام:۱۵۳)

ترجمہ: ''اور یہ کہ میرا اسیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا، (ان پر چل کر) خدا کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔''

☆☆☆

اسلام امن وسلامتی کا مذہب

دعوتِ اسلامی سابقہ ادوار میں مختلف مراحل سے گذری، کثرت سے نشیب وفراز سے دوچار ہوئی، بادِمخالف نے کئی بار اسے روکنے کی ناپاک کوشش کی، لیکن بقول شاعر:

روکے طلوعِ صبح یہ کس کی مجال ہے
خود رات کہہ رہی ہے کہ ہونے کو ہے صبح

حق تعالیٰ شانہ نے ہر دور میں اسلام کی حقانیت وصداقت کو واضح کرنے کے لئے چند جاں فروشوں کو دنیا میں بھیجا جنہوں نے کھرے کھوٹے کا فرق واضح کیا، رطب ویابس میں تمیز پیدا کی، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں از سرِ نو اسلامی بیداری کی لہر دکھائی دینے لگی، یاس وقنوطیت میں زندگی بسر کرنے والوں کے دل کی کھیتی لہلہا اٹھی، اور پوری دنیا اسلامی نہج اور نظام زندگی کو قبول کرنے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

اس اسلامی بیداری اور قبول اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان کا اثر یہ ہوا کہ پوری دنیا بالخصوص یورپ وامریکہ کے ملحدوں نے مذہب اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور اسکے ارکان وعبادات سے گہری واقفیت حاصل کی، بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ اسلام ہی انسانیت کو شقاوت وتیرہ بختی سے نکالنے کا ضامن ہے، دیگر ادیان ومذاہب کے اندر یہ صلاحیت مفقود ہے، چنانچہ وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، لیکن جب اہل یورپ کے خودساختہ نظریات کی ناکامی سامنے آئی، اور روشن خیال انسان بھی اپنے افکار کی دنیا میں صحیح سمت سفر نہ کرسکا، اور اسے اپنے نفع ونقصان کا احساس بھی جاتا رہا، تو اس وقت

قبول اسلام کا یہ رجحان تیز تر ہو گیا۔

جب اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں کثرت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے ،مدارس ومساجد کا قیام عمل میں آنے لگا، گرجا گھروں کو اسلامی عبادت گاہوں کی شکل دی جانے لگی ،نئی نسل کی تعلیم وتربیت اوران کے ایمان کی حفاظت کے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے تو رہنمایان یورپ اور مادی تہذیب کے علم برداروں کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ ''قدامت پرست'' افراد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے تو عالمی قیادت کی لگام ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور ایسے افراد کے ہاتھوں پہونچ جائے گی جو ہماری چودھراہٹ اور سیادت وقیادت کے لئے خطرہ کا باعث ہوں گے،اقبال علیہ الرحمۃ کی زبانی ان کا یہ دعوی ہے کہ ؎

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے،ابتک شرار آرزو

چنانچہ جب اس خوف نے ان کو حد سے زیادہ پریشان کیا تو وہ اسلامی دعوت کی راہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ،اور نوع بنوع کی شرانگیزیاں شروع کر دیں،انہوں نے اپنی ناپاک سازشوں کے ذریعہ یہ طے کیا کہ اسلام کو فقط دینی اعداد وشمار والے خانہ میں رکھ دیا جائے ،اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ جمہوریت ہی یورپ کی جڑ اور بنیاد ہے، اور یہاں کے ہر فرد کو آزادیٔ رائے حاصل ہے،انہوں نے اس کو عملی شکل دینے کے سلسلہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ،لیکن ان کی یہ ریشہ دوانیاں صدا بصحرا ثابت ہوئیں، اور جب نو مسلموں کے ذہن ودماغ میں اسلامی عقیدہ کی حقیقت وصداقت راسخ ہو گئی،تو ان کا ایمان مثالی اور قابل نمونہ بن ہو گیا، ایک لمحہ کے لئے بھی انہوں نے دینی فرائض سے دستبردار ہونا گوارا نہیں کیا،جبکہ اعدائے اسلام کی یہ سازش عالمی وآفاقی ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی تھی ،وہ اس کو ایسی خفیہ حکمت عملی سے انجام دے رہے تھے کہ کسی کو یہ احساس تک بھی نہ ہو کہ اس کے پسِ پشت شجر اسلام کی بیخ کنی ہے،اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے کافی غور وخوض کے بعد دہشت گردی کی اصطلاح نکالی، یورپ میں قیامت

صغریٰ کا جو منظر نامہ سامنے آیا، (۱) اس سے پوری دنیا واقف ہے، اور وہ قرآن کی اس آیت کا مصداق بھی ہے جس کی حقیقت کچھ یوں بیان کی گئی ہے ارشاد باری ہے:

یوم تذهل کل مرضعة عما أرضعت ، وتضع کل ذات حمل حملها، وتری الناس سکاری، وماهم بسکاری ، ولکن عذاب الله شدید (سورۂ حج:۲)

''جس روز تم اس زلزلے کو دیکھو گے، اس روز تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائیں گی، اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (پورے دن ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی، اور اے مخاطب تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ واقعی نشہ میں نہ ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔''

یورپ میں اس واقعہ کے پیش آتے ہی قائدین یورپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس حملہ کا مجرم بتایا اور اسکے انصاف پسند قائد کو دہشت گرد ثابت کیا جبکہ اسکے ایک ہاتھ میں جامِ شریعت ہے تو دوسرے ہاتھ میں سندانِ عشق، اور جو اپنے ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا خواہاں ہے، چنانچہ رہبران یورپ نے محض قیاس آرائیوں پر اعتماد کر کے اور دہشت گردی کے خاتمہ کا لیبل لگا کر اس ملک کے خلاف کارروائی کرنی شروع کر دی اور تمام عسکری طور وطریق استعمال کیے، اور ایک اسلام پسند حکومت کے باشندوں کے خلاف ظالمانہ کاروائیاں جاری رکھیں، ان کا جرم جیسا کہ گذر چکا صرف یہ تھا کہ وہ عالمی پیمانہ پر شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتے تھے اور وہ ظالم وجابر حکمرانوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، ان کا مقصد بلند صرف یہ تھا کہ اسلام کا نظام امن وسلامتی پوری دنیا میں رائج ہو، لوگوں کے دلوں سے ظلم وتشدد کا خوف جاتا رہے، اور پوری دنیا پرچم اسلام کے تلے چین وسکون کی ٹھنڈی سانس لے سکے، آج کے اس ناگفتہ بہ اور نازک حالات میں اگر امید کی کوئی کرن پھوٹتی دکھائی دیتی ہے تو وہ آفتابِ اسلام کی کارفرمائی کا مظہر ہے جو ضلالت وجہالت کے

(۱) اشارہ ہے ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی عمارت پر حملہ کی طرف۔

اس گھٹاٹوپ ماحول میں شمع اسلام کو جلا کر ''بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیل رہبانی'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔

اسلام کے خلاف اعداء اسلام کا کوئی مقصد اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ اسلام کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا جائے، قبولِ اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان پر آہنی دیوار کھڑی کر دی جائے، اس طرح ہدایت کے جویا اور اس کی تلاش میں سرگرداں افراد کا تناسب اتنا کم ہو جائے کہ وہ معدوم سے ہو جائیں، یہی وجہ ہے کہ امریکی صدر جارج بش نے ان اذیت رساں حملوں کو صلیبی جنگ قرار دیا ہے، اور پورے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ آثار وقرائن اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ جنگ بہت طویل ہوگی، اور اسی وقت ختم ہوگی جب اس نام نہاد ''اسلامی'' حکومتوں کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے، صرف پسپائی اور ہزیمت، ہتھیار ڈالنے اور اپنے موقف کو بدل کر پیش کرنے سے یہ جنگ ختم نہیں ہوگی۔

الأخوان المسلمون کے سابق قائد ورہنما شیخ مصطفیٰ مشہور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

> ''یہ نئی خوفناک جنگ بدترین سامراجی شکل میں رونما ہوئی، جس نے مسلم ممالک کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا، اور ان کی سرزمین میں اپنا ناپاک تسلط قائم کرنا چاہا، مسلمانوں کے عقیدہ کو زک پہونچانے، ان کے افکار کو بدلنے، ماتحتی اور غلامی کے بیج بونے کے لئے مختلف قسم کے حربے استعمال کئے، لیکن مسلمانوں بالخصوص اہل عرب نے کبھی کسی کی ماتحتی قبول نہیں کی، اور دین ومذہب، عزت وآبرو اور اپنی غیر معمولی شرافت ونجابت کے بارے میں حقارت وذلت کو انگیز نہیں کیا، اور اسلام کے ہر دشمن کو زیر کرنے، اس کی طاقت کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، زندگی کے تمام شعبوں میں آزادیٔ رائے اور آزادیٔ فکر کی بحالی کی خاطر تن من دھن کی بازی لگا دی، اور اس میں رنگ ونسل، ذات پات، چھوٹے بڑے، اور

کالے گورے کا ذرہ برابر بھی فرق نہیں کیا''(۱)

معاشرہ میں امن وسلامتی کی اشاعت، الفت ومحبت کو پھیلانے اور بغیر کسی فرق وامتیاز کے اخلاقی اقدار اور اعلیٰ نمونوں کو عام کرنے اور بیشمار خصائص وامتیازات کو اپنانے میں اسلام کے قائدانہ کردار سے تاریخ بھری پڑی ہے، اور دنیا سے اسلام کا گوشۂ جودوکرم اور عزت وشرافت بھی مخفی نہیں ہے، بلکہ ہر کس وناکس کے سامنے اس طرح عیاں ہے جیسے روشن سورج اور چمکتا چاند ہوتا ہے، وہ اس بات کا غماز ہے کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں، سب سے بڑا دہشت گردوہ امریکہ ہے جس نے مختلف مقامات پر جاں سوزی اور قتل وغارتگری کا طوفان برپا کرر کھا ہے، اور اس نے دہشت گردی کے خاتمہ کا جو پُرفریب لباس پہن رکھا ہے وہ اس کی سیاسی بازیگری کا نتیجہ ہے، اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایسا ذریعہ ہے، جو ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مرادف ہے، جبکہ یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ حالیہ حملوں کا خاص مقصد اسلام اور مسلمانوں کا روئے زمین سے خاتمہ ہے، جن کا جرم قرآن کی زبانی یہ ہے کہ:

ومـا نـقموا منهم إلا أن يؤمنوا بالله العزيز الحميد، الذي له ملك السموات والأرض ،والله على كل شئي شهيد.

(بروج:۸۔۹)۔

''یہ لوگ مسلمانوں کے کسی اور گناہ کا بدلہ نہیں لے رہے تھے، سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب لائق حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے، جس کے لئے آسمان وزمین کی ملکیت ہے اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔''

اللہ تعالی نے اپنی کتاب مقدس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور جب تک یہ کتاب باقی رہے گی، اسلام کا سورج چمکتا رہے گا اور چاردانگ عالم میں کلمۂ اسلام کا بول بالا ہوتا رہے گا، اور اس کو کوئی مادی طاقت روک نہیں سکتی۔

☆☆☆

---

(۱) رسالۃ الاخوان شمارہ: ۲۵۱- رجب ۱۴۲۲ھ

اسلام اور امنِ عالم

موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے، انسانی معاشرہ میں مختلف قسم کے علوم وفنون رائج ہیں۔ اس میں تہذیبوں اور ثقافتوں کی کثرت ہے، زندگی زبردست انقلابات کا محور بن گئی ہے۔ ذرائع ابلاغ نے تو غیر معمولی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ اور پوری دنیا کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں سمیٹ دیا ہے۔ لیکن ان تمام خصوصیات کے باوجود دنیا کے پاس کوئی ایسا کامل نظام حیات اور ضابطۂ زندگی نہیں جو انسان کو مثالی انسان بنائے، صورت حال اتنی دگرگوں ہے کہ انسانی اقدار اور اعلیٰ طرز حیات زوال پذیر ہیں۔ ذاتی نفع اندوزی، مصلحت کوشی اور منافع و مفادات کا دوردورہ ہے۔ دور حاضر کا انسان تمام حدود و قیود سے آزاد ہوگیا ہے۔ بے حیائی اس کا وطیرہ بن گئی ہے۔ انسانی فضائل و مکارم کے خلاف وہ برسرِ پیکار ہے۔ خون آشام جنگیں بنائے حیات کو تہ و بالا کررہی ہیں۔ تعلقات انسانی کو گھن لگ گیا ہے۔ اخلاقی تربیت کے حلقے اپنی غیر معمولی افادیت کا ثبوت پیش نہیں کر پارہے ہیں۔ اس کی جگہ چند ایسے عناصر اور بے حیثیت افراد نے لے لی ہے جو فتنہ و فساد، موقع پرستی اور انسانیت کے ساتھ بے جا استحصال کے علمبردار و مبلغ ہیں۔

عالمی پیمانہ پر اگر موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمانۂ جاہلیت پھر عود کر آیا ہے۔ تاریخ نے اپنی ڈائریکٹری میں ایسے واقعات وشواہد ریکارڈ کئے ہیں جو انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہیں۔ عالم انسانیت کی تہذیبوں کا یہ حال ہے کہ وہ خود اخلاق و شرافت کا جنازہ نکال رہی ہیں۔ محبت ومودت، عزت وحشمت کے تمام لباسوں کو

تار تار کر رہی ہیں، ان تہذیبوں نے انسان کو ایسا خود غرض اور مفاد پرست بنا دیا ہے کہ وہ بظاہر معاملات کی انجام دہی میں اخلاص و ایثار کا نمونہ بن کر سامنے آتا ہے لیکن بباطن عداوت ودشمنی کا بیج اپنا کام کرتا دکھائی دیتا ہے، یہ بات صرف افراد کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ قومیں اور جماعتیں بھی اس کے نشانہ پر رہی ہیں۔

ایسے پر خطر ماحول میں ہر شخص کو اسلام کا ممنون احسان ہونا چاہئے، کیونکہ اسکے اندر زمانہ کے مزاج کو سمجھنے کی بدرجہ اتم صلاحیت موجود ہے۔ وہ ایک عالم گیر اور ابدی مذہب ہے۔ اس نے انسانیت کی ایسے وقت میں دستگیری کی ہے جب وہ صلاح وفلاح، محبت ومودت اور یقین کامل کے متاع گرانمایہ سے محروم تھی۔ یہی دراصل انسانیت کا مرکز انقلاب تھا اور مختلف زمان ومکان کے لحاظ سے وضع کردہ دستور کے بالمقابل تاریخ انسانی کا ایک تہذیبی عطیہ تھا، اس کا واضح نمونہ اس وقت مجسم شکل میں ابھر کر سامنے آیا جب حضور ﷺ نے اعلان کیا کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کی فطرت اس پر تشکیل ہوئی ہے کہ وہ دوسرے پر ظلم نہ کرے، اس کو بے سہارا نہ چھوڑے، اس کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کے خون، عزت اور مال ودولت کا تحفظ کرنا واجب ہے۔ اس پر دست درازی حرام ہے۔ اسی بات کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان کے باہمی لطف و کرم، رحمت والفت اور محبت ومودت کی مثال ایک جسم واحد کی ہے۔ جب جسم کے کسی خاص حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسلام کے یہی وہ تہذیبی اصول ہیں جن پر اتحاد و یگانگت اور محبت والفت کی بنا قائم ہے۔ انہیں خصوصیات کے پیش نظر امت مسلمہ کو عالمی قیادت کا منصب جلیل عطا کیا گیا۔ اس کی یہ سرداری کسی خاص مقام، کسی متعین طبقہ اور کسی مخصوص علاقہ کے لئے محدود نہیں، بلکہ پوری انسانیت اس کے علم قیادت ہی کے نیچے تا قیامت زندہ وتابندہ رہے گی اور بروز قیامت اس کو اپنی ذمہ داری کا حساب دینا ہوگا۔

جب تک مسلمانوں نے اس ربانی تہذیب کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور وہ

عبادات، معاملات، اخلاقیات اور جملہ شعبہائے حیات میں اس کی شمع سے روشنی حاصل کرتے رہے، اس وقت تک وہ قوموں کے امام رہے اور پوری دنیا میں امن وسلامتی، محبت وآشتی کے روح پرور عطر بیز جھونکے چلتے رہے اور بادنسیم کی مشکباری رہی۔

اسلاف کرام نے مرورِ زمانہ کے ساتھ عالمی پیمانہ پر جوزبردست کامیابیاں حاصل کیں اور انھیں جو طاقت وقوت حاصل ہوئی، ان کے وجود مسعود سے جو کارہائے نمایاں انجام پائے، ان تمام کاوشوں کے پیچھے اسی تہذیب الٰہی کی کارفرمائی تھی۔ بعد کی صدیوں میں علمائے سلف کے متبعین بھی اس راستہ پر چلتے رہے۔ عقیدۂ توحید کی اشاعت، اسلام کی دعوت کو عام کرنے اور اسلامی اخوت کی آواز کو ہر خاص وعام تک پہنچانے میں کوشاں رہے، لیکن مادی تہذیب کے متوالوں اور ضلالت وگمراہی کے ٹھیکیداروں کے لئے یہ حقائق کڑوے کسیلے سے بھی سخت ثابت ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے باطل افکار اور زہر آلود خیالات کو معاشرۂ انسانی میں منتقل کرنا شروع کیا، خودساختہ نظریات کو حقیقت کا درجہ دیا، اخلاق حمیدہ کو شر وفساد سے بدلا، امن وسلامتی کو چھوڑ کر بے چینی اور ذہنی الجھنوں نے فروغ پایا، محبت کے بجائے دشمنی کے بیج بوئے، اس سے ان کا صرف یہی مقصد تھا کہ لوگوں کے دماغ لایعنی بحثوں میں الجھے رہیں، ان کے جذبات سرد ہو جائیں۔ وحدت اسلامی منتشر وپراگندہ رہے اور قوم مسلم ٹکڑوں میں بٹی رہے۔ اسی اثناء میں یورپ کے عیسائیوں کے دلوں میں چھپی ہوئی عداوت جاگ اٹھی اور انھوں نے انتقام کے جذبہ سے اپنی تیاریاں شروع کردیں، چنانچہ پانچویں صدی ہجری کے آغاز ہی میں پورا یورپ عالم اسلام کے خلاف کھڑا ہو گیا اور چند ہی دنوں میں صلیبی لشکر ملک شام میں اپنے پورے کروفر کے ساتھ داخل ہو گیا اور رفتہ رفتہ وہاں کے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی کے اواخر میں انھوں نے بیت المقدس پر بھی قبضہ کرلیا اور وہاں کشت وخون کی ایسی نہریں بہائیں جن کی مثال تاریخ کے اوراق میں بڑی مشکل سے ملے گی۔

اس نازک صورتِ حال نے مسلمانانِ عالم پر یاس وناامیدی کے شامیانے کھڑے

کردئے تھے، تاہم یہ مایوسی ایسی نہیں تھی کہ اس کے لبادہ کو تارتار نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اس فتنہ کے استیصال اور مسلمانوں پر چھائی ہوئی غفلت و مایوسی کو دور کرنے کے لئے چند باغیرت و باحمیت نوجوانوں کو وجود بخشا۔ مشیت ایزدی نے صلیبی طاقتوں کو توڑنے، ان کو پسپا کرنے نیز بیت المقدس کو بازیافت کرانے کے لئے انھیں ایسی توفیق کامل سے نوازا تھا کہ صلیبیوں کے ۹۰ رسال تک بیت المقدس پر قابض رہنے کے باوجود انھوں نے اس کو ان کے چنگل سے آزاد کرا کے ہی راحت کی سانس لی اور صلیبیوں کو بری طرح شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔

اس ظاہری و باطنی ہزیمت نے صلیبیوں کے کان کھڑے کردئے اور انھوں نے ہمت سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ صلیبی عداوت کی چنگاری بدستور شعلہ زن رہی اور وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہی۔ دریں اثناء تاتاریوں کا وہ دلدوز واقعہ پیش آیا جس نے پورے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور پوری دنیا کو دم بخود کردیا، نتیجتاً جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو تقدیر الٰہی کا فیصلہ یہ ہوا کہ جو قوم اسلام اور عالم اسلام کا شکار کرنے آئی تھی وہ خود اسی دام میں پھنس گئی بلکہ اسلام کی روشنی سے ان کے راستے منور ہونے لگے۔

اگر حقائق کی دنیا میں جاکر واقعات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تاتاری فتنہ کو ہوا دینے میں بھی انہیں بدطینت صلیبیوں کا ہاتھ تھا۔

ان صلیبیوں کو جب جنگی پیمانہ پر غیر معمولی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی اور ثقافتی اعتبار سے مختلف روپ میں اسلام کے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کردیا۔ کبھی تو سامراجیت کے بھیس میں، کبھی مسلمانوں ہی میں اختلاف وانتشار کو ہوا دے کر اور کبھی آپسی عداوت و دشمنی کی آگ کو شعلہ زن کر کے، کبھی افراد کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے اور کبھی نوجوان طبقہ میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کر کے، غرض یہ کہ مختلف حالات میں متنوع طریقۂ یلغار استعمال کئے، ابھی ایک دہائی قبل ایران وعراق اور افغانستان وروس کی جنگیں ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ سرزمین فلسطین میں زعمائے

یہود اور پوری یہودی لابی کے ہاتھوں تخریب کاری اور ظلم و بربریت کا جو جنون مسلسل جاری ہے، وہ بھی دنیا کی نظروں سے اوجھل نہیں۔

آج ہم عالمی پیمانہ پر بغض و عداوت کے آتش فشاں پر کھڑے ہیں۔ اس نازک ترین دور میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو انسانیت کے لئے نجات کا باعث ہے اور سکون و اطمینان عطا کرنے کا ضامن ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہر شخص اسی کا سہارا لے، پورے خلوص و للّٰہیت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرے۔ آج دنیا میں اعتدال و توازن کی کتنی ضرورت ہے؟ راستی اور صلاح کی کتنی کمی ہے؟ ہماری معاشرتی زندگی اور معاشرے میں کمزوری کا جو تناسب ہے اس کی اصلاح کا کتنا شدید تقاضا ہے؟ اس سے ہر عقل مند شخص واقف ہے۔

☆☆☆

اسلام کا نظریۂ تعلیم وتربیت

انسانی معاشرہ میں انسان کو بلند مقام دینے اور عزت وسر بلندی کے سدرۃ المنتہی تک پہونچانے میں نظام تعلیم وتربیت کا اولین کردار رہا ہے، یہ تعلیمی نظام اپنی مختلف صورتوں اور شکلوں اور اجتماعی وتمدنی مختلف طریقوں کے ساتھ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمیشہ جلوہ گر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ علم کی اہمیت اور اس کے مقام بلند سے پوری طرح واقف ہیں، وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کے معاشرہ اور خاندان کے افراد شراب علم کی لذت سے آشنا اور تہذیبی وثقافتی سرگرمیوں اور اخلاقی واجتماعی تعلیمات سے بھر پور طریقہ پر مستفید اور بہرہ ور ہوں، تاکہ ان کو موجودہ انسانی معاشرہ میں اور عالمی پیمانہ پر تمدنی وثقافتی حلقوں میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ممکن اور آسان ہو سکے۔

یہ تعلیمی اور تربیتی شعور وادراک ایک بشری خاصہ، ابن آدم کا فطری مزاج اور لازمۂ زندگی ہے، جو ہر انسان کے ساتھ وابستہ رہتا ہے اور اس کو علم دوستی، علماء پروری اور ان مردانِ کار سے محبت والفت پر ابھارتا رہتا ہے، جنھوں نے اس میدان میں اپنے ذہن ودماغ کی بلند پروازیاں اور فکر وتخیل کی جولانیاں دکھائیں، علم وفن اور تہذیب وثقافت کے احیاء وترقی میں اپنی کدوکاوش اور سخت کوشی وجانفشانی کا آخری قطرہ نچوڑ کر دنیائے علم میں لافانی نقوش چھوڑے اور دامے، درمے، قدمے، سخنے، قلمے، اپنی عزیز ترین متاع حیات کو اسی علم کے لئے وقف کر دیا اور حالات ومواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، تہذیبی وثقافتی اور زندگی کے مختلف گوشوں میں علم کی نفع رسانی اور اثر آفرینی کا یقین دل کی گہرائیوں میں پیدا کیا۔ ع

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

عام طور سے علم کے متعلق یہ خیال پایا جاتا ہے کہ علم ہی اچھا انسانی معاشرہ اور بہترین انسانی سوسائٹی کی تشکیل کرسکتا ہے، علم ہی ہے جو دلوں کو فضائل سے آراستہ، رذائل سے پاک اور زندگی کو مکارم اخلاق سے مزین وشائستہ بنا کر انسانی اقدار کی حفاظت اور اس کی قیمت ووقعت میں اضافہ کرسکتا ہے۔

اسلامی زندگی کا قصر بلند بھی روز اول سے علم ہی کی پختہ بنیادوں پر قائم ہے، اخلاق و کردار اور اسلامی سیرت وسلوک کا سرچشمہ بھی علم ہے، یہی علم ایک ایسا ممتاز دستور زندگی وجود میں لاتا ہے جس کے جلوے ہر طرف بکھرے ہوئے، اور جس کی برکتیں ہر جہت پھیلی ہوئی ہیں، اور جو چمن انسانیت کو اپنے چشمۂ شیریں کے آبہائے حیات کے ذریعہ سرسبز وشاداب اور گل وگلزار بنائے رکھتا ہے، اس کا یہ چشمۂ حیواں نہ کبھی پایاب ہونے والا ہے اور نہ اس کی فیض رسانی میں کبھی کمی آسکتی ہے۔

اسلام نے علم کی مختلف صورتوں اور شکلوں کو انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے ،اسے زیادہ سے زیادہ جلا بخشنے اور تعمیر وترقی کی راہ میں مرکوز کرنے پر زور دیا ہے۔

اسلام کی قائم کی ہوئی تہذیب وثقافت دراصل زندگی اور معاشرہ کی تمام مادی اور معنوی تقاضوں کو شامل اور انسان کی نفسیاتی اور عقائدی تمام ضروریات کی متکفل اور ذمہ دار ہے، وہ اپنی بے پایاں نوازش اور لامحدود عطاو بخشش کے ذریعہ زندگی کو با مقصد بناتا ہے، جس زندگی کا مطمح نظر انسان سازی اور دنیا کی خوشحالی وفارغ البالی کے لئے کوشش کرنا ہے، نیز زندگی کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں ایمان، امن وامان، اخوت ومحبت اور بھائی چارگی، الفت کے جذبات کو فروغ دیا جائے اور ایسی فضا قائم کی جائے جس میں انسانی اقدار کی حکمرانی ہو، محبت وپیار کے نغمے الاپے جائیں اور انسان دوستی اور امن پسندی کے زمزمے بلند ہو رہے ہوں۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام جس علم کی ستائش کرتا ہے، اور جس پر معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے، اس کے کچھ حدود ہیں، کچھ نقوش اور کچھ اصول ہیں، اور کچھ قواعد وکلیات بھی، ساتھ ہی ساتھ وہ ایک روشن، تابناک اور گہرا نقطۂ نظر بھی

رکھتا ہے جس کے چشمے ایمانِ خالص اور دینی عقیدہ سے پھوٹتے ہیں، اس علم کے حاملین بھی اسی صاف شفاف چشمہ سے سیراب ہوکر علم کے آبدار جواہرات اور لؤلوؤمرجان دنیا کے سامنے بکھیرتے ہیں، اور اسی کی روشنی میں اپنے ان اصول وضوابط کو وضع کرتے ہیں جو علم وفن اور تہذیب وثقافت کی نشر واشاعت میں مدد ومعاون ثابت ہوسکیں، اور ان کے ذریعہ علمی وتربیتی پروگرام میں جن وسائل وذرائع کا ہونا از بس ضروری ہے، اس کا پتہ چل سکے، نیز ان کے یہ اصول وضوابط امت کی سب سے بڑی ذمہ داری امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی ادائیگی میں فائدہ مند ہوں اور اس کو سہولت بہم پہونچا سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے خاص نظامِ تعلیم وتربیت کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز اور فائق رہے ہیں، انھوں نے مختلف یونیورسٹیاں اور تہذیبی وثقافتی مراکز قائم کئے، جن کو حالات وکوائف کے مطابق پوری آزادی کے ساتھ وہ جملہ ممکن الحصول وسائل کے ذریعہ چلاتے رہے ہیں، اس کے انتظام وانصرام میں کسی قسم کی پابندی اور ان پر کسی قسم کا دباؤ کسی دوسری جانب سے قطعا نہ تھا۔ اور نہ کسی طبقہ کی طرف سے ایسے الزامات ان پر عائد تھے جو ان کے نظام تعلیم کے مزاج کے منافی اور ہم آہنگی کی روح کو نقصان پہونچاتے ہوں، کیوں کہ یہی وہ روح ہے، جو ہر نظام تعلیم کی خصوصیت ہے، اور اس کا مابہ الامتیاز وصف ہے جو اس کے پورے جسم میں ہر وقت گردش کرتا رہتا ہے۔

اسلامی تعلیمات، انسانی علوم وفنون اور آفاقی وکائناتی اسرار ومقاصد کی گرہ کشائی اور جدید سے جدید اکتشافات اور دریافت کے سلسلہ میں کسی قسم کی حد بندی کی قطعاً قائل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تعلیمات علوم کے سمندر بے کنار میں غواصی کرنے اور قیمتی سے قیمتی گوہر تابدار نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور اس راہ کی دشواریوں سے نبرد آزما ہونے میں اپنے متبعین کی پوری مدد کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی زندگی کے عروج وکمال کے لئے انسانی اور دینی دونوں قسم کے علوم کی یکساں ضرورت ہے، اسلامی زندگی اپنی افادیت اسی وقت ثابت کرسکتی ہے جب وہ ان علوم کے درمیان صحیح توازن قائم رکھے، اور کائناتی وآفاقی دلائل قدرت اور اسرار ورموز کی نقاب کشائی کے لئے ہمہ وقت کوشاں اور سرگرداں رہے۔

ہندوستان کی قدیم اسلامی صحافت کے دو نمونے

اسلامی صحافت چند دینی موضوعات پر مشتمل تحریروں اور نگارشات سے عبارت نہیں، بلکہ کائنات، زندگی اور انسانیت کے تمام پہلوؤں تک ممتد ہے، خواہ وہ ثقافتی ہوں یا سیاسی، معاشرتی ہوں یا تمدنی، ہندوستان کی اسلامی صحافت دوسرے ممالک کی طرح اخلاقی وادبی رجحانات کے فروغ میں بڑی معاون رہی، سیاست ومعاملات دونوں شعبوں کو اس نے غایت درجہ متاثر کیا۔ فکرِ اسلامی کی ترویج اور باشندگانِ وطن کے ذہنی معیار کو بلند کرنے میں اس کا کردار عالم آشکار ہے۔ مادیت کا سیلاب جب بڑھا اور مغربیت کے طوفان بلاخیز نے لوگوں کو خس وخاشاک کی طرح بہانا شروع کیا تو یہی صحافت بند کی حیثیت سے ان کے تحفظ کا ذریعہ بنی، اور اس نے ملحدانہ خیالات سے ملک بالخصوص مسلم قوم کو دور رکھا، اسی کا ثمرہ ہے کہ ملک اور خارجی دنیا کو انشاء پردازوں، مصنفین اور مؤلفین کی ایسی جماعت ملی جس نے علم وادب کی سبیل لگادی اور نسلِ نو کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔

برِ صغیر ہندو پاک میں ہفت روزہ ''صدق'' ایک علمی جریدہ تھا، اس کے چیف ایڈیٹر جناب مولانا عبدالماجد دریابادیؒ تھے، انہوں نے ۱۹۲۵ء میں ''سچ'' کے نام سے اسلامی صحافت کی داغ بیل ڈالی، بعد میں وہ رسالہ ''صدق'' اور ''صدق جدید'' کے نام سے پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ ۸ر صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عوام وخواص دونوں میں بہت مقبول تھا، لوگ اس سے استفادہ کے لئے سراپا شوق ہوتے تھے۔ اس کی مشمولات میں ملکی اور بیرونی سیاست، عالمی حالات، اخلاقیات اور معاملات نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ مولانا کا قلم

صدق رقم حق گوئی و بے باکی کی صفت سے متصف تھا۔ جرأت مندانہ انداز میں سیاسی حالات پر تبصرہ کرنا، لادینی کلچر سے بیزار کرنا، اسلامی تہذیب سے ہر مسلمان کے رشتہ کو استوار کرنا، یہ اور اسطرح کی اخلاقی قدریں مولانا کی صحافت کا نمایاں عنصر ہیں۔ مولانا نے اپنے مضمون ''ہفتہ وار صحافت کے آداب'' (صدق جدید ۲۹/مارچ ۱۹۶۸ء) میں اسی پہلو کی طرف پانچ نکات میں اشارہ کیا ہے، ذیل میں ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

''۱- مقصود خدمت دین وملت رکھئے۔ عام خدمت خلق بھی اس کے تحت میں آجاتی ہے۔

۲- پبلک کے جذبات کی محض نمائندگی پر ہرگز اکتفا نہ کرنا چاہئے۔ پبلک کے مذاق اور جذبات کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔

۳- صحافت ایک قسم کی تجارت نہیں، بلکہ ایک قسم کی عبادت ہے۔ بس اسی کو نصب العین بنا کر ہمیشہ اپنے سامنے رکھئے۔

۴- امانت داری کے امتحان بھی اس راہ میں سخت سخت آتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو ہر قسم کی خیانت سے بچانے کا اہتمام سامنے رکھئے۔

۵- جس طرح زبان سے نکلی ہوئی ایک ایک بات قابل گرفت ہوتی ہے، اسی طرح قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ بھی جرح کی زد میں آسکتا ہے۔ خیال کیجئے اور ڈرتے رہئے اس وقت سے جب آپ کا سارا دفتر آپ کے سامنے ہوگا اور آخری اور حقیقی عدالت میں اس کے ایک ایک لفظ پر سوال ہو رہا ہوگا۔''

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کا ماہنامہ ترجمان ''معارف'' ہے۔ یہ خالص علمی اور ادبی رسالہ ہے۔ علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کے فرہاد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے رمضان ۱۹۱۶ء میں جاری کیا تھا۔ علامہ کے پاکستان ہجرت کرنے سے قبل یہ ان کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس کے بعد شاہ معین الدین ندوی احمد ناظم دارالمصنفین اس کے ایڈیٹر ہوئے۔ اس

کے مرتبین میں صباح الدین عبدالرحمٰن، مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور اب ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی اور حافظ عمیر الصدیق ندوی ہیں۔

یہ رسالہ اسلامی ثقافت اور عقل وفکر کو غذا پہنچانے والے ادبی اور علمی مقالات سے مزین ہو کر نکل رہا ہے۔ اس کا دائرہ فکر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، اس کی معنوی تاثیر علمی حلقوں میں بڑے مؤثر انداز میں پہنچ چکی ہے۔ ہندوستانی صحافت میں شاید ہی کوئی ایسا رسالہ ہو جو اپنے نصب العین کے مطابق پابندی کے ساتھ مدت دراز سے نکل رہا ہو۔
بارك الله فيها وفي القائمين بأمورها۔

ملک کے طول وعرض میں معارف کے قارئین کی معتد بہ تعداد ہے، اس کا علمی معیار جوں کا توں باقی ہے، یہ رسالہ جب علمی دنیا میں پہنچا تو لوگوں کو اپنی گوہر مراد ملنے کا احساس ہوا۔ ہر طرف سے مرحبا اور صد آفریں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اس کی مقبولیت میں اس کے بانی مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی کا اخلاص، سوز دروں اور تعلق مع اللہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اسی کے ساتھ یاران باصفا کی وہ مخلص جماعت بھی ناقابلِ فراموش ہے جس نے قلیل تنخواہوں پر گزارا کر کے اس شجرِ علم کی آبیاری کی ہے۔

معارف اپنے پیغام کی ترسیل میں روزِ اول سے منہمک ہے، اور اسلامی دعوت اور تحقیقی مزاج کے فروغ نیز صحیح اور مستند معلومات فراہم کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کر رہا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس خوان علم کو ایسے ہی مزین بنا کر رکھے تاکہ اس کے مستفیدین زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ ہندوستان میں اسلامی صحافت کی دو مثالیں تھیں۔ ورنہ:

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

☆☆☆

انسانیت کی تعمیر میں صحافت کا کردار

آج کے دور میں نوع بنوع کی صحافت دنیا میں چھائی ہوئی ہے، ہر آدمی صحافت کی اسی قسم کو اپناتا ہے جو اس کے ذوق کے مطابق اور اس کے رجحانات وخیالات کی ترجمان ہو، ادب ومعاشرت اور سیاست وعلم کی تشنگی کو اس سے دور کرتا ہے، آج جب کسی کے سامنے صحافت اپنا نقاب اٹھاتی ہے تو اس میں رنگوں کی شوخی ہیجان انگیز تصاویر، حالات وواقعات کی خوبصورت فنکاری اور خوشنما طباعت کے ساتھ خبریں رقص کرتی نظر آتی ہیں، صفحۂ قرطاس جاذب نظر اور چمک دار نیز انداز بیان سہل، اور آسان ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ لوگوں میں دُرِّ نایاب کی حیثیت حاصل کرتی ہے، شائقین اس کے اسلوب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس نوع کی صحافت سے لطف اندوز ہونے کی امنگ ان کو ہر قیمت پر اس کو اپنانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ بے صبری سے اس کے منظر عام پر آنے کے منتظر رہتے ہیں۔

رہی بامقصد صحافت جس سے انسان ہر جگہ تشنہ لب ہے، وہ اس معیار کی حامل نہیں، نہ اس میں وہ رنگینی ہے نہ خوبصورتی، اور نہ رنگین تصاویر اور نہ وہ شیفتگی، اور نہ جمال ہے جس کے لئے وہ قارئین کو بے حقیقت مناظر میں مشغول کرتی ہو، اور نہ ان کے ذہن وفکر کو ملوث کر کے ظاہری رنگ وروغن پر ان کی تمام تر توجہ مرکوز کر دیتی ہو اور ان کی صلاحیتوں کو غیر ضروری میدانوں میں ضائع کرنا اس کا مقصد اولین ہوتا ہو۔

یہ بامقصد صحافت ''کلمہ'' اور ''قلم'' کی امانت سے صرف نظر نہیں کرتی جن کا انسان سازی، سیرت اور مستقبل کی تعمیر میں ایک ناقابل فراموش رول ہے، اس کردار سے آج کی

صحافت بے بہرہ ہے، بلکہ تجارتی رجحان اس پر تمام رجحانات سے زیادہ غالب ہے، آج دنیا کے بڑے بڑے تجارتی گروپ صحافت کو اپناتے اور تجارت وسیاست کے بے حقیقت مقاصد کے لئے قلموں کو خریدتے ہیں، آج جتنے روزناموں، ہفتہ وار رسائل اور ماہانہ مجلّات کو عالمی شہرت، اعلیٰ معیار، اور پوری توجہ حاصل ہے وہ سب تجارتی کمپنیوں، فرموں یا تاجروں کی زیرِ ملکیت ہیں، وہ ان کی زبان ہیں اور زندگی کے تمام مراحل میں ان کے نقطہائے نظر اور سیاست کی ترجمانی کرتے ہیں، اس سے ان کو بڑے بڑے مادی منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی صاحب ثروت تاجر اپنے مال کا ایک بڑا حصہ کپڑے یا اشیاء خوردنی کی تجارت میں لگادے۔ آج ہماری نظروں کے سامنے اخبارات اور میگزینوں کی سودے بازی ہوتی ہے اور وہ اپنے مقاصد میں خریداروں کے اشاروں کے پابند ہیں، کچھ میگزینیں اور جرائد ایسے ہیں جن کے خریداروں کا رجحان اگر بدل گیا تو وہ بھی ان کے مقاصد کی ترجمانی کے لئے جھک جاتے ہیں۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ با مقصد صحافت بے توجہی اور زبوں حالی کے حالات سے دوچار ہے اور سخت مشقت کے زیرِ سایہ دم لے رہی ہے وہ ہر وقت اس کے وجود کو نشانہ بنائے ہوئے ہے، یہ سب نتیجہ اس کا ہے کہ آج عام طور پر طبیعتوں کا رجحان صحافتِ حقیقی کے بجائے تجارتی انداز کی صحافت کی طرف ہوگیا ہے، بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحافت، مزاج، دلچسپی اور تفریح طبع کا سامان بن گئی ہے، جس میں قارئین کو کہانی، سنسنی خیز حالات جرائم کی دلچسپ داستانیں، سحر انگیز اسلوب، دلفریب پیرایۂ زبان وبیان، اور رنگین مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس صحافت کو صرف مقامی کھپت اور مال تجارت کے فروغ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس صورت حال پر توجہ مرکوز کریں اور اس بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں جو با مقصد صحافت کے حلقوں میں بھی دراندازہوتا جارہا ہے، اور اس کا ایسا بہترین بدل پیش کریں کہ وہ بگڑے ہوئے ذوق کو صحیح سمت عطا کرسکے اور ہمیں اصل مزاج کی طرف دوبارہ واپس لاسکے۔

یہ معمولی سی سادہ اور بے رنگی صحافت جس کو ہم اپنی پوری کوششوں کے ساتھ اس عالم میں پیش کرر ہے ہیں اور وہ مختلف قسم کے افکار ونظریات اور دنیا میں پائے جانے والے بہت سے متناقض رجحانات کی تفصیلات پر بھی مشتمل ہوتی ہے، گرچہ ایک بڑے خلا کو پُر تونہیں کرسکتی ،لیکن اپنے وسائل کی قلت اور کارگذاروں کے دائرہ کی تنگی کے باوجود ذمہ داروں کے اخلاص اور ''کلمہ'' کی امانت کے ایفاء کی راہوں میں سچی قربانیوں سے محروم نہیں ہے۔اگرچہ ہماری یہ بامقصد صحافت بھی زمانہ کی ترقیوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے کی کوشش کرر ہی ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اس کوتقویت عطا فرمائیں،عروج مقدر فرمائیں۔اس کے ذمہ داروں کے عمل میں سنجیدگی اور صحافتی ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ مصروف رہنے کی توفیق عطا فرمائیں،تاکہ وہ بامقصد اور اصول پسند صحافت کے ایک تابناک منارہ کی حیثیت سے دنیامیں اپنا مقام پیدا کرے۔

صحافت اسلامی کے حاملین کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اس میدان میں بھرپور جدید ذرائع کا استعمال کر کے اس صحافت کوفروغ دیں،عام قارئین کے دلوں کو اس کی طرف راغب کریں،ساتھ ہی ان کی اخلاقی وفکری رہنمائی کریں اور ان کو اس اصل صورت حال سے روشناس کرائیں جس سے مسلمان مختلف مقاصد پر نبرد آزما ہیں۔خاص طور سے ان دل سوز حالات اور انسانی مسائل کی کثرت کی طرف توجہ مبذول کرائیں جن کا مسلمانوں کو دنیا کے مختلف علاقوں میں اس وقت شدت سے سامنا ہے،اور وہ اس کے صحیح علاج کی واقفیت کے لئے اپنی سانس روک کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

امن وسلامتی کا علم بردار مذہب اسلام

انسان اپنی زندگی میں جن چیزوں کو اولیت دیتا ہے اور اپنی تمام دوسری ضرورتوں پر انہیں مقدم رکھتا ہے، ان میں حفاظت وسلامتی سرفہرست ہے، اس لئے کہ ہر شخص کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ تمام خطرات سے دور رہ کر مامون و پرسکون زندگی گذارے، وہ چاہتا ہے کہ ہراس چیز سے دور رہے جو زندگی کے لطف کو مکدر کرتی ہو، اور دل میں خوف وحزن کی کیفیت پیدا کر کے انسان کو رنج والم اور اضطراب وانتشار سے دوچار کرتی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی زندگی کی اس اہم ضرورت کا لحاظ فرماتے ہوئے ان لوگوں کو خوش خبری دی ہے جو ایمان واطاعت پر ثابت قدم رہ کر اللہ کی شریعت کو اپنا دستور العمل اور اس کی رضا کو اپنی منزل قرار دیتے ہوں، ایسے باتوفیق اور خوش نصیب انسان کو اللہ تعالیٰ یہ بشارت دیتے ہیں کہ ان کو نہ خوف ہوگا نہ رنج ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں کہ امن وعافیت اور قلبی سکون وچین، دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس کی وجہ سے ایک صاحبِ ایمان اپنی دنیاوی زندگی میں بہرحال مطمئن اور خوش رہتا ہے، مالدار اپنی مالداری میں، اور غریب اپنی غربت میں، مریض وبیمار بھی اپنے مرض وبیماری میں، صحت مند وتندرست اپنی صحت وتندرستی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

دین اسلام، انسان کو صرف آخرت ہی کی کامیابی کی ضمانت وخوش خبری نہیں دیتا ہے ، بلکہ وہ اس دنیا میں بھی اس کے دلی سکون واطمینان کا ضامن ہے، دین اسلام کی یہ خوبی اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ اسلام کا نام ہی سلامتی سے مشتق ہے، لہٰذا امن پسندی، صلح جوئی

اور ایسی تمام چیزوں سے بیزاری جو امن وسلامتی کے مفہوم کے منافی ہو مرد مسلماں کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے تنہا اسلام ہی کو آخری دین قرار دیا اور اسی کو امن وسلامتی اور سکون واطمینان کا ضامن بنایا اور اسی کے اندر تمام مسائل ومشکلات کا حل مضمر کر رکھا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اسلئے وہ قدرتی طور پر ایسے مخالف حالات سے دور رہے گا، جو اس کے امن وامان کو برباد کرنے والے ہوں اور اس کے چین وسکون کو ختم کرنے کے درپے ہوں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ مسلمان کے لئے امن وامان کی زندگی بسر کرنے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ اس دین کو مکمل طور پر اختیار کرے اور کسی بھی حال میں اس کی کسی معمولی چیز کو بھی ترک نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مختلف انداز سے بار بار پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے، اور خواہشات نفسانی، اور شیطان کی پیروی سے بچنے، اور دور رہنے کا حکم دیتے ہیں کہ شیطان مومن کا کھلا ہوا ازلی دشمن ہے، وہ ہمیشہ کوشاں اور متمنی رہتا ہے کہ سیدھے راستے سے مسلمانوں کے قدم پھسل جائیں اور خواہشات نفسانی کی طرف وہ مائل ہو کر ایمان اور عمل صالح سے دور ہو جائیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يـأيهـا الـذيـن آمـنـوا ادخـلـوا في السلم كـافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان ، إنه لكم عدو مبين (البقرہ:۱۶۸)

''اے ایمان والو! پورے طور سے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، اس لئے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے''۔

اسلام نام ہے پورے طور پر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں داخل ہونے کا، اس کے بعد مسلمان اللہ کی حفاظت میں داخل ہو کر اس کی برکتوں ورحمتوں اور اس کی عنایت وتوجہ کا مستحق بن جاتا ہے، دنیا وآخرت میں اس کے پیار ومحبت اور اس کے انعام واکرام کا حق دار ہو جاتا ہے، اور اخلاص، اور اللہ کے ساتھ

نہایت مخلصانہ اور مضبوط تعلق قائم کر کے اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے، اور اس شریعت سے وابستگی کی اسے توفیق ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دائمی اور انسان کے لئے تا قیامت مکمل طریقۂ کار کے طور پر نازل کیا ہے، اسی قانون الٰہی سے سماج کی انفرادی واجتماعی وابستگی زندگی کو خوشگوار بناتی ہے اور طاقتور کمزور پر ظلم کرنے کی جسارت نہیں کرتا ہے اور نہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلنے کی جرأت کرتی ہے۔

معاشرہ کو تمام برائیوں اور نقائص سے پاک کر کے اسے جنت نشان بنانے کی اسلام کو کتنی فکر ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تم لوگ جنت میں داخل نہ ہوگے، یہاں تک کہ مؤمن ہو جاؤ، اور تم لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو اختیار کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، وہ بات یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام کو عام کرو، اور دوسری روایت میں ہے کہ اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور نمازیں پڑھو اس حال میں کہ لوگ سو رہے ہوں، تاکہ تم جنت میں بحافظت تمام داخل ہو جاؤ۔

غرض اسلام صرف سلامتی ومحبت اور آپسی میل ملاپ کا نام ہے، لیکن افسوس کہ مسلمان کی زندگی کامل اسلام سے بہت دور ہو چکی ہے، پھر اس کے پاس امن وعافیت اور محبت وسلامتی کی زندگی کہاں سے آئے، اور کیسے وہ اس جسد واحد کا نمونہ پیش کرے جس کے ایک عضو کو اگر تکلیف ہو تو سارا جسم پریشان ہو جائے۔

ہم لوگوں کو اپنا بے لاگ محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہمارا عمل اسلام سے میل کھاتا ہے یا نہیں، ہماری فکر اسلام سے کتنی دور ہے، ہمارا معاشرہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، معاشرہ میں رائج رسم ورواج شریعت سے متصادم تو نہیں ہیں۔ اس پر سنجیدگی سے ہم کو غور کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت، اور دلوں میں جو چیزیں مخفی ہیں اس سے خوب واقف ہے۔

☆☆☆

صبر کا مقام، مؤمن کی زندگی میں

غور کیجئے تو زندگی کا ہر شعبہ صبر واستقامت کے فیض کا رہین منت ہے، بلکہ ایمان و عمل صالح اور اس کے مفید ثمرات ونتائج کا ظہور صبر کے بغیر ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے صبر کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور کتاب وسنت میں صبر کی ترغیب اور اس کو اختیار کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے، کہیں فرمایا گیا ہے: یـأیها الذین آمنوا اصبروا ، وصابروا (آل عمران:۲۰۰) مومنو! صبر کرو اور اس پر جمے رہو، کہیں فرمایا گیا ہے کہ وبشر الصابرین (بقرہ:۱۵۵) صبر کرنے والوں کو بشارت ہو اور کہیں صبر کرنے والوں کو پورے اجر دیئے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور کہیں اسے عزم مؤمن کی نشانی بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات میں مندرجہ بالا مضامین کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی صبر کے امتحان کا بہت سی آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

حقیقت ایمان کے ساتھ صبر بھی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر مؤمن کا منزل مقصود تک پہونچنا سخت دشوار ہے، انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھام کر اپنا تبلیغی مشن انجام دیا۔ اگر ان کی زندگی میں صبر کا عنصر بھر پور نہ موجود ہوتا اور وہ اس کو ہمہ دم نہایت سرگرمی سے اپنے اوپر نافذ نہ فرماتے تو اتنے دشوار گذار مراحل کو طے کر کے وہ کسی حال میں بھی کامیابی کی منزل تک نہیں پہونچ سکتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تاریخ نبوت صبر کے نہایت عظیم الشان اور درخشاں ترین باب سے مزین

ہے، آپ نے صبر کا جو معیار قائم کیا اس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں مل سکتی، اس سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصد جتنا ہی اہم اور جس قدر پاکیزہ ہوگا صبر کی آزمائش اس میں اسی کے بقدر زیادہ ہوگی۔

زندگی کے کسی بھی اجتماعی یا انفرادی کام میں کامیابی کی منزل تک پہونچنے کے لئے صبر ایک بنیادی شرط ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی فرد یا جماعت نے بڑی سرگرمی اور اہمیت کے ساتھ ایک مفید ضرورت کو پوری کرنے کے لئے منصوبہ بنایا اور اس کے پیچھے ساری طاقتیں لگا دی گئیں اور بہترین صلاحیتیں اور قربانیاں اس کی راہ میں بے تکلف پیش کر دی گئیں، مگر نتائج کے اعتبار سے اس میں ناکامی اس لئے ہوئی کہ وہ صبر و استقامت کے عنصر سے یکسر خالی تھا اور اس عنصر کے فقدان کے باعث آپس میں اختلافات ظاہر ہوئے، یا اگر انفرادی معاملہ ہوا تو دوسری جہات سے مخالفت میں آوازیں اٹھیں اور اس کام سے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا۔

صبر کو اپنانے اور اس کو عقیدہ کی پختگی کے ساتھ اختیار کرنے کا معاملہ بھی بہت صبر آزما ہے، اسی لئے مؤمن کی زندگی میں اس کی تربیت (Training) دینے اور اس کو دل کی گہرائیوں میں راسخ کرنے کے لئے ایک ایسے نصاب (Course) کی ضرورت ہے جو انسان کا تیار کیا ہوا نہ ہو، بلکہ منزل من اللہ ہو، اور بار بار اس کو دہرایا جاتا ہو، میں سمجھتا ہوں کہ ماہ صیام صبر کا وہ نصاب ہے جس کو سال میں ایک بار پوری قوت کے ساتھ دہرانے اور اس کو عملی طور پر زندگی میں نافذ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، صبر کا معاملہ اتنا اہم اور پیچیدہ اور مشکل نہ ہوتا تو شاید زندگی میں ایک بار سے زیادہ اس نصاب کو پورا کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی، لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں سے تیس دن تک مسلسل شب و روز عملی حیثیت سے نافذ کرنے اور اس پر سختی سے عمل در آمد کرنے کا حکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی ادنی شعبہ صبر کے اہم کردار کے بغیر کامیاب نہیں

قرار دیا جاسکتا، ایک مؤمن کو قدم قدم پر اس کی احتیاج ہوتی ہے اور وہ ایک کامیاب ومطمئن زندگی کا تصور ہی نہیں کرسکتا جب تک صبر کی دولت سے اس کا ظاہر و باطن معمور نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس کے کہ آپ رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر سختی سے عمل پیرا تھے اور صبر آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف تھا، مگر بار بار صبر کرنے اور صبر کو اپنانے کا حکم دیا جارہا ہے کہ مبادا آپ کسی وقت اپنی قوم کی اذیت ناک تکلیفوں اور ناقابل برداشت اذیتوں کی وجہ سے گھبرا نہ جائیں اور دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے، اسی لئے "فاصبر وما صبرك إلا بالله" اور "واصبر على ما يقولون" جیسے احکام کی تلقین میں قرآن کریم نے کسی لحہ بھی کمی نہیں کی۔

صبر کی تربیت کے لئے رمضان کا مہینہ اور روزہ کا فریضہ نازل فرمایا گیا اور اس کی زبردست اہمیت کے پیش نظر رمضان کے مہینہ کو صبر کا مہینہ فرمایا گیا ہے، صبر کا ثواب جنت ہے، ارشاد ہے: هو شهر الصبر، والصبر ثوابه الجنة، یہ اس خطبہ کا ایک ٹکڑا ہے، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی آمد آمد پر دیا تھا۔ مشہور حدیث شریف میں صوم رمضان کو اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن قرار دیا گیا ہے، صاف صاف وارد ہے:

"بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله الا الله و أن محمدا رسول الله، و إقام الصلاة وايتاء الزكاة والحج وصوم رمضان"

اگر آج کے مسلم معاشرہ میں دوسرے اور ارکان کو چھوڑ کر صرف آخری رکن رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کا تناسب دیکھا جائے تو غالباً بہت مایوس کن نتیجہ برآمد ہوگا اور اچھے خاصے مسلم گھرانوں کے اکثر افراد اس دولت بے بہا سے محروم نظر آئیں گے، حالانکہ ان کو اس معیوب طریقۂ زندگی کا خوب احساس بھی ہے اور اس کے جو برے نتائج سامنے آتے ہیں، اس سے وہ دوچار بھی ہوتے ہیں لیکن وہ روزے کی پابندیوں پر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور انجام کار کے طور پر وہ ہر طرح کی ذلت، ناکامی اور بدحالی و مشقت کی

مصیبت میں گرفتار ہیں، اگر سوال کیا جائے کہ آج مسلمانوں کی زندگی میں یہ انتشار کیوں ہے اور وہ ہر حیثیت سے اتنے پست وذلیل کیوں ہیں تو جواب میں یہ کہنا کچھ خلاف واقعہ نہیں ہوگا کہ ان کی زندگیاں صبر جیسے اہم ترین عنصر سے بالکل خالی ہیں اور وہ اپنے مقصد کی راہ میں کسی ادنی درجے کی مشقت ومحنت کے خوگر بھی نہیں رہ گئے، کسی قسم کی تکلیف یا آزمائش گوارا کرنے کی ان میں قطعاً کوئی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے، جب کہ زندگی نام ہے مسلسل آزمائشوں کا اور صبر آزما مراحل سے ہمہ دم گذرنے کا ، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ "واستعينوا بالصبر والصلاة ، إن الله مع الصابرين" (مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور اصلاً اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔) (بقرہ:۱۵۵)

تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں صبر کی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی پوری توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆

اسلام ایک سرچشمۂ حیات

انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک ایسے نظام حیات کا محتاج ہے جو زندگی کے تمام ظاہری و باطنی حالات و کیفیات پر محیط ہو جو دل کی دھڑکنوں، نفس کے تقاضوں، جسم کی ضروریات، ہر ایک کی مکمل نگرانی کرتا ہو، جو نہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی میں کامیابی اور خوشحالی کے اصول وضوابط کی رہنمائی کرتا ہو، بلکہ آخرت کی دائمی اور ابدی زندگی میں بھی سعادت و کامرانی کی ضمانت لیتا ہو۔

انسانوں نے ہر زمانے میں اپنی عقل و دانش کے غرور میں بہت سے نظام زندگی ایجاد کیئے، بہت سے اجتماعی نظریے اور اصول انہوں نے اپنی محدود عقل سے وضع کر کے نوع انسانی پر آزمائے لیکن کبھی کوئی انسانی نظریہ یا فلسفہ اور کوئی مصنوعی نظام کامیاب نہ ہوسکا، دنیا کی وسیع تجربہ گاہ میں ترقی یافتہ اور متمدن قومیں اپنے ترقی و تمدن کے زعم میں زندگی کے اصول ونظریات کا برابر تجربہ کر رہی ہیں، اور برابر ناکامی و نامرادی سے دوچار ہو رہی ہیں۔

اشتراکیت کے وسیع و عریض تجربات ہوں، یا سرمایہ داری کی دل آویز اصطلاح، جمہوریت کا پرفریب نعرہ ہو یا سوشلزم کا پرکشش دعوائے مساوات، ہر نظریہ زبان حال سے اپنی ناکامی اور شکست کا اعلان کر چکا، انسانیت کو اپنے دکھ درد کا مداوا کہیں بھی نہیں ملا، دل کا سکون، نفس کا اطمینان کسی بھی نظریہ اور کسی فلسفہ میں دریافت نہ ہوسکا۔

دنیا کے بڑے بڑے .... عقلاء نے اپنے علم و حکمت پر ناز کرتے ہوئے انسانی زندگی کے لئے قوانین وضع کئے اور دنیا کے سامنے مختلف اوقات میں مختلف نظامہائے حیات

پیش کیے، لیکن کہیں بھی انسانی جذبات واحساسات زندگی کے تقاضے اور ضروریات کی تسکین نہیں ہوسکی، اس لئے کہ نظام زندگی کے جتنے بھی اصول ونظریات اور فلسفے اور ازم ایجاد ہوئے، کوئی بھی انسانی فطرت کے صحیح تقاضوں اور ضروریات کی بنیاد پر نہیں وجود پذیر ہوا۔

لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس کے سامنے انسانی زندگی اپنے تمام ظاہر وباطن کے ساتھ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی نظر ہر زاویہ سے اس کے تمام اجزاء پر مرکوز ہے، وہ روح کے تقاضوں، دل کے احساسات وجذبات، نفس کی ضروریات وخواہشات، جسم کے مطالبات ولوازمات کو اچھی طرح دیکھ اور سمجھ رہا ہے، وہ زندگی کی ہر حرکت وسکون، ہر پیچ وخم، ہر شعور ووجدان سے خوب واقف ہے، اس لئے وہ جو ضابطہ حیات اور نظام زندگی پیش کرے گا، اس میں کسی قسم کی کمزوری، نقص اور جھول نہیں ہوگا۔ وہ سو فیصد انسانی نفسیات کا ساتھ دیگا، قدم قدم پر اس کی رہنمائی کریگا، دم بدم اس کی مدد کرے گا اور ہر لحہ اس کے تعاون کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا رہے گا۔

یہ صرف اس لئے کہ اسلامی نظام حیات اس ذات کا وضع کیا ہوا ہے جو انسانوں کا خالق ورازق ہے اور ان کی ہر چھوٹی بڑی ضروریات سے واقف ہے، انسان کی فطرت اور اس کا مزاج جس نظام زندگی کا متحمل ہوسکتا تھا اور جس میں اس کو اپنے تمام تقاضوں کا مکمل جواب مل سکتا تھا وہ یہی نظامِ حیات ہے جس کو ہم اسلام کہتے ہیں۔

ہر انسان اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات خارجی اسباب اس کی فطرت پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور وہ صحیح انسانی زندگی کی لذتوں سے محروم ہوکر غیر فطری زندگی، اور غیر طبعی اصول ونظریات کا عادی ہو جاتا ہے، جس طرح بعض جانور کبھی کبھی خارجی سبب کی بنا پر انسانوں کی نقل کرنے لگتے ہیں اور اپنی صحیح فطرت سے منحرف ہوجاتے ہیں، یہ بھی خالق کائنات کا ایک اصول ہے کہ جب مخلوق اپنے فطری وظیفہ سے پھر کر غیر فطری امور میں مشغول ہوتی ہے تو اس کی فطرت مسخ کردی جاتی ہے، لیکن کبھی تو ظاہری وباطنی دونوں اعتبار سے اور کبھی صرف باطنی اعتبار سے۔

فلما عتوا عما نهوا عنه قلنا لهم كونوا قردة خاسئين (أعراف:۱٦٦)

"جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو (براہ قہر) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔"

دوسری آیت میں باطنی تغیر کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

أولٰئك كالأنعام بل هم أضل (أعراف:۱۷۹)

"وہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔"

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے:

أولٰئك الذين طبع الله على قلوبهم وسمعهم وأبصارهم وأولٰئك هم الغٰفلون (نحل:۱۰۸)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگادی ہے۔اور یہ لوگ انجام سے بالکل غافل ہیں۔"

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ تھی، آپ کے اصحاب نے آپ کی کامل اتباع کی اور صحیح اسلامی نظام حیات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، صرف اخلاق وعبادات اور فضائل وآداب میں ....نہیں، بلکہ سیاست وحکومت میں بھی انہوں نے ایسی مثال پیش کی جو انہیں کا حق تھا، بعد میں آنے والے بہت سے حکمرانوں نے ان کے نقشِ قدم پر چل کر بادشاہی میں فقیری اور حکمرانی میں زہد وقناعت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

اسلامی نظام زندگی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں بڑے چھوٹے، اونچ نیچ، امیر وغریب، بادشاہ ورعایا میں بحیثیت انسان کے کوئی فرق نہیں، بادشاہ وقت اگر کوئی معمولی غلطی بھی کررہا ہو تو رعایا کے ہر فرد کو اس پر متنبہ کرنے اور اس کی کمزوری پر مواخذہ کرنے کا حق حاصل ہے۔اس کے باوجود بھی اگر خلیفۂ وقت یا امیر یا بادشاہ اپنی غلطی سے باز نہ آئے تو رعایا کے ایک فرد کو پوری رعایا کی طرف سے بغاوت اور فرمان شکنی کا اعلان کرنے کا حق حاصل ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے اور امیر المؤمنین کے منصب پر فائز ہوئے توانہوں نے اپنی سب سے پہلی خلافت کی تقریر میں فرمایا:

"........اے لوگو! میں تمہارا والی بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر تم مجھ کو حق پر پاؤ تو میری مدد کرو اور اگر باطل پر پاؤ تو مجھے روکو، اور دیکھو جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم لوگ میری اطاعت کرتے رہو، لیکن اگر مجھ سے اللہ کے احکام کی نافرمانی سرزد ہو تو تم میری اطاعت نہ کرنا............."

اسلامی نظام حیات اخوت اور جرأت ایمانی کا سبق دیتا ہے، اس نظام میں رعیت کے ایک معمولی فقیر کو وہی انسانی حقوق حاصل ہیں جو ایک بڑے صاحب حیثیت امیر و کبیر کو حاصل ہوتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب خلیفہ مقرر ہوئے تو رعایا کے ایک عام فرد نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ

"........عمر! اگر ہم آپ کے اندر کسی طرح کی کوئی کجی پائیں گے تو یاد رکھیئے اس کو تلوار کی دھار سے درست کریں گے............."

یہ تاریخی جملہ اسلام کی سیاسی اور اخلاقی تاریخ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس جملہ کو سنکر بجائے اس کے کہ خفا ہوتے یا اس شخص کو توہین خلافت کی سزا دیتے، بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

الحمد الله الذى جعل في أمة عمر من يقومه بالسيف ....خدا کا شکر ہے جس نے عمر کے رعایا میں ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جو اس کو تلوار سے سیدھا کر سکیں۔

ایک صحابی نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا کہ حضور! مجھے ایسی نصیحت فرمادیں کہ وہ میرے لئے کافی ہو اور آپ کے بعد پھر کسی سے کچھ پوچھنا نہ پڑے، فرمایا۔

قل اٰمنت بالله ثم استقم: کہو میں ایمان لایا اللہ پر، پھر اس پر جم جاؤ۔

استقامت کے معنی علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کی اطاعت کو لازم پکڑنا اور کسی حال میں اس کی نافرمانی اور معصیت نہ کرنا۔

یہی وہ نقطۂ امتیاز ہے جہاں اسلامی نظام زندگی کی راہ انسانوں کے بتائے ہوئے نظام حیات سے الگ ہوجاتی ہے، اس نظام زندگی کا سب سے اہم اور مرکزی دستور ہے، لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق :یعنی اللہ کی نافرمانی ہو تو مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی، یہیں سے زندگی کے وہ تمام مادی نظریے الگ ہوجاتے ہیں جہاں خالق کا تصور ہی سرے سے نہیں ہے، اور اگر کسی حال میں ہے بھی تو اس کا حق اتنا محدود ہے کہ نہ ہونے کے برابر، لیکن اسلام زندگی کی خشت اول ہی کو تصور الٰہ کی بنیاد پر رکھتا ہے، یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے زندگی کا سوتا پھوٹتا ہے، اور پوری کائنات کو آب حیات تقسیم کرتا ہے۔

☆☆☆

اسلام کا معیار فضیلت

تاریخ کے ہر دور میں انسانی فضیلت کے متعدد معیار پائے گئے ہیں، کبھی مال ودولت فضیلت کا معیار قرار دپایا تو کبھی جاہ ومنصب، کبھی قوت وطاقت، کہیں حسب ونسب، اور کہیں حسن وجمال، اور مصلحت ووقت کے تقاضے کے مطابق ان میں سے ہر شئے ایک مستقل معیار کی حیثیت پاتی رہی، مثلاً بادشاہ کو ساری رعایا پر اس لئے افضل قرار دیا گیا کہ وہ اپنے محدود علاقہ میں ایک محدود وقت تک کے لئے جاہ ومنصب کا آخری مالک ہے، اسی طرح مالدار اور صاحب ثروت کو غریب لوگوں کے مقابل میں اس لئے افضل سمجھا گیا کہ وہ ایک بڑی دولت کا تن تنہا مالک ہے، کسی شخص کو اس لئے عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ وہ ایک بڑے قبیلہ اور اونچے خاندان کا چشم وچراغ ہے، غرض فضیلت کا مختلف معیار زمان ومکان اور وقت ومصلحت کے تقاضوں کے ساتھ ابھرتا رہا اور افضل وغیر افضل کی تقسیم کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

اسلام سے پہلے طبقاتی کشمکش اور قبائلی اونچ نیچ کا دور دورہ تھا، انسانوں کا ایک طبقہ غلام تھا، تو دوسرا آقا، غلام طبقہ ہر اس شرف سے محروم سمجھا جاتا تھا جو آقا اپنے لئے مخصوص کرلیتا، اسی طرح رنگ ونسل اور حسب ونسب، اور جاہ ومنصب، بلندی اور پستی، خادمیت اور مخدومیت، عزت وذلت کے معیار کی وہ بنیادیں تھیں جن پر پورا معاشرہ قائم تھا، اور صرف یہی نہیں کہ اپنی دانست میں اونچا طبقہ ''نیچے طبقہ'' کو صرف پست اور ذلیل سمجھ کر معاف کردیتا، بلکہ وہ اس کو طرح طرح سے ذلیل کرنے اور عار دلانے کی ہر ممکن کوشش

کرتا، اپنی بلندی اور افضلیت کے قصیدے پڑھتا، اور اپنے حریف کے مقابل میں پستی وذلت کے بے شمار پہلو نکالتا، اور اس کو رسوا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا۔

بلندی وپستی کا یہ تصور دراصل اس جابرانہ عجمی نظام حکومت کی پیداوار ہے جس میں بادشاہ یا حاکم وقت اور اس کے چند خاص لوگوں کے علاوہ بقیہ ساری رعایا ایک ذلیل خادم سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، ان کی زندگی جانوروں کی زندگی سے کسی طرح مختلف نہیں تھی اور نہ اس سے زیادہ کسی برتری کا ان کو مستحق سمجھا جاتا تھا، قیصر وکسریٰ کی حکومت (جو اپنے زمانے میں پورے کرۂ ارض پر چھائی ہوئی تھی) کا مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک رعایا اور خدمت کرنے والے جانوروں کا ایک ہی درجہ تھا، ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا جو گھوڑے گدھے، گائے بیل کے ساتھ، سوسائٹی میں ان کا کوئی مقام تھا اور نہ سلطنت میں ان کی کوئی آواز۔

اس وقت دنیا کی تمام قوموں کا یہی حال تھا، طاقتور، کمزور کو ذلیل سمجھتا، مالدار غریب کو اور آقا غلام کو، فضیلت کا معیار ہی طاقت، دولت، اور وجاہت میں منحصر ہو کر رہ گیا تھا، جو شخص ان چیزوں سے محروم ہوتا خواہ وہ ذاتی طور پر کتنا ہی بلند، پاکباز، کیوں نہ ہوتا اسے ذلیل ہی سمجھا جاتا، اور سوسائٹی میں اس کو کوئی مقام نہ ملتا، لیکن اسلام نے ان تمام معیاروں کو جاہلانہ اور غلط قرار دیا، اس نے بتایا کہ انسان بحیثیت انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے، اور اس افضلیت میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح یا بلندی نہیں حاصل ہے، اس نے اعلان کیا کہ ہر انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہے، آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا، اس لئے ہر شخص اس معیار کو سامنے رکھے اور سمجھ لے کہ اولاد آدم کی حیثیت سے بلند وپست، عزیز وذلیل، خادم ومخدوم کی تقسیم بالکل غلط اور انتہائی احمقانہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف کتنے بلیغ اسلوب میں اشارہ فرمایا ہے۔

لافضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأبيض على أسود ولا لأسود على أبيض إلا بالتقوى، كلكم من آدم، وآدم من تراب : کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی

کو عربی پر اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں حاصل ہے مگر تقوی سے تم میں سے ہر شخص آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔

بات کس قدر واضح ہوگئی کہ اسلام میں اونچ نیچ اور بلندی و پستی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، نہ قوم و وطن سے کوئی بلند و پست ہوتا ہے اور نہ رنگ و نسل سے کوئی اونچا نیچا قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ انسان ہونے کی حیثیت سے سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، ان میں کسی قسم کی تفریق کرنا، اور کسی طرح کا کوئی ادنیٰ امتیاز برتنا ایک باپ کی اولاد کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کرنے کے مرادف ہے، لیکن اسلام افضلیت اور بلندی کا ایسا معیار پیش کرتا ہے جو انسانی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، اور جس کے سامنے رنگ و نسل، قوم و وطن اور ہر طرح کی خودساختہ تفریق و تقسیم مٹ جاتی ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں باقی رہتا۔

اسلام میں فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے، یا بالفاظ دیگر جو شخص خدا کا سب سے زیادہ لحاظ کرنے والا ہوگا، وہی سب سے زیادہ افضل قرار پائے گا، خواہ وہ غلام ہو یا آقا، خادم ہو یا مخدوم، بادشاہ ہو یا رعیت، کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، یہاں رنگ و خون، نسل و قوم کی تقسیم ایک احمقانہ تصور ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، یہ ایسا جاہلی نعرہ ہے جس سے اسلام کا کسی درجہ میں کوئی تعلق نہیں، اسلام بلاشبہ قبیلوں اور خاندانوں کی تقسیم کا قائل ہے، لیکن محض تعارف کی حد تک، اگر کوئی اس کی بلندی و پستی کا ذریعہ سمجھتا ہے، یا اسلام میں اس سے اونچ نیچ کی تفریق کا جواز نکالتا ہے تو وہ اسلام پر افترا پردازی اور بہتان تراشی کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے، وہ اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اس کی جڑ کھوکھلی کرتا ہے، قرآن کا صاف صاف اعلان ہے۔

یـأیهـا الناس إنا خلقنا کم من ذکر وأنثیٰ وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم . (حجرات:۱۳)

''اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو ایک مرد سے اور ایک عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے، تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو، بیشک تم میں سب سے زیادہ

اللہ سے ڈرنے والا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے۔"

قرآن کا یہ اعلان برحق کسی محدود وقت یا قوم کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی مخاطب قیامت تک کے لئے پوری نوع انسانی ہے، اس کے علاوہ کرامت وفضیلت کی کوئی میزان نہیں ہے اور اگر ہے تو بلاشبہ وہ احمقانہ اور جاہلانہ ہے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ (من أکرم الناس) لوگوں میں سب سے معزز اور بلند کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ارشاد فرمایا: (أتقاکم) جو ان میں سے سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم یہ بات نہیں پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے معزز یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی تھے، اور اللہ کے نبی کے بیٹے اور نبی کے پوتے اور خلیل اللہ کی اولاد میں سے تھے، صحابہ کرامؓ نے کہا کہ حضور ہم یہ بھی نہیں پوچھ رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ عرب کے قبائل کے بارے میں تم دریافت کررہے ہو؟ تو سن لو کہ دور جاہلیت کے معزز لوگ اسلام میں بھی معزز سمجھے جائیں گے بشرطیکہ انہوں نے دین کو خوب سمجھ لیا ہو۔

غور فرمائیے کہ یہاں بھی عزت وبلندی کا معیار دین کی سمجھ اور خوف خدا ہی بتایا جارہا ہے، ورنہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ آپ عرب قبائل کے بڑے لوگوں کو جو اسلام قبول کرچکے تھے، محض اس لئے معزز قرار دیدیتے کہ وہ لوگ، خاندانی اعتبار سے بلند ہیں، اسلام کا یہی تصور فضیلت وکرامت تھا جس نے غلاموں اور آقاؤں کو، عرب اور عجم کو، کالے اور گورے کو ایک صف میں کھڑا کرکے دنیا کے سامنے وحدت واتحاد کا وہ نمونہ پیش کیا جس کو دنیا کے بڑے بڑے عقلاء وحکماء سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں جب یورپ نے اسلام پر حملہ شروع کیا، اور اسلامی تعلیمات کو غلط قرار دینے کا منصوبہ بنایا، تو اسلام کی مخالفت میں وہاں رنگ ونسل اور قوم ووطن کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا اور غلام وآقا کی تفریق نے زور پکڑا، چنانچہ رنگ ونسل کے

امتیاز کا رجحان ایک مصیبت کی شکل میں لوگوں پر مسلط ہو گیا، اور ہر شخص اپنے آپ کو اونچی نسل اور دوسرے کو پست طبقہ کا فرد ثابت کرنے کی کوشش میں لگ گیا، اسی کے نتیجہ میں سامراجی ذہنیت کا وجود ہوا، اور وہ پوری دنیا پر ایک عذاب بن کر مسلط ہونے لگی، یورپ اپنے آپ کو آقا سمجھ کر تمام قوموں پر اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے لگا، بیسویں صدی میں یہ کوشش اس قدر آگے بڑھی کہ آخر کار دنیا میں دو عظیم جنگیں برپا ہو کر رہیں، اور کروڑوں افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

فضیلت اور برتری کا جو معیار اسلام نے پیش کیا ہے اس کے سوا جس معیار کو بھی ہم اپنائیں گے یا صحیح سمجھیں گے وہ بالکل غلط ہوگا اور اس کا نتیجہ کشمکش، مصائب پریشانیوں اور جنگ وجدال کی شکل میں رونما ہو کر رہے گا، دنیا میں موجودہ کشمکش اور جنگ کے خطرات کا جو تصور قائم ہے اس کی سب سے بڑی وجہ اگر غور کیا جائے تو صرف عزت ووقار کا غلط معیار ہے جس کو ہر فریق نے اپنی محدود عقل کی بنیاد پر قائم کر رکھا ہے، عزت ووقار کے اس غلط معیار کو جب تک ختم نہ کیا جائے اور صحیح معیار کو سامنے رکھا نہ جائے، جنگ کی مصیبتیں اور خطرات قطعاً دور نہیں ہو سکتے، دنیا کی دونوں گذشتہ بڑی جنگوں میں ہمارے لئے عبرت کا سامان موجود ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

☆☆☆

بیداری کے آثار☆

قربانی اور جدو جہد کے ساتھ اخلاص کی ضرورت!

میخانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد　　خون رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد　　بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا

گزشتہ دنوں بہار واڑیسہ اور مغربی بنگال کے مختلف شہروں میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اس نے پوری قوم میں ایک عام توجہ اور بیداری کی فضا پیدا کردی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۸۔۹ر اگست ۱۹۶۴ء کو لکھنؤ میں مسلم مجلس مشاورت منعقد ہوئی، جس میں مسلمانوں کے تحفظ وبقاء اور ان کے اس ملک میں ایک زندہ و فعال قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا، آئے دن ہونے والے فسادات کی مذمت کی گئی، اور مسلم دشمنی کے جذبات کو ملک وقوم کے لئے خطرناک بتایا گیا، مجلس مشاورت نے متعدد قراردادوں کے ذریعہ حکومت کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ مسلمانوں کے دستور میں دیے گئے حقوق کی پامالی کا دروازہ بند کردینا چاہئے، اور ان کو اسی ملک کا ایک ایسا قومی عنصر شمار کرنا چاہئے جس نے ملک کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور جنگ آزادی میں جس کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

مجلس مشاورت نے صرف قراردادوں اور تجاویز پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے اپنے

☆ ۱۹۶۴ء میں بہار واڑیسہ میں مسلمانوں پر جو قیامت صغریٰ ٹوٹی، اس کے بعد مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا، یہ مضمون ''تعمیر حیات'' ندوۃ العلماء کے اداریئے کے طور پر لکھا گیا، اور اشاعت پذیر ہوا۔

پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک کے مختلف مقامات کا دورہ شروع کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمان مایوسی اور حد درجہ کی بے اعتمادی کا شکار ہو گئے تھے، ان میں آس اور امید کی شمع پھر روشن ہوئی، اور ایک بڑی حد تک ان میں اعتماد کی فضا بحال ہوئی، ان کو یہ بات بالکل صاف محسوس ہوئی کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہنا بالکل غلط ہے، اور موہوم خطرات کے پیش نظر خود اعتمادی کو ختم کر کے آخری وقت کا انتظار شروع کر دینا زبردست حماقت اور انتہائی بزدلی کی بات ہے۔

مجلس مشاورت کا اگر کوئی کارنامہ ہو تو یہی اس کا سب سے بڑا اور روشن کارنامہ ہے، اگر ہمارے ملک کے مسلمانوں میں پست ہمتی، بے اعتمادی اور مایوسی کی فضا ختم ہو کر بلند ہمتی، خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کی فضا پیدا ہو جائے، وہ اپنے آپ کو ایک متحرک اور زندہ قوم کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان پر ایسی ایسی قیامتیں ٹوٹتی رہیں جو رورکیلا، جمشید پور، کلکتہ اور رائے پور کی یاد پھر تازہ کر سکیں۔

مسلم کش فسادات اور بالخصوص بہار و اڑیسہ کی دردناک تباہی اور لرزہ خیز قیامت نے جہاں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور اپنے درد کا درماں سوچنے پر آمادہ کیا، وہیں برادران وطن کی اس شریف و انسانیت نواز عنصر کو بھی ظلم و بے دردی کے اس خونی ڈرامہ نے چونکایا اور انہوں نے اس سیلاب کو روکنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، اور مسلمانوں کے دوش بدوش اس مہم کو آگے بڑھانے کے لئے تیار ہوئے۔

غالباً اسی ہمدردی و تعاون کے نتیجہ میں ۲۹۔۳۰ نومبر ۱۹۶۴ء کو دہلی میں آل انڈیا قومی جمہوری کنونشن کا انعقاد ہوا، اس کا بھی مقصد یہی ہے کہ وہ ملک کی اس ناخوشگوار فضا کو بدلے اور مسلمان اقلیت پر ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کا انسداد اور خاتمہ کرے، اور اس تحریک یا عنصر کو دبائے جو فرقہ پرستی کو ہوا دیتی ہو اور جس سے ملکی اتحاد کا شیرازہ منتشر ہونے کا اندیشہ ہو، نیز ملکی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی فضا پورے ملک میں پیدا ہو۔

بلاشبہ یہ مقصد بہت نیک اور مبارک ہے، لیکن اس کو بروئے کار لانے اور اس کو عملی

شکل میں ملک میں نافذ کرنے کے لئے بے پناہ جدوجہد، بے انتہا کوشش اور پورے اخلاص کی ضرورت ہے، اگر اخلاص، قربانی اور جدوجہد کے جذبہ سے کام شروع کیا گیا، اور اس کے لئے اسی طرح مخلصانہ جدوجہد اور کوشش شروع کی گئی، جس طرح مجلس مشاورت نے شروع کی ہے، تو امید ہے کہ یہ کوشش بھی نتیجہ خیز ثابت ہوگی، اور اس سے نہ صرف ملک کے مسلمانوں بلکہ پورے ملک کو فائدہ پہونچنے کی توقع ہے۔

اس وقت مسلم قوم کے سامنے صرف یہی ایک مسئلہ نہیں ہے کہ فسادات اور عام قتل وغارت کا سلسلہ بند ہوجائے، بلکہ سب سے بڑا مسئلہ اس وقت ان کی صحیح اور مخلص قیادت کا ہے، اگر یہ چیز حاصل ہوگئی اور مسلمانوں کی قیادت کی باگ وڈور کسی ایسے ہاتھ میں آئی جو محبِ وطن ہونے کے ساتھ ساتھ محبّ انسانیت مخلص اور بے لوث ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقت کا ایک بڑا مسئلہ حل ہوجائے گا، اور مسلمانوں کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو وہ سنبھال سکے گا۔

ہم کو یقین ہے کہ اگر یہ کام اس نقطۂ نظر سے شروع کیا گیا تو خواہ مجلس مشاورت ہو یا قومی جمہوری کنونشن، ہر ایک کے لئے یہ میدان خالی ہے، بلکہ وہ اپنے رہنما اور قائد کا منتظر ہے، مقصد کے اعتبار سے دونوں جماعتوں کا مطمح نظر ایک ہے، اور کسی ایک کے لئے دوسرے میں کوئی تضاد نہیں ہے، طریقۂ کار میں اختلاف کے باوجود بنیادی مقصد میں اتحاد، ہم آہنگی اور پورا اتفاق، کامیابی کا پیش خیمہ ہے۔

اب جبکہ ملک میں بجائے ایک مجلس مشاورت کے جمہوری کنونشن بھی موجود ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ ملک کی فرقہ وارانہ فضا کے بدلنے اور مسلمانوں میں قومی شعور بیدار کرنے اور خود اعتمادی و بلند حوصلگی کا جذبہ پیدا کرنے میں ہر ایک کو دوسرے سے بڑی مدد ملے گی اور ہر ایک کے لئے دوسرے کا وجود تقویت کا باعث ہوگا، خدا کرے ہماری یہ تمنا برآئے۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہوچکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

(علامہ اقبال)

خود اعتمادی کی ضرورت

مسلمان اس وقت جن مسائل سے دوچار ہیں ان کی اہمیت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو، یہ مسائل ہمیشہ پیش آنے والے دوسرے نت نئے مسائل کی طرح نہیں ہیں کہ ان سے سرسری طور پر گذر جانا کافی ہو، اور نہ محض رسمی طور پر کسی کانفرنس یا کنونشن کے ذریعہ ان کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات رسمی کانفرنسوں اور روایتی جلسوں سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔

ہم جس مرحلے سے گذر رہے ہیں وہ ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے، اس وقت ہماری ذراسی غلطی یا غفلت آئندہ نسلوں کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے اور ہمیشہ کے لئے ذلت وغلامی کے طوق میں ہم جکڑے جاسکتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان میں متعدد ایسی جماعتیں اور پارٹیاں سرگرم عمل ہیں، جو مسلمانوں کے وجود کو بھی کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ اپنی انتہا پسندی اور بیحد خطرناک قسم کی تنگ نظری کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ایک بدیسی اور دخیل قوم تصور کرتی ہیں، ان کے نزدیک قوم مسلم، ملک کے دستوری حقوق سے متمتع ہونے کے کسی حال میں مستحق نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان اس ملک کو خالی کردیں، ورنہ پھر ان کو اکثریت کے ساتھ اس طرح رہنا ہوگا کہ وہ ان سے کسی حال میں مختلف نہ ہوں، زبان وکلچر، رسم ورواج حتیٰ کہ مذہب تک میں ان کے پابند بن کر رہیں۔ اور اپنی پوری زندگی کو اکثریت کی زندگی کے رنگ میں رنگ لیں، دوسرے الفاظ میں وہ نام کو خواہ مسلمان کہلائیں، لیکن دراصل وہ غیر مسلم ہوں، ان کے نزدیک ہندوستان خالص ہندوؤں کا ملک ہے:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجی ست

اس وقت ملک میں علانیہ یہ تحریک چل رہی ہے اور بعض علاقوں میں ہندومہا سبھا اور جن سنگھ کی طرف سے کھل کر یہ نعرہ لگایا جارہا ہے کہ مسلمان ملک چھوڑ دیں ۔اس سلسلہ میں کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں اور اس مسئلہ کو فوری طور پر حل کرنے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالنے وغیرہ کی تجویزیں پاس ہورہی ہیں، کہیں دستخطی مہم کا آغاز ہورہا ہے تو کہیں مسلمانوں کو دھمکایا جارہا ہے، اور ان سے اس طرح کی باتیں کہی جارہی ہیں کہ وہ خود ہی ہراساں ہوکر پاکستان یا کہیں اور چلے جائیں۔

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا مسلمان کا اس ملک سے نکل جانا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ یہ فرقہ پرست اور متعصب و تنگ نظر جماعتیں سمجھ رہی ہیں؟ کیا وہ مسلمان جس نے جنگ آزادی میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ملک کو غداری سے نجات دلانے کے لئے ایک صدی سے زیادہ تک مسلسل جنگ کی ہے اور اپنے خون سے ملک کے ایک ایک ذرہ کو سینچا ہے، وہ مسلمان "ملک چھوڑو" جیسے بیہودہ نعروں سے مرعوب ہوکر ہندوستان کو جو اس کا ملک ہے اور جس کے چپہ چپہ پر اس کا پورا حق ہے اتنی آسانی سے چھوڑ کر چلا جائے گا، جتنی آسانی سے ان فرقہ پرور عناصر نے اس کا نعرہ بلند کیا ہے؟

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا موقف متعین کریں، اور حکومت کے سامنے اپنی پوزیشن کو نہایت واضح الفاظ میں پیش کرنے کی عادت ڈالیں اور صاف صاف اس بات کا اعلان کریں کہ مسلمانوں کا حق اس ملک کے ذرہ ذرہ پر اتنا ہی ہے جتنا کسی اور قوم یا جماعت کا ہوسکتا ہے۔ وہ ملک کے تمام مسائل وحالات اور ہر نشیب وفراز میں برابر کے شریک ہیں، اور ان کو یہاں کی تمام روایات وخصوصیات اور تمام مسائل ومشکلات میں حصہ لینے اور اس کے لئے سوچنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ مسلمان ان بزدلانہ حرکتوں اور آگ وخون کی داستانوں سے متاثر ہوکر ایک بزدل اور کمزور قوم کی طرح اپنی سارے ملکی وملی آثار کو چھوڑ کر چلے جائیں، یا یہاں رہ کر اپنی تمام دینی اور روایتی

خصوصیات اور تشخص سے عاری ہو کر اکثریت کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اور ہر ظلم و نا انصافی کے آگے سر جھکا دیں اور ہر ستم پیشہ اور جفا شعار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

اس حقیقت کے اظہار میں ہم کو ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو یہاں ہر قیمت پر مسلمان بن کر رہنا ہے اور اپنی تمام اسلامی خصوصیات اور دینی وملی روایات سے وابستہ رہ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر رہنا ہے، ہماری سب سے بڑی کمزوری اور ذلت ورسوائی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم اپنی اکثر اسلامی خصوصیتوں سے عاری ہو گئے ہیں، دینی امور میں ہم بیحد کمزور ہو کر رہ گئے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم کو ڈرانے والے ڈرا رہے ہیں، نکالنے والے نکالنے کی سازشیں کر رہے ہیں، اور ہم حکومت سے رحم کی اپیل کر رہے ہیں، انصاف کی بھیک مانگ رہے ہیں، مساوات اور سکولرازم کے نام پر اس کی دہائی دے رہے ہیں اور ہر وہ کام کرنے پر آمادہ ہیں جو ایک مسلمان کی لئے ننگ و عار بلکہ ذلت وغلامی کے مرادف ہے۔ اگر ہم کو من حیث القوم زندہ رہنا ہے، اور اپنا بلند منصب دنیا سے تسلیم کرانا ہے تو ہم کو ان حقیر و ذلیل حرکتوں سے باز آنا ہوگا، انصاف کی بھیک مانگنا، رحم کی اپیل کرنا، انسانیت کا واسطہ دینا اور ذلت کی اس حد تک پہونچ جانا جہاں ہم چوہے بلیوں کی طرح قتل کر دیئے جائیں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح مسل دئے جائیں، کسی خوددار، اور باعزت قوم کا شیوہ ہرگز نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ مسلمان قوم کا جو دنیا کی سب سے اعلیٰ وارفع قوم ہے اور جس کا منصب اس دنیا میں خلافت کا وہ عظیم منصب ہے جس پر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے۔

ہمارے مسائل کا حل صرف خدا پر صحیح بھروسہ اور خود اعتمادی میں مضمر ہے، ہم کو اگر زندہ رہنا ہے اور عزت کی زندگی گذارنا ہے تو ہم کو مسلمان قوم کا صحیح اور مکمل نمونہ بننا ہوگا، ایمان اور غیرت کی دبی ہوئی چنگاری کو پھر سے روشن کرنا ہوگا، اسلامی خصوصیات وروایات سے سرتابی کے بجائے ان کو اپنانا ہوگا، اور دنیا کو یہ بتانا ہوگا کہ اسلام ایک مثالی اور مکمل مذہب ہے، جس کے ماننے والے بھی مثالی اور مکمل ہوتے ہیں، ہم کو اپنی ہر چیز میں تبدیلی لانی ہوگی، رفتار وگفتار میں، لباس وپوشاک میں، شکل وصورت میں، دکان ومکان

میں، جب تک ہماری ہر چیز اور ہر بات اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ نہ ہوگی، دوسری قومیں ہم سے متاثر نہیں ہوسکتیں اور نہ ہم کو قابل اعتنا سمجھ سکتی ہیں۔

آج اگر ہم اپنی مجموعی زندگی کا جائزہ لیں تو ایک دو فیصدی بھی اسلامی زندگی کا کوئی حصہ اس میں نظر نہیں آئے گا، اس کی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ہم مسائل کو صرف اسباب ووسائل کی راہ سے سوچتے ہیں، وسائل ہی کو ہم نے کامیابی اور ناکامی کا معیار تصور کرلیا ہے اور اسی نہج پر سوچنے کے ہم عادی ہوگئے ہیں، ایمان کی قوت، خدا پر توکل کی وہ عظیم طاقت جو مسلمانوں کا اصل سرچشمہ ہے ہمارے اندر موجود نہیں رہی اور اسی چیز کے فقدان نے ہم کو آج اس سطح پر پہونچا دیا ہے، جہاں سے ہم کو بجز مادیت اور ظاہری اسباب ووسائل کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمانوں نے اگر کوئی کنونشن یا کانفرنس منعقد کی تو بلاشبہ اس کے اثرات نتیجہ خیز ہوسکتے ہیں، لیکن اپنی داخلی اصلاح اس کے ساتھ بیحد ضروری ہے۔ قلب وباطن جب تک صحیح نہ ہوگا اور اسلامی خصوصیات اور اپنی ملی روایتوں کو جب تک ہم نہیں اپنائیں گے اور اپنے وطن میں رہنے کا جب تک ہم عزم مصمم نہیں کریں گے اس وقت تک پوری کامیابی ناممکن ہے۔ قرآن مجید کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے:

وأوحينا إلى موسىٰ وأخيه أن تبوا لقومكما بمصر بيوتا، واجعلوا بيو تكم قبلة وأقيموا الصلاة وبشر المؤ منين

(سورہ یونس ع ۱۳)

ترجمہ: ''اور حکم بھیجا ہم نے موسی اور ان کے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں گھر، اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رو، اور قائم کرو نماز، اور خوشخبری دو ایمان والوں کو''۔

اپنے وطن میں رہنے اور گھر بنانے اور گھروں کو قبلہ رو بنانے کا حکم اس لئے دیا جارہا ہے تاکہ وہ اسلامی گھر کی علامت سمجھا جائے اور اس کے بعد نماز قائم کرنے کا حکم ہے، اگر ہم

غور کریں تو صاف ظاہر ہوگا کہ قوموں کی زندگی وموت کا سب سے بڑا انحصار ان کی قومی وملی روایات وخصوصیات پر ہے۔ اگر انہوں نے اپنی ان خصوصیات کو پسِ پشت ڈال کر اور اپنا قومی ومذہبی امتیاز ختم کر کے دوسروں کی زندگیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھا یا اپنی روایات کو بالائے طاق رکھ کر غیروں میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان کا امتیازی نشان جاتا رہا تو بلاشبہ یہ زندہ قوموں کی علامت نہ ہوگی اور نہ ایسی قومیں دنیا میں اپنا کوئی مقام پیدا کرسکتی ہیں۔

ہر اقدام سے پہلے ہم کو یہ طے کر لینا ہے کہ ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے ہم کو مسلمان رہنا ہے۔ اور اپنی اسلامی شان کا ہم کو ہر جگہ اور ہر وقت مظاہرہ کرنا ہے، اسلامیت سے جدا ہو کر حکومتوں کے رحم وکرم پر جینا، انصاف کی اپیل کرنا اور انسانیت کا واسطہ دینا، مسلمان جیسی عظیم اور زندہ ومتحرک قوم کا شعار ہرگز نہیں ہوسکتا، آج کی سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ ہر چیز کا مداوا ہم دوسروں میں ڈھونڈتے ہیں اور خود اپنے منصب ومقام سے یکسر غافل ونا آشنا ہیں۔

کرسکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

☆☆☆

ہماری سب سے بڑی ذمہ داری

ہمارے ملک میں قدیم عہد سے ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے تنگ نظری اور تعصب، کا رجحان پایا جاتا ہے، لیکن یہ رجحان اس جمہوری دور میں اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرنے میں کوئی شرم وحیا محسوس نہیں کی جاتی کہ مسلمان اس ملک کے اصل باشندے نہیں ہیں، اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو وہ اکثریت کی تہذیب یعنی ہندو تہذیب میں ضم ہو کر اور ہندو بن کر رہیں، وہ اسلامی روایات، اسلامی تہذیب اور اسلامی زندگی کی خصوصیات کو قطعاً ترک کر دیں، اور اکثریت کے نقش قدم پر چلنا سیکھیں۔

ان خیالات کو اس ملک کی رجعت پسند اور تنگ نظر فسطائی جماعتیں پوری قوت سے پھیلا رہی ہیں۔ اور غیر مسلم افراد کے ذہن میں مسلمانوں کے متعلق ایسا نقشہ جمانا چاہتی ہیں جس سے ان کے اصل کردار پر پردہ پڑ جائے۔ اور عوام کی نظر میں ان کی حیثیت ایک دخیل اور ظالم و جابر قوم سے زیادہ کی نہ ہو جس کا اس ملک کی سرزمین میں کوئی حصہ، اور اس کو یہاں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

یہی دراصل وہ فسطائی ذہنیت ہے جو نہ صرف ہندوستان کے لئے ایک عظیم خطرہ کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ذہنیت جس ملک میں بھی پائی جائے گی وہ ملک سب سے پہلے اخلاقی حیثیت سے تباہ ہوگا اور پھر ہر طرح کی تباہی اس کا پیچھا کرے گی، افسوس آج ہمارے ملک میں ایک مخصوص طبقہ کی طرف مسلمانوں کے لئے تنگ نظری اور تعصب

پھیلائے جانے کی زبردست مہم جاری ہے، مسلمانوں کی تاریخ مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کا اندازہ سرکاری نصاب میں داخل شدہ اس لٹریچر سے ہوتا ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے تاریخی حقائق سے بالکل عاری اور منگھڑت تاریخ کا مرقع ہے، یہ اس ملک کی عالمی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمان جو اپنی ذات سے بڑی سے بڑی اکثریت شمار ہو سکتے ہیں، اس درجہ غیر مامون اور مظلوم ہو چکے ہیں کہ وہ آئے دن زبردست فرقہ وارانہ ہنگاموں کا شکار ہوتے رہتے ہیں وہ اپنی جان و مال کی طرف سے اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ فرقہ پرور جماعتیں جب چاہیں ان پر حملہ آور ہو جائیں اور ان کے ساتھ وہ تمام سلوک کر ڈالیں، جس کی مثال جنگل کے درندوں میں بھی نہیں مل سکتی، کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ صرف ۲/ ماہ کے قلیل عرصہ میں ایک درجن فرقہ وارانہ فسادات ہو جائیں اور ان میں بعض تو اتنے بڑے پیمانے پر اور اتنے ہولناک ہوں کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہو۔

یہ دراصل اس فسطائی ذہنیت کی ابتدائی کوشش ہے جو کسی قیمت پر اس ملک میں مسلمانوں کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، جو سرے سے اسلام اور مسلمانوں کے نام کو اس ملک کے چپہ چپہ سے مٹا دینا چاہتی ہے، جس کو کسی حال میں یہ گوارا نہیں کہ ہندوستان میں ہندو قوم کے سوا کوئی اور قوم اور ہندو مذہب و تہذیب کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب و تہذیب زندہ رہے، اس کا نعرہ ہے کہ ہندوستان ہندو کا ہے، مسلمانوں کا اس ملک میں کوئی حق نہیں۔

اس فسطائی ذہنیت کے علمبرداروں اور تنگ نظری کے اس رجحان کو پھیلانے والوں سے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب تم اس ملک کی خارداروادیوں میں اور وحشت و بربریت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہے تھے، جب تم اس ملک میں تہذیب و تمدن نام کی کسی چیز سے واقف نہیں تھے، جب تم زندگی کے اصول و آداب سے یکسر محروم

تھے، جب اخلاق کی عظمت و بلندی اور انسانیت کے بلند مقام کی تم کو خبر بھی نہ تھی، جب انسان اور حیوان کو تم ایک ہی سطح کی دو مخلوق سمجھتے تھے، جب تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کو اس قدر ملچھ اور ناپاک تصور کرتے تھے کہ وہ اگر تمہاری طرف سے گذر جائے تو قابل گردن زدنی ہو جاتا ہے، جب تم علم وادب، شرافت اور اخلاق کی قیمت نہیں سمجھتے تھے تو کس نے تم کو ان سب باتوں کی تمیز عطا کی، کس نے تم کو انسانیت کے ہمہ گیر تصور سے آشنا کیا، اور کس نے تم کو ایک بلند و بالا اور پر کشش تہذیب سے نواز!

مجھے کہنے دو کہ یہ صرف اسلام کا ابر کرم تھا جو تمہاری خشک و بنجر زمین پر برسا، اور اس خارزار وادی کو گلشن و گلستاں بنایا، یہ اسلام ہی کی نعمت تھی جس کو تمہارے آباء واجداد نے سینے سے لگایا، اور یہ اسلام ہی کا چراغ تھا جس نے اس ملک کے ذرہ ذرہ کو آفتاب بنایا۔ آج بھی اسلام ہی کے خوان نعمت سے تم مستفید ہو رہے ہو، اسی کی لائی تہذیب و انسانیت کے صدقے تم اس ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن رہے ہو، اور اسی کے روشن کئے ہوئے راستے سے گذر کر تم اقوام عالم کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل ہو رہے ہو.........!

اسلام کا یہ احسان تم پر معمولی نہیں، اگرچہ تم نے اسلامی تعلیمات کو قبول نہیں کیا، اور اس کو مذہب کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا، لیکن اسلام نے تمہاری زندگی کے ہر گوشہ پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اس کے عظیم احسانات سے تم کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، آج تم اسی اسلام کو اور اس کے ماننے والوں کو ملک کا دشمن قرار دیتے ہو، اور کہتے ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی اس ملک میں کوئی گنجائش نہیں، یاد رکھو! اگر اسلام اور مسلمانوں کے وجود سے یہ ملک محروم ہو گیا تو پھر وہی جنگل کا قانون یہاں رائج ہوگا اور غیر ملکی سامراجی درندے تم کو غلام بنا کر اسی تاریک عہد کی یاد پھر تازہ کر دینگے جس سے نکلنے کے لئے تم نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر آزادی کی جنگ لڑی تھی۔

مسلمان اس ملک میں برابر کا حقدار ہے، اس نے اس ملک کی جتن کے لئے اور اس کو ترقی دینے کے لئے جو قربانیاں دی ہیں وہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، اس نے اس

ملک کو آزاد کرانے کے لئے جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا، قدر ناشناسی اور احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر کوئی اور مثال نہیں ہو سکتی کہ تنگ نظروں کا ایک طبقہ اٹھے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کے لئے قتل وغارت کی ایک منظم تحریک چلائے، اور ان کی نسل کشی کے لئے طرح طرح کی اسکیمیں تیار کرے اور اس کو فسادات کے نام پر نافذ کرے۔

تنگ نظری کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے عظیم کارناموں اور ان کی خدمات اور قربانیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے، اور ان کو طرح طرح سے ستایا اور پامال کیا جائے، تاکہ وہ ملک چھوڑنے یا قدیم ہندوستانی تہذیب میں ضم ہو جانے پر مجبور ہو جائیں۔

"مسلمان ہندوستان چھوڑ دیں" کا نعرہ لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ مسلمان کیوں ہندوستان چھوڑ دیں، کیا ہندوستان ان کا ملک نہیں ہے، کیا اس ملک کے خمیر سے وہ نہیں تیار ہوئے ہیں؟ اگر یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے جو کچھ اس ملک کو دیا، کسی قوم نے نہیں دیا۔ انہوں نے اس ملک کی جو خدمت کی کسی نے نہیں کی، تو یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ہمیشہ اس ملک میں رہیں گے، اور کسی کو مسلمانوں کے لئے ہندوستان چھوڑنے کا نعرہ لگانے کا کبھی کوئی حق نہیں پہونچتا، اور جو ایسا کرتا ہے وہ اخلاق، انسانیت اور ضمیر کی عدالت میں سب سے بڑا مجرم ہے۔

ان حالات میں جبکہ مسلمانوں کے وجود کو برداشت کرنے کی قوت دن بدن اس ملک کے لوگوں میں کم ہوتی جارہی ہے اور اسلام و مسلمانوں کو مٹانے اور ان کی تہذیب وروایات کا خاتمہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے، ہم پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی طور پر نافذ کرنے کی پوری کوشش کریں، ہم اپنی اسلامیت کو اپنی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں کرنے کی کوشش کریں، اسلامی شعار وروایات پر ذاتی زندگی میں اور سوسائٹی میں ہر طرح عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کریں، اسلام کے بنیادی عقائد وارکان پر اپنے ایمان کو زیادہ سے زیادہ پختہ بنائیں اور اس کے

رنگ کو ہر شعبۂ زندگی میں غالب کرنے کی کوشش کریں۔

ان حالات کا خاموش مقابلہ ہم اسی طرح کر سکتے ہیں کہ جتنا ہی ہماری تہذیب کو مٹانے کی کوشش کی جائے، اسی قدر ہم اس کو نمایاں کریں اور اس پر پابندی برتیں، آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد (جس میں اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں) اپنی تہذیب وروایات سے غافل ہوکر شعوری یا غیر شعوری طور پر دوسری تہذیبوں سے متاثر ہو چکی ہے، وہ بہت سے غیر اسلامی تہواروں میں یا ان تقریبات میں جن کا مسلمانوں سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ بالکل ان کے ماننے والوں ہی کی طرح حصہ لیتی ہے یا ان کو صحیح سمجھنے لگی ہے جس کا مشاہدہ ہم اکثر مواقع پر کرتے رہتے ہیں۔

ہماری ذمہ داری یا ہمارا پیغام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا کہ ہم حالات کے سامنے سپر انداز ہونے سے بچنے کی کوشش کریں، بلکہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی تمام ملی اور قومی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے ان حالات کو بدل دیں جو آج ہماری سب سے بڑی تباہی و بربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب ہیں.........دوسروں کی طرف سے پیدا کئے ہوئے حالات سے پہلے ہم کو اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس حد تک مسلمان ہیں اور کہاں تک اسلامی خصوصیات ہمارے اندر پائی جاتی ہیں، اگر ہم نے اپنے حالات کا صحیح جائزہ لے کر ان کو بدلنے کی کوشش کی تو باہری دنیا سے جو حالات ہم پر مسلط ہو گئے ہیں وہ خود بخود بدلنے لگیں گے۔

پروپیگنڈے کی نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے

آج پروپیگنڈہ کی اثرانگیزی مسلم ہوچکی ہے، معمولی سامانوں کو پروپیگنڈہ کے ذریعہ نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ مقبول عام بنادیا جاتا ہے، پچھلے زمانوں میں یہ طریقہ سامان تجارت اور مادی چیزوں میں استعمال کیا جاتا تھا، لیکن ترقی کے اس نئے دور میں پروپیگنڈے میں بھی ترقی آئی اوراس کا دائرۂ کارزندگی کے تمام گوشوں میں پھیل گیا، انسان کے وہ ذاتی اور انفرادی پہلو جو ''راز'' ہوتے ہیں ان میں بھی ان کا عمل دخل ہوگیا، پوشیدہ طور پر انجام دی جانے والی عبادات اور معنوی خوبیوں میں بھی پروپیگنڈہ کا عمل شروع ہوگیا۔ اس ہمہ گیراور ہمہ جہت پروپیگنڈے نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی ہے، پورے انسانی معاشرہ میں پروپیگنڈہ کی اشد ضرورت محسوس کرلی گئی ہے ۔ پہلے تو انفرادی طور پر پروپیگنڈہ کا کام کرنے والے خاص خاص افراد ہوتے تھے، لیکن اب تو اس کے لئے باضابطہ کمپنیاں قائم ہیں، جو ہر طرح کے پروپیگنڈہ کی خدمات انجام دیتی ہیں اور کسی بھی کام یا کسی سرگرمی کا اپنے محدود دائرے میں بھی رواج وشہرت پانا یا اس کا عام ہونا ان کمپنیوں یا ان میں کام کرنے والوں کے بغیر ممکن نہیں رہا ہے۔

رفتہ رفتہ لوگوں کا یہ مزاج بھی بن گیا ہے کہ پروپیگنڈہ کے ذریعہ آنے والی ہر چیز ان کے نزدیک قابل اعتماد اور پسندیدہ ہوتی ہے، خواہ اس کے بالمقابل چیز کتنی ہی قیمتی نفع بخش اور اچھی کیوں نہ ہو، پروپیگنڈہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل قبول نہیں ہوتی، لوگوں نے صرف مادی زندگی میں اس طریقہ پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ ہر دینی عمل کی قدر وقیمت بھی پروپیگنڈے کے

اعتبار سے متعین کرنے لگے ہیں۔ جن کاموں میں خوب خوب پروپیگنڈہ اور نشر و اشاعت کے وسائل استعمال کئے جاتے ہیں، وہ نہایت مہتم بالشان تصور کئے جاسکتے ہیں، اس کے بالمقابل جن امور میں یہ وسائل استعمال نہیں ہوتے ہیں، انھیں یہ مقام حاصل نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہر شخص کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی پیداوار اور مصنوعات کو پروپیگنڈہ کے وسائل کی زینت بنائے اور بڑے پیمانہ پر اس کی شہرت اور اس کا چرچا ہو۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی اور اپنے مقصد میں پوری کامیابی نصیب ہوگئی۔

خالص دینی کوششوں کا دعوی کرنے والے لوگ بھی ان کوششوں کو ترقی دینے کے لئے پروپیگنڈہ کے طریقے اختیار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر حال میں اور ہر جگہ ان کوششوں کا چرچا ہو جائے۔ ہر ہر انسان ان سے واقف ہو اور تعریف و پسندیدگی کا اظہار کرے، اس طرح کی شہرت کی مقدار جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی ان کوششوں کی افادیت و اہمیت ثابت ہو جاتی ہے، گویا پروپیگنڈہ نے ''نیت'' کا درجہ حاصل کر لیا ہے، جس کا خالص ہونا عنداللہ مقبولیت کا سبب ہوتا ہے۔

خالص دینی تحریکات اور دینی کاموں میں بھی پروپیگنڈہ کا رنگ آگیا ہے اور بظاہر اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریکات کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جائے، یہ مقصد خدا کی رضا جوئی اور اس کے سامنے سرافگندگی سے زیادہ اہم ہو گیا ہے، ورنہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ پروپیگنڈہ کے خاص طریقوں پر ہی بھروسہ کیا جائے، انسان کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھنے والے مخصوص خصائل و اوصاف اور عبادات کا اظہار زور و شور سے کیا جائے، چندہ دینے والوں اور دیگر نیک کام کرنے والوں کے ناموں کی اشاعت سے کیا مقصود ہے؟ اپنے صدقات اور خیرات کا کھلم کھلا اعلان کیوں کیا جاتا ہے؟ نصف شب کی نماز اور دعا و مناجات کا تذکرہ کرنے کی کیوں کوشش کی جاتی ہے؟

آج ہماری زندگی کے تمام اعمال، تمام سرگرمیاں، ہماری کوششیں اور کاوشیں حقیقت سے بڑھ کر مظاہرے اور دکھاوے پر لگی ہیں، بلکہ واقعہ کی مقدار اور اس کے سائز کو بڑھا چڑھا

کر پیش کیا جاتا ہے۔ بارہا ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بالکل بے بنیاد اور گڑھی ہوئی چیزوں کو حقیقت بنا کر پیش کرتے ہیں اور پھر وہ اس حقیقت پر ایسا اعتماد اور یقین حاصل کر لیتے ہیں کہ شاید ہی کسی حقیقت وصداقت اور سچائی کو وہ یقین واعتماد حاصل ہوتا ہو۔

کیا ایسے لوگ جو دین کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، دعوت کے علمبردار ہیں اور دینداری واخلاق اور تقوی و پرہیز گاری کی صفات کی بنا پر دوسروں سے ممتاز ہیں، ان کے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ خالص وہ اعمال جن کی قدر و قیمت اخفاء اور پوشیدہ رکھنے میں ہے، ان اعمال کے لئے بھی پروپیگنڈے کے تمام طریقے اختیار کریں۔

اگر پروپیگنڈہ اتنا ہی ضروری ہے تو ہمیں اس کی حد متعین کرنی ہوگی کہ اس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہو، بقدر امکان ہمیں اپنی تمام دعوتی سرگرمیوں کو اعلان اور شہرت کے طریقوں میں ملوث کرنے سے پاک کرنا ہوگا، ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ خالص دینی اعمال میں مادی و سائل پر اعتماد کرنے کی عادت ختم کریں، تبھی جا کر یہ ممکن ہو سکے گا کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اخلاص کا عنصر پیدا ہو سکے، ایمان وعمل کے اس قافلہ کو اپنا سفر پیہم جاری رکھنے کے لئے اخلاص کی آج کتنی سخت ضرورت ہے؟!۔

اس کا اندازہ آپ خوب کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم كذلك سخرها لكم لتكبروا الله على ما هداكم وبشر المحسنين۔(حج:۳۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے، نہ ان کے خون، بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا کہ تم اس کی رہنمائی کے شکریئے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو، اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے!“

میرے لئے میرا خدا بس ہے

موجودہ دور کی ساری قوتیں اپنی انواع واقسام اور پورے وجود کے ساتھ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں، اور مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے، ان کی تمام صلاحیتوں وسطوت کو پراگندہ کرنے، ان کی وحدت کو ہر طرح سے پارہ پارہ کرنے اور ان کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی راہ میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہی ہیں کہ مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے، ان کے مادی وروحانی دونوں سرمائے جاتے رہیں، ان کی مملکت اور حکومت کا خاتمہ ہو جائے، ان سب سے مقصود صرف یہ ہے کہ دین اسلام کے نام لیواؤں کی ایسی زار ونزار حالت ہو جائے کہ دنیا کے نقشہ میں وہ پھر ابھر نہ سکیں، نہ عزت وسربلندی کا حصول ان کے لئے ممکن ہو سکے، اور نہ وہ کسی مقام بلند پر اپنے آشیاں کی تعمیر کرنے کے قابل رہ سکیں اور نہ خوش حالی وفارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ان کے لئے آسان ہو۔

اپنے ان ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے وہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف وہراس، اضطراب وبے چینی اور یاس وناامیدی کے بیج بوتے ہیں اور انہیں تباہ وبرباد کردینے کے منصوبے بناتے ہیں، چنانچہ خود ہی ان پر جنگیں مسلط کرتے ہیں، ان کے علاقوں پر حملہ آور ہوتے، ان کے مال ودولت اور سرمایوں کو اپنا حق سمجھتے ہیں، ان کی قوت وسطوت کو برباد کرتے اور انہیں تاریک وبھیانک مستقبل کی راہ دکھاتے ہیں، ان تخریب پسندوں نے اندازہ لگایا ہے کہ مسلمانوں اور عالم اسلام کے سلسلہ میں جلد ہی ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا ہے، ان کے اس خیال کو مزید تقویت اس بات سے مل رہی ہے کہ مسلمانوں میں سے چند غدارانِ قوم

وملت نے چند ٹکوں اور جھوٹے وعدوں پر ان کے ہاتھوں اپنا سودا کر لیا ہے۔ یہ ضمیر فروش، غدار، توقع سے زیادہ اپنے عارضی آقاؤں کے وفادار ثابت ہوئے، انہوں نے ان کے پروگراموں کو کامیاب بنانے اور منصوبوں کو بروئے کار لانے میں ہلاکت وبربادی اور نقصان وتباہ کاری کے ذریعہ پوری سرگرمی دکھائی، آج جو ہمیں سخت آزمائشیں نظر آتی ہیں اور تباہی کے واقعات سننے میں آتے ہیں، نیز خوف ودہشت، جان ومال اور جائداد کا جو خطرہ درپیش ہے اور مسلمانوں کے مفاد سے لاپرواہی اور ان کی طاقتوں کو پراگندہ کرنے کی جو کوشش کی جارہی ہیں، یہ سب ایک ادنیٰ نتیجہ ہے۔ اس عظیم وہمہ گیر سازش کا جو بہت ہی سخت اور پرخطر منصوبہ کے تحت عمل میں لائی گئی ہے۔ اور اس کا نشانہ ہر وہ شخص ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اور مذہب اسلام، اس کی تاریخ، اس کے اخلاق وشریعت کی جانب اپنا انتساب کرتا ہو۔

آج ساری مادی اور نظریاتی قوتیں اسی مقصد کی تکمیل پر متحد ہوگئی ہیں، جس سے اہم اور قابل توجہ ان کے نزدیک کوئی مقصد نہیں، مغرب ومشرق اور شمال وجنوب سب کی نگاہیں ادھر ہی اٹھی ہوئی ہیں، اور پورا عالم ایک ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے، ہر جگہ مسلمانوں کے علاقے اور ان کے معاشرے کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں، تاکہ مسلمانوں کا قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم کردیں۔

اگر آج ہم اپنے ملک ووطن اور معاشرہ کے اندر خوف ودہشت اور سختی وشدت کے پریشان کن حالات سے دوچار ہیں، تو یہ درحقیقت انہیں دشمنانہ کارروائیوں کے نتائج ہیں کہ جو آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہیں، تاکہ ان تمام علاقوں بلکہ ان گوشوں میں بھی ناسازگار حالات پیدا کئے جانے کا راستہ ہموار ہوجائے، جہاں مسلم قوم بودوباش رکھتی، اور اپنی سرگرمیوں کو انجام دیتی ہو، اگر ہم ان خطرناک سازشوں کی طرف سے غافل ہی رہے اور ان کے مقابلہ کی تیاری نہ کی تو وہ دن دور نہیں کہ پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اور کوہ آتش فشاں بن کر ہم پر اس طرح پھٹ پڑے کہ راہ فرار اختیار کرنا ناممکن ہوجائے اور کسی نزدیک یا دور جگہ میں پناہ لینا بھی دشوار ہوجائے۔

قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے، ہمارے لئے ان بلاؤں سے چھٹکارا حاصل کرلینا ممکن ہے، اور وہ اس طرح کہ اپنے ایمان اور عقیدہ کو مضبوط کریں، اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوں ''ففروا إلى الله، إني لكم منه نذير مبين'' (ذاریات: ۵۰) اور اللہ کی طرف آؤ، میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، نیک اعمال کی پناہ لیں اور نیکی وفرمانبرداری کی جانب تیزی سے بڑھیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''نیک کاموں کی طرف جلدی سے بڑھو، جلد ہی ایسے فتنے وجود میں آئیں گے جو شب دیجور کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے، جو صبح کو مؤمن تھا شام تک اس دولت سے محروم ہو چکا ہوگا اور جو شام کو صاحب ایمان تھا، صبح کو دائرۂ کفر میں آچکا ہوگا اور دنیا کی بہت معمولی قیمت پر اپنے دین کا سودا کرلے گا''۔

لہٰذا اس بات پر پختہ یقین کی ضرورت ہے کہ یہی وہ راستہ ہے جس پر گامزن ہو کر ہم ہر طرح کی سازشوں اور مصیبتوں اور ہر قسم کے منصوبوں سے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ اگر ہم نے خداوند حقیقی کی پناہ لی اور اس سے مدد ونصرت کے خواستگار ہوئے تو وہ ہمارے لئے سارے حالات کو بہتر بنادے گا۔ ہمارے لئے سارے اسباب جمع کردے گا، دشمنوں کے ساتھ ہر مقابلہ میں ہمیں سعادت وکامیابی سے سرفراز وسرخرو فرمائے گا۔

☆☆☆

ہم نے کیا تیاری کی ہے؟

ہر دور میں اسلامی نظام پر حملہ کرنے والی جماعتیں اور افراد پائے گئے اور اسلامی اصولوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں بڑے پیمانے پر منظّم تحریکوں کے ذریعہ ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اس دور میں اسلامی قوانین اور شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے خلاف جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ نہ صرف کسی منظّم تحریک کے پس پردہ جاری ہیں، بلکہ یہ اس سازش کی ایک بہت بڑی کڑی ہے جو مخالفین اسلام نے خود مسلمانوں کے اندر اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی غرض سے شروع کی تھیں اور جس کے نتیجہ میں ''تجدد پسند'' مسلمانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو اسلام کو چودہ سو سال پہلے کی ''قدامت'' سے نکال کر موجودہ زمانہ کی ترقیوں کے مطابق کرنا چاہتا ہے اور جس کا خیال ہے کہ قدیم اسلام نئے زمانے کی زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت کھو چکا ہے، اس لئے اس میں کمی زیادتی کا عمل ناگزیر ہے اور ترمیم واصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

یہ ایک بہت بڑی سازش کے کامیاب ہونے کی علامت ہے کہ خود مسلمان اس تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگیں، اور وہ خدا اور انسان کے وضع کردہ قوانین میں کوئی فرق نہ کر سکیں، اور وہ اس حقیقت سے بھی منہ موڑ لیں کہ شریعت اسلامی ایک اٹل اور کبھی نہ بدلنے والا وہ قانونِ الٰہی ہے جو کسی انسان کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہو سکتا اور نہ کسی بشری طاقت کو اس میں ترمیم واضافہ کا اختیار رہی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ رجحان شدت سے پایا جاتا ہے کہ شریعت کو جامد نہیں ہونا چاہئے، اور اصول وقوانین میں لچک اور زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت ضرور ہونی چاہئے

، یہ دراصل اس تشکیکی ذہن اور اس مرعوبیت کی علامت ہے جو مغربی نظام تعلیم کا خاصہ ہے اور جس نے کسی لمحہ بھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ اسلام ان تمام منصوبوں اور پروگراموں کے لئے زبردست خطرہ ہے جو اہل مغرب نے اپنی بالا دستی قائم کرنے اور سیاسی واقتصادی حیثیت سے اقوام مشرق کو بالخصوص اور اقوام عالم کو بالعموم مفلوج کرنے کے لئے بنایا ہے، وہ اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اسلامی نظام اور اسلامی اصولوں کے غالب آنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر طرح کی قیادت وسیادت کی باگ ڈور یورپ کے ہاتھ سے چھن جائے اور مسلمان اصلاً اس دنیا کے قائد بن کر قوموں کے سامنے آجائیں۔

انہوں نے اندلس پر مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کا جائزہ لیا تو انہیں یہ راز اچھی طرح سمجھ میں آیا اور اسی وقت سے وہ اسلامی غلبہ وتفوق کے خلاف ہر طرح کی کوششیں کرتے رہے، اس منصوبے کو علمی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا۔ اور ان تمام طریقوں کا تجزیہ کیا جن کے ذریعہ وہ اسلام کو کمزور بنانے اور اس کے بنیادی عقائد کی عظمت کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے اس کی ہیبت اور اس کے وقار کو نکالنے کی تدبیریں سوچ سکیں، اس سلسلے میں بہت سی ایسی تدبیریں ہو چکی ہیں جن سے اسلام کو براہ راست یا بالواسطہ نقصان پہونچایا گیا، خاص طور سے مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا جو اسلام کی طرف سے نہ صرف یہ کہ غیر مطمئن تھا، بلکہ اسلامی نظام کو ایک فرسودہ، مہمل اور از کار رفتہ نظام تصور کرنے لگا اور اس نے اسلامی قانون کی از سر نو ترتیب وتدوین کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، یہ سازش بہت اوپر سے چل رہی ہے اور مغربی ذہن کی ایجاد ہے، جو یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ یہی وہ تدبیر ہے جس کے ذریعہ اسلامی قانون کی صورت مسخ ہو سکتی ہے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کا بہانہ ایک ایسا فریب ہے جو خیر خواہی کے لباس میں بدخواہی کا بدترین نمونہ ہے، یہ وہ حربہ ہے جو دشمنان اسلام نے اپنے ناپاک منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے اپنایا ہے اور جس سے وہ

سادہ لوح عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں، اجتہاد کا دروازہ یقیناً بند نہیں ہوا ہے اور ہر زمانے میں ایسے مسائل پیش آتے رہے ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت پیش آئی ہے۔لیکن یہ کام ''تشدد پسند'' جماعتوں یا افراد کا نہیں ہے۔ بلکہ ان علمائے اسلام کا ہے جو فقہ اسلام میں گہری بصیرت رکھتے ہوں اور جن کو شریعت اسلامیہ میں عبور اور پختگی حاصل ہو، اور وہ اجتہاد کے مواقع اور اس کی ضرورت سے اچھی طرح واقف ہوں۔

رہے وہ احکام ومسائل جو براہ راست کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور جن کے بارے میں نص وارد ہے وہ کسی حال میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور نہ کسی بڑے سے بڑے صاحب علم وبصیرت کو ان کی طرف نظر اجتہاد اٹھانے کا حق ہی ہے، قرآن کریم نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ:

"ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب، هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب" (نحل:۱۱۶)

''اور کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھو۔''

مسلم پرسنل لا کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے، اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش پیدا کرنا کسی بشر کا کام نہیں ہے اور نہ کسی کو اس بارے میں کوئی اختیار ہی حاصل ہے، یہ آواز ادھر بہت سے مسلم ممالک میں اٹھ رہی ہے کہ اسلامی قانون نظر ثانی کا محتاج ہے، اور بہت سے مسائل میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔بعض مسلم ممالک نے اس طرح کے اقدام کرنے کی جرأت بھی کی ہے۔مگر کسی جرأت یا مطالبہ سے متاثر ہو کر اہل علم، شریعت الٰہی میں تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں، وہ ایک ایسی امانت کے امین ہیں، جس میں خیانت کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کرنے کے مرادف ہے۔

ہمیں اس طرح کے مطالبات کی روح کو سمجھنا چاہئے اور یہ محسوس کرنا چاہئے کہ یہ اور اس طرح کی کوششیں دراصل اسلامی نظام کو پامال کرنے اور شریعت اسلامی کی عظمت

کودلوں سے نکالنے اور اسلام کو خود مسلمانوں کے ممالک میں بے یار و مددگار بنا کر چھوڑنے کی وہ ناپاک سازش ہے جو مسلمان عوام و خواص ہر ایک کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے، لیکن اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یا أیها الذین آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتکم وأنتم تعلمون۔ (أنفال:۲۷)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو۔''

☆☆☆

اسلام اور عقیدۂ ختم نبوت

عقیدۂ ختم نبوت ایک عظیم، واضح اور روشن حقیقت ہے اس کا انکار کرنا اور خاتم النبیین علیہ الف الف تحیۃ وتسلیم کو سلسلۂ نبوت کو مکمل کرنے اور ان کے بعد کسی نبی یا رسول کے مبعوث نہ ہونے کا اعتراف نہ کرنا جادۂ اسلام سے کھلا ہوا انحراف ہے اور اس کی کوئی تاویل وتفسیر کسی حال میں دین اسلام کو منظور نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں جو انگریزوں کے خلاف تھی، اسلامیان ہند کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے سب سے پہلے علمائے اسلام پر یلغار کی اور ان کو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کیا، ان کو یقین تھا کہ ان کے خلاف بغاوت کی قیادت مسلمان عالموں ہی نے کی، لہٰذا سب سے پہلے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے اور ان کا وجود مٹا دینے کی کوشش میں تیس ہزار سے لے کر پچاس ہزار تک علماء کو تختۂ دار پر چڑھانے کے بجائے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا اور دلی سے لے کر یوپی اور پنجاب کے شہروں میں علماء کو درختوں کی شاخوں پر لٹکا کر قتل کرنے کا عمل پورا کیا، ان کا خیال تھا کہ یہ بغاوت تمام تر انھیں علماء کی سازش کا نتیجہ تھی، چونکہ انگریز بھی دین مسیح کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے اللہ کو مانتے تھے، خواہ ان کے مختلف فرقوں میں عقیدۂ تثلیث کے ماننے والے بھی ایک بڑی تعداد میں موجود تھے، اس لئے ان کو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبے کے ماتحت عقیدۂ ختم نبوت کو مٹا دینے کا عمل زیادہ آسان معلوم ہوا، وہ اپنی ذہانت وعیاری سے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ کرنا اور اس کے بارے میں کم سے کم تشکیک کا عمل جاری

رکھنا مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست ہتھیار ہے، اور اس کے ذریعہ ہم امت مسلمہ کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ان کے ایمان کو متزلزل کر سکتے ہیں، اور ان کو ایک کمزور اور عاجز و بے بس امت کی شکل میں زندہ رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے مسلمانوں کے گروہ سے ایسے لوگوں کے خریدنے کا عمل شروع کیا، جو عقلی اور ایمانی حیثیت سے انتہائی کمزور تھے، اور چند سکوں کے عوض بکنے کے لئے نیلام کی منڈی میں اپنے آپ کو پیش کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے تھے، وہ امت مسلمہ میں ایک ایسا فرقہ تیار کرنے کی کوششوں میں انتہائی سنجیدگی کے ساتھ مصروف ہوئے، جو ختم نبوت کے عقیدہ سے دستبردار ہو کر نبوت کے سلسلہ جاری رہنے کا قائل ہو، ان کو اس گروہ کی قیادت کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس ''فریضہ'' کو بخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ اسی تلاش میں تھے کہ اچانک ان کی نظروں نے ایک باوجاہت شخص کو دریافت کرلیا جو ان کے دام فریب میں گرفتار ہو کر اس عقیدہ سے دستبردار ہونے کے لئے نہ صرف یہ کہ تیار ہو گئے بلکہ خود ہی نبوت کا دعوی کر بیٹھے، ان کا نام مرزا غلام احمد تھا، وہ سیالکوٹ شہر میں انگریزوں کے ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم تھے، اس کی وجہ سے وہ انگریز حکام کے ماحول میں متعارف ہو گئے تھے، انگریز اپنی دوربیں نگاہوں سے یہ سمجھ گئے کہ جس شکار کی ان کو تلاش ہے، وہ مرزا غلام احمد کے اندر موجود ہے، چنانچہ ان کو مختلف طریقوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ وہ دراصل امت مسلمہ کے آخری پیغمبر ہیں اور ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، اس کے مطابق وہ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہیں اور امت کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔

اب مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت ہو گئے، اور انگریز کے مقرر کردہ تنخواہ دار نبی بن گئے اور نبوت کا دعوی کر بیٹھے، اور ایک تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا معتقد اور متبع بنالیا، اور اس طبقہ کے ذریعہ سے قادیان کا یہ نیا مذہب اور عقیدہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں معروف و مشہور ہو گیا، انگریزوں نے اس کی زبردست پشت پناہی کی اور مسلمانوں کو عقیدۂ ختم نبوت کا

اصل نبی غلام احمد قادیانی کو بتایا اور قرآن کریم کی ایک آیت میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، اس کو اپنے اوپر منطبق کرنے کی کوشش میں انگریزوں سے ساز باز کر کے امت کو یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ احمد سے مراد مرزا غلام احمد ہیں، یہ سازش اس قدر مستحکم اور پراسرار تھی کہ بہت سے لوگوں کا دھوکہ کھا جانا کچھ زیادہ بعید نہ تھا اور انگریزوں کی سرپرستی اور حکمرانی میں قومِ مسلم کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ بھی کچھ کم نہ تھا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سازش کو ناکام بنا دیا اور ہر قسم کے لاؤلشکر اور مال و دولت کے انبار نے کچھ کام نہ دیا۔

مرزا صاحب کی مخالفت کرنے والوں میں منجملہ اور بہت سے علمائے اسلام کے مشہور عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسری پیش پیش تھے، اور مرزا کی مخالفت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی اس افتراء پردازی کا اعلان کرتے تھے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قادیانیت تحلیل وتجزیہ'' سے ایک اقتباس نقل کر دیا جائے، اس کا عنوان ہے ''وفات'' یعنی مرزا غلام احمد کا انتقال:

> ''مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعوی کیا تو علمائے اسلام نے ان کی تردید ومخالفت شروع کی، تردید ومخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری مدیر ''اہل حدیث'' پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۵/اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ''اگر میں ایسا ہی کذاب ومفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت وحسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام وہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا

ہے، تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔

اور اگر میں کذاب ومفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی مین وارد نہ ہوئیں، تو خدا کی طرف سے نہیں۔

اس اشتہار کے ایک سال کے بعد ۲۵رمئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے، اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا، رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی، لیکن ضعف بڑھتا گیا، اور حالت دگرگوں ہوتی گئی، بالآخر ۲۶رمئی سہ شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا''۔ (قادیانیت تحلیل وتجزیہ: ۲۵۔۲۶)

اور مولانا امرتسری اس واقعہ کے بعد چالیس سال تک بقید حیات رہے، بلاشبہ (الصدق ينجي والكذب يهلك)۔

تنہا یہی واقعہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ قادیانی مذہب کے علمبردار مرزا غلام احمد نے اپنے ہی فیصلہ سے اپنے باطل کو ثابت کردیا، اور قادیانیت کے راستہ کو ہمیشہ کے لئے مسدود کردیا، مگر برا ہو باطل کے ان علمبرداروں کا جنھوں نے محض اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے ایک فرضی داستان گڑھی اور اس کی ''صداقت'' کو بروئے کار لانے کے لئے انھوں نے مرزا غلام احمد اور ان کے ہمنواؤں کو تیار کیا، ان کو یقین تھا کہ وہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں اس باطل دعوے کو پھیلا کر ختم نبوت کے عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رسی اتنی مضبوط ہے کہ وہ سارے عالم کی باطل طاقتوں کو اکٹھا کرکے اس کو توڑنا چاہیں تو وہ خود ٹوٹ

جائیں گے، اوراللہ کی رسی اسی طرح مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گی اور ختم نبوت کا روشن چراغ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلتا رہے گا اور نہ صرف اہل ایمان کے دلوں کو منور کرتا رہے گا بلکہ وہ چار دانگِ عالم کو روشن کرتا رہے گا، اوراس روشن چراغ کو بجھانے والے اپنی سازشوں کا شکار ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یـأیهاالـنبی إنـاأرسـلـنـاك شـاهداومبشرا و نذيرا
وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيزا،

"اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبری سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے، اوراللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اورروشن چراغ۔"

اورفرمایا:

ماكـان مـحمد أباأحدمن رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم
النبيين و كان الله بكل شئى عليما۔

"(لوگو) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں، لیکن آپ اللہ تعالی کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلہ کوختم کرنے والے، اور اللہ تعالی ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے۔" (سورہ الاحزاب: ۴۰-۴۵)

ان دشمنان اسلام کی صرف ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا، وہ یہ کہ انہوں نے اسلام کو نا قابل اتباع ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم میں سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں، قرآن کی طباعت کرنے والے کسی ادارے کے پروف ریڈروں سے سازش کر کے نہایت خفیف تحریف کرادی، تا کہ وہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔" ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه "اس میں "غیر" لفظ ساقط کرادیا اوراب آیت کا مفہوم اپنے حقیقی مفہوم کے برعکس ہوگیا، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اسلام کو بطور دین کے قبول نہیں کرے گا، جبکہ اس سے پہلے اس کا مطلب تھا کہ اسلام کے علاوہ جو شخص کسی دین کا

خواہاں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کریں گے۔ اس ایک مثال سے دین کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی منظّم اور مسلسل کوشش سے کوئی کس طرح انکار کر سکتا ہے۔

دوسری مثال قرآن کریم کی آیت سورۂ اسراء میں :عسی ربکم أن یرحمکم ہے مذہب عیسائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب ماننے والے انہیں محرفین نے عسی کو عیسیٰ بنادیا اور عیسیٰ ربکم کرکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ربوبیت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔

عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں تشکیکی سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور اس کو ختم کرنے کے لئے مسلسل اور مخلصانہ جدوجہد کی ضرورت امت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔

☆☆☆

اسلام میں تعلیم وتربیت کا مقام
اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کا مسئلہ☆

تعلیم وتربیت کا عمل گزشتہ ادوار میں ایک عبادت کی حیثیت رکھتا تھا، اور لوگ اس کو فضیلت وسعادت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے اور شریفانہ انسانی تعلقات کو مستحکم کرنے اور انسان کو اللہ سے جوڑنے کا ایک مضبوط ذریعہ قرار دیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ ان عظیم شخصیتوں کے ذکر سے معمور ہے اور دنیا کی علمی تاریخ انہیں عظیم شخصیتوں کے فیض بے پایاں کا نتیجہ ہے اور انسانی زندگی کو با مقصد بنانے میں ان کا کردار بہت عظیم ہے، اگر ماضی کی طرف ایک نگاہ ڈالیں تو ہمیں انسانی زندگی میں مقصدیت کی روح پھونکنے اور نہایت وسیع پیمانہ پر خیر کو پھیلانے اور شر کو مٹانے کی مخلصانہ کوششیں نہایت واضح طور پر نظر آئیں گی، جہاں مال وجاہ اور منصب وکرسی کا کوئی گزر نہیں تھا اور تعلیم وتربیت کے پیشہ کو اختیار کرنے اور مثالی سیرت وکردار کے اعلیٰ ترین مقام تک پہونچنے کا حقیقی سبب یہی حصول علم کا سچا جذبہ تھا۔ اسی فطری بنیاد پر تعلیم وتربیت کا نظام وضع کیا جاتا تھا اور اس میں ہر چیز کی رعایت رکھی جاتی تھی، ماحول اور معاشرتی فضا، قوموں اور جماعتوں کے عقلی اور فکری معیار کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا اسی بناء پر تعلیم وتربیت کا حقیقی مقصد ماہرین تعلیم کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں

☆ پیش نظر مقالہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد، لکھنؤ کے زیر انتظام منعقد بین الاقوامی نصاب تعلیم کانفرنس ۲۰۰۷ء کے لئے لکھا گیا۔

ہونے پایا اور نصاب تعلیم کا نمایاں وصف مقصدیت کی روح ہوا کرتی تھی، اور دنیا میں بسنے والے تمام قوموں اور احساس ذمہ داری سے مزین انسانی معاشرے میں رہنے والے تمام عناصر یہاں تک کہ بڑی بڑی حکومتوں کا یہی مقصد ہوا کرتا تھا۔ اور یہی وہ ذریعہ تھا جس سے بین الاقوامی تعلقات مضبوط ہوتے تھے خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، سیاسی، ثقافتی اور تمدنی اور عالمی پیمانہ پر تمام قوموں کے درمیان اعتماد واعتبار کی فضا قائم ہوا کرتی تھی، اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ تعلیم وثقافت کے وسائل اور اس کے نظام کو ناپسندیدہ جذبات کے ابھارنے اور انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے استعمال کیا گیا ہو اور نہ کبھی تجارتی سامان کی طرح اس کو بیچنے اور مارکیٹنگ کے لئے استعمال کیا گیا۔

لیکن انتہائی تعجب خیز اور غیر انسانی صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل نے اپنے مقبوضہ علاقہ میں یہودی بچوں اور نوجوانوں کے لئے جو نصاب تعلیم مقرر کیا ہے وہ عرب اور مسلمانوں سے بے حساب نفرت، بغض اور دشمنی کی بنیاد پر قائم ہے، حالانکہ علم وتہذیب اور سائنس اور ٹکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں ایسے خطرناک اور ناقابل قبول نصاب کو جاری کرنے کی کہیں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسرائیل نے ایسے مبغوض نصاب تعلیم کو اپنے آہنی پنجوں میں جکڑ رکھا ہے اور اس سے دستبردار ہونے کے بجائے ہر موقع پر اس کا مظاہرہ کرتا ہے، بعض قابل اعتماد شخصیتوں نے اس اسرائیلی نصاب تعلیم کا جائزہ لیا ہے اور اس کے بعض نہایت خطرناک پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے، ان میں سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ ہر اسرائیلی بچہ کے ایک کان میں یہ صور پھونکا جاتا ہے کہ یہودی پوری دنیا میں سب سے زیادہ بلند اور پسندیدہ شخصیت کے مالک ہیں، اور بچہ کے دوسرے کان میں امت عربیہ کے بارے میں نہایت ذلت آمیز اور رذالت سے بھرپور یہ آواز پہنچائی جاتی ہے کہ عرب قوم دنیا کی سب سے ذلیل ترین مخلوق ہیں اور کیڑے موڑے سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں ہے، لہذا ان کو قتل کرنا انتہائی ضروری عمل ہے، جب یہودی بچہ اسکول جاتا ہے تو نصاب کی مقررہ کتابوں کے اندر یہ پڑھتا ہے کہ یہودی قوم اللہ کی مخلوق

میں سب سے زیادہ افضل اور عرب قوم سب سے زیادہ ذلیل اور نجس ہے، اور وہ ہر طرح کی عزت شرافت سے عاری ہے، لہذا اس کو غلام بنانا اور ان کے ساتھ غلاموں کا معاملہ کرنا ایک لازمی قومی فریضہ ہے، اور جوں جوں یہودی بچہ اپنی تعلیم میں آگے بڑھتا جاتا ہے، اپنی نصابی کتابوں میں یہ پڑھتا ہے کہ عرب قوم ڈاکو ہیں، دہشت پسند ہیں، شر و فساد کے پھیلانے والے ہیں، ان کے آباء واجداد نے یہودیوں کو اس قدر نقصان پہونچایا کہ اس کی تلافی ناممکن ہے، اس بناء پر ان کے ساتھ برا سلوک کرنا عبادت کی ایک قسم ہے، اور جب بھی اس کی نصابی کتابوں میں لفظ عرب آتا ہے تو ان کا وصف بیان کیا جاتا ہے کہ وہ چور اور ڈاکو ہیں اور حلال کی اولاد نہیں ہیں، اور وہ اپنے آباء واجداد کے زمانہ سے یہودیوں کے خون کے پیاسے ہیں۔

نصابی کتابوں کے ذریعہ وہ اپنی اولاد کو فنون حرب وضرب سے واقف کراتے ہیں، تاکہ وہ امت عربیہ سے انتقام لے سکیں، یہی وجہ ہے کہ سکنڈری اسکول کے مضامین پورے کرنے کے بعد ہر طالب علم کے لئے عسکریت کا سیکھنا لازمی (Compulsary) مضمون کی حیثیت رکھتا ہے، اور لازم ہو جاتا ہے کہ طلبہ اور طالبات عسکری تربیت اسرائیل ماہرین جنگ سے حاصل کریں، برطانیہ سے شائع ہونے والے ''انٹرنیشنل ہرالڈ ٹری بون'' اخبار نے اپنے ۱۸ر دسمبر ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں ایک رپورٹ شائع کی ہے، اس میں اسرائیل کے نصاب تعلیم کا جائزہ لیا گیا ہے اور جائزہ کی رپورٹ میں مذکور ہے کہ اسرائیلی نظام تعلیم وتربیت اور اس کا نصاب حد سے زیادہ خطرناک ہے۔

اس حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے پاکستان کے معروف صحافی قدرت اللہ شہاب نے ایک غیر مسلم کی حیثیت سے اسرائیل کا دورہ کیا، وہ اقوام متحدہ کے ماتحت یونیسیف تنظیم کے ذریعہ وہاں پہونچے اور اسرائیلی نصاب تعلیم کی ان کتابوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جو مسلمانوں اور عربوں کے خلاف نہایت خطرناک مواد پر مشتمل ہیں اور ان کتابوں کو اقوام متحدہ کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا، تاکہ اس کا تدارک کیا جاسکے، لیکن واقعہ یہ

ہے کہ یہ کتابیں قصداً لاپرواہی اور غفلت کا شکار ہوگئیں اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا، ظاہر ہے کہ وہ انسانی مسائل جو عرب اور اسلامی دنیا سے تعلق رکھتے ہوں کس طرح درخور اعتناء ہوسکتے ہیں، جب کہ بین الاقوامی سطح پر یہ طے ہو چکا ہے کہ اقوام متحدہ کا سکریٹری جنرل خواہ کوئی بھی ہو، لیکن اسسٹینٹ سکریٹری جنرل ہمیشہ اسرائیلی ہوگا، اور اس کو نائب سکریٹری جنرل لکھا اور کہا جائے گا۔

یہیں سے مغربی دنیا کی طرف سے اسلام کے نظام تعلیم وتربیت اور اس کے وسائل کو بدل رکھ دینے پر سخت اصرار اور دباؤ پایا جاتا ہے اور اس کو مغربی نظام تعلیم وتربیت کے مطابق وضع کرنے کی کوششیں نہایت شدومد سے جاری ہے، تاکہ عالم اسلامی کے مدارس اور جامعات میں ایک نئے نصاب تعلیم کو تشکیل دے کر اسے بلا تاخیر جاری کردیا جائے، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے مغرب نے بہت پہلے سے اسلامی معاشروں اور سوسائٹیوں میں فکری حملے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے تاکہ ان کو اصل شاہراہ سے ہٹا کر انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات کے بیج بوسکیں اور یہ ثابت کرسکیں کہ اسلامی نظام حیات اپنی صلاحیت کھو چکا ہے، فکری حملوں کا یہ طریقہ نہایت جارحانہ انداز میں وہاں کے تمام تعلیمی اداروں پر لازم قرار دیدیا گیا ہے۔

لیکن ہمیں از سرنو اسلام کے عادلانہ اور متوازن نظام زندگی کا جائزہ لینا چاہئے کہ وہ علم وعقیدہ اور اعمال واخلاق پر مبنی ہے اور وہ دائمی طریقے سے انسان کو قیادت کا اہل بناتا ہے اور ہر طرح کی خودغرضی اور مصلحت بینی سے دور ہے، پھر یہیں سے وہ امت وسط تیار ہوتی ہے جس کو پوری دنیا کے لئے شہادت وقیادت کی ذمہ داری عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ہم نے تم کو ایک امت عادل بنایا تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔ (بقرہ:۱۴۳)

یہی توازن اور وسطیت اسلامی تہذیب کا امتیاز ہے اور امت وسط (امت مسلمہ) اس کی علمبردار ہے اور اسی امتیاز کی بناء پر امت مسلمہ نے تمام قوموں اور دیگر امتوں پر

زندگی کے تمام میدانوں میں اپنی فوقیت باقی رکھی اور گم کردۂ راہ انسانیت کو صراط مستقیم کی نعمت عطا کی، جب کہ مادی تمدن کے فلسفے عالمی حیثیت سے انسانی ذہن کو مسموم کر چکے تھے اور محض وقتی مفاد کو زندگی کا بنیادی مقصد باور کرانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور سوسائٹی کی تعمیر اور انسان کے قائدانہ مستقبل کو روشن کرنے میں اس کا کوئی کردار باقی نہیں رہ گیا تھا، اس کے نتیجہ میں نوع انسانی کے مقام کا تعین مشکل ہو گیا کہ کس طرح وہ علوم فنون، اجتماعیت اور معاشرتی انصاف اور مساوات کی نمائندگی کرے اور صرف مادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں اپنی تمام طاقت کو صرف کرے اور اسی کو عزت وذلت کا معیار قرار دے، بالکل یہی صورت اسلام سے پہلے مشرق ومغرب کی مادی تہذیبوں میں قائم تھی اور اس میں ایسے واقعات پیش آئے جو تاریخ کے صفحات میں سیاہ کارناموں کی حیثیت سے درج ہیں۔ اور ان کو پڑھ کر انسان کی پیشانی شرم سے جھک جاتی ہے۔

اسلام نے علم اور تعلیم وتربیت کے تمام گوشوں اور اس کے شعبوں کو ایک نہایت پختہ بنیاد کا درجہ عطا کیا ہے، اور اسی پر اسلامی زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ کو سب سے پہلی وحی میں جس بات کا حکم دیا گیا وہ پڑھنے کا حکم تھا، اس کے باوجود کہ آپ امی تھے، جس کی صراحت اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ کی اس آیت میں فرمادی ہے:

هوالذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين۔ (جمعہ:۲)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اور جب آپ غار حراء میں عبادت گزاری میں مشغول تھے جبرئیل امین آپ کے پاس آئے اور آپ سے پڑھنے کی فرمائش کی، آپ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا، پھر انہوں نے

حضور اکرم ﷺ کو اپنے سینہ سے لگا کر پوری طاقت سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا پھر انہوں نے دوبارہ مجھے پوری طاقت سے سینہ سے لگایا پھر چھوڑ دیا، پھر کہا: پڑھئے۔ میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، انہوں نے تیسری بار یہی عمل کیا، اور کہا کہ پڑھئے اپنے اس رب کے نام سے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے، آپ کا رب بڑا اکرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، جس نے انسان کو وہ سکھایا، جسے وہ نہیں جانتا۔

یہی وہ ہدایت یاب پڑھنا تھا جس کا حکم نبی کریم ﷺ کو دیا گیا اور یہی پڑھنا علم کا وہ عظیم سرچشمہ بنا، جو زندگی اور کائنات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور تمام علوم و معارف کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ اللہ کی ذات تک پہونچنا اور زندگی کی تمام سرگرمیوں میں ان سے تعلق پیدا کرنا اور انسان کے کاندھے پر جو ذمہ داریاں رکھی گئیں ہیں ان کو ادا کرنے کا راستہ عمل اور قیادت کے میدان میں ہموار ہوتا ہے، عالم اسلامی اور مسلم اقلیتوں کے مختلف ملکوں میں موجود تمام مدارس و جامعات کے لئے ماہرین تعلیم نے جو نصاب تعلیم و تربیت وضع کیا تھا وہ اسی صاف ستھری اور مضبوط بنیاد پر قائم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسہ اپنی ذات کے اعتبار سے بجائے خود چھوٹا موٹا معاشرہ ہے، جیسا کہ عطیہ محمد الابراشی نے اپنی کتاب "فلسفہ تعلیم و تربیت" میں مدرسہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> مدرسہ سے بہتر طلباء کی اجتماعی تربیت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوسکتا، مدرسہ کی زندگی وہ سچی زندگی ہے جو گھر اور سوسائٹی کو ایک بناتی ہے، اور افراد اور سوسائٹی کا مفید عنصر بناتی ہے، خواہ طبقات اور ماحول کا کتنا اور کیسا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔

وہ لکھتے ہیں:

> ''مدرسہ کی زندگی ہر روز طلباء کو ایسے وسائل فراہم کرتی ہے کہ وہ اجتماعی خوبیوں اور تقاضوں سے بہرہ مند ہوں، انہی خوبیوں کا اخلاق اور حسن معاملت پر گہرا اثر

پڑتا ہے، اپنی عادات وخصائل کے اعتبار سے طلباء ہمیشہ اس کے محتاج رہتے ہیں کہ ان کی باقاعدہ نگہداشت اور نگہبانی کی جائے۔"

اس مقصد کو ہمہ گیر اور آسان بنانے کے لئے جن کتابوں اور لازمی مضامین کا انتخاب مسلم ماہرین تعلیم کی جانب سے عمل میں آیا، وہ اسلامی تشخص کی تعمیر کی ضمانت دیتا ہے، اور امت مسلمہ کے افراد کو عالم بشری کی قیادت وہدایت کی ذمہ داری کے لئے تیار کرتا ہے، چنانچہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا اس نصاب کی تشکیل میں بنیادی کردار ہے، اور اس میں کسی کمی اور زیادتی کی گنجائش نہیں، خواہ سیاسی واجتماعی مصالح اس میں رد وبدل کے متقاضی ہوں۔

نصابی مضامین میں تبدیلی سے متعلق موجودہ حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ اب نئی بنیادوں پر اعتماد کر کے عالم اسلامی کے تعلیمی مراکز میں اس کو بروئے کار لایا جارہا ہے، اور نیا نصاب تعلیم وضع کرنے کے لئے جو کمیٹیاں بنائی گئی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کتاب وسنت سے ان تمام آیتوں اور عبارتوں کو نکال دیا جائے، جن کا تعلق یہود ونصاری اور جہاد کی اہمیت اور اس کے فضائل سے ہے، اسی طرح جن آیتوں اور عبارتوں میں باغی جماعتوں اور مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی گئی ہے، ان کو کالعدم کر دیا جائے، اور جن باتوں سے جہاد فی سبیل اللہ کی ہمت افزائی ہوتی ہو، ان سے صرف نظر کیا جائے، اور جہاں کہیں مسلمانوں کی زندگی میں اخلاقی بلندی اور اس کے حدود اربعہ کو پھیلانے کا ذکر ہو، جس سے زندگی کے تمام معاملات میں اسلام کی عملی نمائندگی کا ثبوت ملتا ہو، ان کو نصاب کے مضامین سے پوری طرح خارج کر دیا جائے، نصابی تبدیلی کے اس عمل کو قابل اعتنا سمجھنا اور اس پر اطمینان کا اظہار کرنا ایمانی عقائد سے دست بردار ہونے کے مرادف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مصلحت پسندانہ سیاسی اسلام کو رواج دیا جائے، جس میں زمانہ اور حالات کے ساتھ ساتھ چلنے کی دعوت دی جاتی ہو، اس موقع پر اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کا واقعہ ہماری نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد ہاتھ کی

انگلیوں سے زیادہ نہیں تھی، ان پر ہر طرح سے ظلم وعذاب کی بارش ہو رہی تھی اور وہ ظالموں کے رحم وکرم پر زندگی گزار رہے تھے، لیکن ان کو یقین تھا کہ جس اسلام کو انہوں نے اختیار کیا ہے، وہ کبھی ان کو رسوا نہیں کرے گا اور اللہ کی طرف سے مدد آ کر رہے گی، اس کے باوجود جن حالات نے ان کو گھیر رکھا تھا وہ آخری درجہ کے ظلم وقساوت تک پہنچ گئے تھے، اور دعوت کی مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ سر دست مسلمان کفار کو اسلام کی دعوت نہ دیں، اور ان کے تمام مشرکانہ انداز کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہیں اور اللہ تعالی سے نجات اور رحم کی درخواست کر تے رہیں، لیکن اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ توحید کی دعوت پر کبھی خاموشی اختیار نہ کریں، اور شرک ووثنیت کو انجام کی پرواہ کئے بغیر مسترد کرتے رہیں، حالانکہ شرک اور بت پرستی کے داعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین پر ہر طرح کے ظلم وزیادتی جاری رکھنے پر تلے ہوئے تھے، اسی دوران وحی نازل ہوتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ کفار کو مخاطب کر کے صاف صاف اور نہایت تاکید کے ساتھ یہ بتا دیا جائے کہ وہ بتوں کی عبادت کبھی نہیں کریں گے، صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کریں گے، سورہ کافرون نازل ہوئی اور اس نے اصنام پرست اور وثنیت کی دعوت دینے والوں کو چیلنج کرتے ہوئے نہایت صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ مسلمانوں کا دین ان کے دین کی طرح نہیں ہے، جس کو انہوں نے بزعم خود دین سمجھ لیا ہے، اس وقت آپ سورہ کافرون کی تلاوت کریں اور اس کے مفہوم ومعنی کو بغور سمجھنے کی کوشش کریں:

قل يا أيها الكافرون! لا أعبد ما تعبدون، ولا أنتم عابدون ما أعبد، ولا أنا عابد ماعبدتم ،ولا أنتم عابدون ما أعبد ،لكم دينكم ولي دين.

"کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو، نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے

لئے میرا دین ہے۔"

تنہا یہی آیتیں اللہ تعالیٰ کے دین اسلام سے کسی حد تک بھی دستبردار ہونے کی براءت کا اعلان نہیں کرتیں، بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں، کسی فرد اور جماعت کو جو اہل ایمان اور صحیح عقیدہ رکھنے والے ہوں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ میں کسی قسم کا اختیار استعمال کریں۔اس لئے کہ حالات اس کے متقاضی ہیں، یہ حقیقت ہے کہ کسی کو اللہ کے فیصلہ میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اسلام کے ہر حکم کو بے خوف وخطر تسلیم کیا جائے، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تمام معاملات کی تابعداری کلی طور پر اختیار کی جائے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک ایماندار اپنی زندگی اور معاشرہ کے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سرنگوں ہے، اور اس میں اس کو کسی تصرف کا اختیار نہیں ہے، تو ایمان وعقیدہ کے معاملات میں دستبردار ہونا اور اس میں کسی قسم کی کمی وزیادتی کرنا کس طرح ممکن ہے۔

آج اسلامی ملکوں کے مدارس وجامعات کے نصاب تعلیم میں ایک محسوس تبدیلی کا مطالبہ کیا جارہا ہے، اور کتاب وسنت کی آیتوں اور عبارتوں میں تصرف کرنے کا حق دیا جارہا ہے، اور مغربی نئی ہدایات کی روشنی میں نصاب تعلیم وتربیت تیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے مگر یہ مطالبہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے کسی حال میں ہم آہنگ نہیں ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ اصل بنیاد سے دستبردار ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسلامی تہذیب کی عمارت سطح زمین پر قائم ہے، اور اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے، اور کسی بھی ادنی واقعہ سے متاثر ہو کر وہ روئے زمین پر ڈھیر ہوسکتی ہے۔

دین کے معاملات میں کسی بھی دستبرداری کا سرچشمہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے یا عقیدہ کو پامال کرنے کے مرادف ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس امانت کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تھا، اور انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے

انکار کیا تھا، اس امانت کی ذمہ داری کو انسان نے قبول کیا تھا، لیکن اب وہ اس ذمہ داری کو پوری کرنے سے انکار کر رہا ہے، حالانکہ عقیدہ کے مطالبات کو نظر انداز کرنے اور مصلحت کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم سے بہت سی سورتوں اور آیتوں کو حذف کرنے اور کتاب وسنت کے احکام واوامر سے صرف نظر کا راستہ ہموار ہوتا ہے، اور اس بات کا جواز فراہم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے مختصر ایڈیشن تیار کر کے پیش کر دیا جائے، تا کہ ان کو اسلامی اور غیر اسلامی معاشروں کے درمیان پہونچانا آسان ہو، اور مکمل اسلام لوگوں کے گھروں اور ان کی زندگیوں سے غائب ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالی اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

يـاأيهـا الـذيـن آمـنوا ادخلوا في السـلـم كـافة ،ولا تتبعوا خطوات الشيطان،إنه لكم عدو مبين

''اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے'' (بقرہ:۲۰۸)

☆☆☆

نصاب تعلیم اور ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے نصابِ تعلیم میں حسبِ ضرورت اصلاح وترمیم کو اپنے مقاصد میں شامل رکھا، اور جن لوگوں نے اس مقصد سے اتفاق کیا، انہوں نے اس کو بنظرِ استحسان دیکھا، اور زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر اس اقدام کو سراہا اور اس کی پرزور تائید کی اور بہت سے مدارس نے اس سے روشنی حاصل کی، اور اپنے نصاب میں اصلاح وترمیم کے متعلق غور کیا، بعض مدارس نے ندوہ کے نصاب کو حرف بحرف قبول کر کے اس کو اپنے یہاں رائج کیا، ہمیں اس بات کا اظہار کرنے میں مسرت ہے کہ دارالعلوم کی نصابی کتب کی مانگ مدارسِ عربیہ میں الحمدللہ ادھر بہت بڑھ گئی ہے، اور اہلِ مدارس اور علماء اس کو بڑی تعداد میں طلب کر رہے ہیں۔

اگر حقائق سے چشم پوشی نہ کی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت زمانہ کو ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ہر طرح سے جامع ومانع ہو، اور جس میں فراخ دلی سے نئی چیزوں کو لیا گیا ہو، اور ان قدیم چیزوں کو نکالا گیا ہو جن کی ضرورت اس زمانے میں باقی نہیں رہی، اور اب ان کی جگہ دوسری چیزوں نے لے لی ہے، یہ اتنا ضروری اقدام ہے کہ اگر جلد اس پر عمل درآمد شروع نہیں ہوا تو وہ دن دور نہ ہوگا جب تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی بے دینی اور الحاد کی راہ سے آنے والے نت نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا فرض انجام دینے والے نہ صرف یہ کہ کم بلکہ مفقود ہو جائیں گے، اور اگر ایسا

ہو گیا تو خدانخواستہ اس ملک میں بھی اسلام اور مسلمانوں کا وہی حشر ہو سکتا ہے جو اندلس کی خوں چکاں داستاں میں پوشیدہ ہے۔

پوری دنیائے اسلام اور خصوصاً اس ملک کے موجودہ حالات نے اس ضرورت کا احساس اور تیز کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تشخص اور ملی وجود اور دینی شعائر کے بقاء کے لئے علمائے دین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنی ہے جو بیک وقت فقیہ ومجاہد دونوں ہوں، وہ ایک طرف دلوں کو قرآن وحدیث کے پیغام سے گرما سکتے ہوں، دوسری طرف ان کو خودداری وشجاعت کا وہ درس بھی دے سکتے ہوں، جس سے وہ ایک زندہ قوم بن کر دنیا سے اپنی برتری اور بالادستی تسلیم کرا سکیں، اور بوقتِ ضرورت بڑی سے بڑی طاقت کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر سکتے ہوں۔

یہ کام اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب ہمارے مدارس اور ہماری تربیت گاہیں اپنے یہاں تعلیم وتربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں، وہ قوم کے لئے ایسے بلند نگاہ علماء اور سرفروش قائد مہیا کر سکیں جو وقت کی ضرورت کو کسی طرح نظر انداز کر کے ملک وملت کو پیچھے رہنے پر مجبور نہ ہونے دیں، ان میں وہ جوہر اور قابلیت موجود ہو کہ وہ بڑے سے بڑے سیلاب کو روکنے کی پوری استطاعت رکھتے ہوں، وہ دنیا کے معاملات سے پوری طرح باخبر، بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے، دین کی باتوں اور دینی تقاضوں اور اس کے شعائر کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

ندوۃ العلماء نے اسی تقاضے اور ضرورت کے پیشِ نظر ہمیشہ اپنے نصاب میں ترمیم واصلاح کو روا رکھا، اور زمانہ کے رخ کو دیکھ کر تعلیم وتربیت کا نظام اس نے مرتب کیا، موجودہ ترمیم شدہ نصاب بھی اسی روح کا حامل ہے، اس وقت جن باتوں پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ خصوصیت سے دو چیزیں ہیں۔

(۱) عربی زبان کی تعلیم کا انتظام دین کے بنیادی مضامین کی زبان کی حیثیت سے، اور اس کے لئے ان تمام پہلوؤں کی رعایت جو زبان کو صحیح طور سے سیکھنے کے لئے ضروری

ہیں، عربی انشاء پردازی، عربی خطابت اور عربی میں بے تکلف بول چال اور مافی الضمیر کی ادائیگی، یہ وہ تین بنیادی پہلو ہیں جن کے لئے ندوہ نے شروع سے اپنے یہاں انتظام کرنے کی کوشش کی ہے، عربی زبان کی وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے روز بروز ان پہلوؤں کے لئے وسائل واسباب کی فراہمی کے لئے ندوہ ہی نے دراصل تنہا وہ کام انجام دیا ہے جو اب تک کسی دوسرے ادارہ نے انجام دینے کی کوشش نہیں کی، عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھے بغیر قرآن فہمی کی وہ صلاحیت پیدا ہونا مشکل ہے جو اس کے لئے ضروری ہے، قرآن کی فہم پیدا کر لینا ایک اتنی بڑی نعمت ہے جس کا اندازہ کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں ہوسکتا جو عربی سے ناواقف اور قرآن کے اسرار ورموز اور اس کے نکات کے بلا واسطہ سمجھنے سے محروم ہو۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے طلبہ کے ایک افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

> ''فہم قرآن اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص خوشی سے دیوانہ ہو جائے اور گریباں چاک کر کے مجنونانہ کیفیت اختیار کر لے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں''

حضرت مولاناؒ نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

> ''اگر اس دار العلوم میں ہم کو کچھ نہ ملے اور صرف اتنا مل جائے کہ ہم خدا کا کلام سمجھنے اور اس کے مخاطب ہونے کے اہل ہو جائیں تو دنیا کی ساری لذت وآسائش اس ایک نعمت پر قربان ہوسکتی ہے''۔

یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت ندوہ نے عربی زبان وادب کی تعلیم کے لئے بہتر سے بہتر انتظام کیا اور اس کو دین کا ایک اہم فریضہ سمجھ کر اس کے لئے وسائل فراہم کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا، اس کا یہ عمل قابلِ تقلید ہے۔

(۲) دوسرا نمایاں پہلو جو موجودہ نصاب کی نمایاں خصوصیت ہونی چاہئے وہ ہے

انگریزی زبان اور دیگر عصری علوم کی تعلیم، اس مقدار میں کہ طالبِ علم ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہتے ہوئے ان کے ذریعہ دین کی خدمت انجام دے سکے، عصری زبانوں میں دین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بخوبی سمجھ کر وہ اس کے متعلق اپنے ذہن کو دین کی طرف سے مدافعت اور تبلیغ کے لئے تیار کر سکے۔

اگر غور کیا جائے تو انگریزی زبان وادب اور دوسرے جدید علوم وفنون کی تعلیم موجودہ دور میں دین کی خدمت کرنے اور صحیح معنوں میں اسلام کا پیغام دوسری قوموں تک پہونچانے کے لئے بے حد ضروری ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ دین کے علم سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنی بات دوسروں تک پہونچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے، زمانہ جس نئے اسلوب اور طرز کا عادی ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ اسی طرز واسلوب کے ساتھ اس کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا جائے۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء کو اس ضرورت کا آج سے بہت پہلے احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنی روشن ضمیری سے یہ بات پہلے ہی سمجھ لی تھی کہ اسلام کی خدمت کما حقہ انجام دینے کے لئے بقدرِ ضرورت انگریزی زبان اور جدید علوم کا سیکھنا بہت ضروری ہے، انہوں نے بہت صفائی کے ساتھ علماء کو انگریزی میں عبور حاصل کرنے کی دعوت دی، اور تاریخ وجغرافیہ اور دوسرے ضروری علوم کی اہمیت بتائی، وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں دینی ودنیاوی ضرورتیں ایسی درپیش ہیں کہ انگریزی زبان کا سیکھنا ضروری ہے، اگر چند ہمارے علماء اس قدر انگریزی سے واقف ہوں کہ یورپ میں جا کر اسلام کے فضائل ان کی زبان میں بیان کریں تو بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہو، اسی طرح اگر انگریزی میں رسائل لکھ کر مشتہر کرائے جائیں تو بھی بہت نفع ہو، غرض اس وقت دنیا میں بہت بڑا فرقہ جو اپنی سلطنت کے اعتبار سے اکثر روئے زمین پر حاوی ہے اس کی زبان انگریزی ہے، لہذا تبلیغِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان سیکھی جائے، کیونکہ اب ان کو غلبہ ہے، اور مسلمان مغلوب ہیں، اور غالب مغلوب کی زبان سیکھنے پر مجبور نہیں ہو سکتا، لہذا اگر مغلوب کو

ان سے ضرورت پیش آئے تو بالضرور اسے غالب کی زبان سیکھنی ہوگی، یہ تو دینی ضرورت تھی، اور دنیاوی ضرورتیں تو ہر کہ ومہ پر ظاہر ہیں، پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ سب تارک الدنیا ہوجائیں، کسی قسم کا برتاؤ اہلِ دنیا سے نہ رکھیں!''۔

یہ ایک صدی پیشتر کی بات ہے، آج یہ ضرورت کس قدر بڑھ چکی ہے اس کا اندازہ کرنا کسی کے لئے بھی دشوار نہیں ہے، خاص طور سے اس علمی سیمینار میں شرکت کرنے والے سبھی حضرات اس کو بخوبی سمجھتے ہیں، اس لئے ندوۃ العلماء کے نقطۂ نظر کے مطابق مدارس اسلامیہ کے لئے جدید نصابِ تعلیم تیار کرنے کی ضرورت اب بہت زیادہ بڑھ چکی ہے، اس حقیقت سے چشم پوشی کرنے کا وبال ہماری نسلوں پر کس بھیانک شکل میں آسکتا ہے؟ اس تلخ سوال کا صحیح جواب آنے والا مؤرخ ہی دے سکتا ہے۔

☆☆☆

دعوت دین وقت کی ضرورت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص فضل اور عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ دین عطا فرمایا، اور اس کو کمال اور ہمہ گیرت کی صفت کے ساتھ دیگر تمام مذاہب کے مقابلہ میں شانِ امتیاز عطا کیا، اور اس حقیقت کو نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ قرآنِ کریم کی سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بیان فرمادیا:

"اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا" (مائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا''

لفظ اِکمال سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہوجاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذہب اسلام کو ہر اعتبار سے کائنات اور زندگی کے لئے اس انداز سے مکمل فرمادیا ہے کہ کوئی گوشہ کسی حالت میں تشنہ باقی نہیں رکھا۔

اسلام اِسی مکمل طریقۂ زندگی کا نام ہے جس میں ہر طرح کی ہدایت اور ہر سوال کا جواب اور ہر مسئلہ کا حل پوری طرح موجود ہے، اس آخری اور مکمل دین کو ماننے والوں کو خیر امت کا خوبصورت لقب عطا کیا گیا ہے، تاکہ وہ عام ہدایت کا فریضہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے مطابق انجام دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے اور دنیا کے تمام انسانوں کو اس تابناک اور زرّیں طریقۂ زندگی سے روشناس کرائے۔ ان کو تنگ نظری اور غلط فہمیوں کی فضا سے نکال کر صراطِ مستقیم کی وسعتوں اور اس کی روشنی میں منتقل کرے، اور امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر کی بنیادی ذمہ داری ادا کر کے مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام انسانوں کے لئے سچی رہنمائی کا فرض انجام دے سکے۔

اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو زمان و مکان کے حدود سے بالاتر بنایا ہے، اس کا نعرہ ایک ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرو، اس کا عقیدہ ایک ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، وہ مافوق التصور وہ عظیم طاقت ہے جس نے کون و مکان اور ساری مخلوقات کو صرف ایک لفظ ''کُن'' سے پیدا کر دیا، وہ نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کو ہر فرد بشر کے لئے لازم قرار دیتی ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو زندگی کی تمام کامیابیوں اور خوش بختیوں کے دروازہ کی شاہِ کلید قرار دیتی ہے، اس کا یہ امتیاز رہتی دنیا تک کے لئے قائم ہے اور اسلامی دعوت کی عظیم ذمہ داری اس کا فرض منصبی ہے۔

اس تسلیم شدہ حقیقت کے بعد اگر امت مسلمہ کے کسی طبقہ یا کسی گروہ اور کسی خاص معاشرہ میں اس دین کو محدود کرنے یا اس کا ناقص تصور پیش کرنے اور اس کو پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہو تو اس پر نظر ثانی کرنے اور اس کو کتاب و سنت کی ہدایت کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین کو فطرت کے تقاضوں کے مطابق نازل فرمایا ہے اور اس میں انسانی مزاج کے ہر ہر گوشہ کی پوری طرح رعایت رکھی گئی ہے، اس فطری نظام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا مصلحت بینی اور وقتی تقاضوں اور حالات کے مطابق ذرّہ برابر کسی نوع کی کوئی ترمیم ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے، یہ نظامِ الٰہی ہے اس کو آخری بار کمال کے زیور سے آراستہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے بلکہ کائنات، زندگی اور انسان، سب کے لئے ایک آسمانی تحفہ کے طور پر عطا کیا ہے۔ اس کائنات میں بسنے والے تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے آدم و حواء علیہما السلام کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا ہے اور حکم دیا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر حال میں اسی کا لحاظ رکھو۔

اس بنا پر یہ دین پوری انسانیت کا دین ہے اور جب تک یہ عالمِ انسانی قائم ہے اس کی رہنمائی اس دین کے ذریعے سے ہوتی رہے گی اور امتِ مسلمہ دعوت و ہدایت کا فریضہ

انجام دیتی رہے گی، اور صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ذلكم وصاكم به لعلكم تتقون"

(أنعام:۱۵۳)

''اور بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہذ اِس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی طرف نہ جاؤ کہ وہ تم کو سیدھے راستے سے غلط راستوں کی طرف بہکا دیں، یہی وہ بات ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تم کو ہدایت کی ہے، تاکہ اس کا پورا لحاظ رکھو''۔

اس صاف اور صریح آیت کے بعد اب کسی حال میں کسی زمان ومکان میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ دعوتِ دین کی راہ میں غلط فہمیاں پھیلائی جائیں۔ اور حقائق کو نظر انداز کر کے اپنی پسند کے مطابق دعوتِ دین کی تشریح کی جائے۔ یہ دین ایک ابدی حقیقت ہے، اس کا پیغام دائمی ہے، اس کا طریقۂ زندگی فطری ہے اور اس کی روشنی پورے عالم اور انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے، جو لوگ اپنی ناقص فہم یا پسند کے مطابق دعوت کے اس لامحدود تصور کو محدود کرنے یا کسی ایک طبقہ کے مفاد سے اس کو وابستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنے اس عمل سے امت مسلمہ کا ایک ناپسندیدہ عنصر قرار دیئے جانے کے لائق ہیں۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کی نمائندگی کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے:

تقاتلكم اليهود، فتسلطون عليهم، حتى يقول الحجر: يا مسلم! هذا يهودي ورائي، فاقتله (بخاری: کتاب المناقب:۳۵۹۳)

''یہودی تم سے برسرِ پیکار ہوں گے، پس تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہوگا، یہاں تک کہ پتھر کہے گا، اے مسلم! یہودی یہاں میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اس کو مارو۔''

☆☆☆

مزید تیاری کی ضرورت ☆

موجودہ اسلامی دنیا اور ان تمام ممالک میں جہاں مسلم اقلیت موجود ہے، دین کے خلاف ایک نیا رجحان پایا جاتا ہے، اس رجحان کو ہم چاہیں تو ''مارکسزم'' سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ اسلام کے خلاف ایک زبردست سازش ہے، اور مسلمانوں کو دینی، عقائدی اور اخلاقی لحاظ سے بالکل تباہ و برباد کردینے کی وہ ناپاک کوشش ہے جس کی سرپرستی مارکسی ممالک اور خالص مادہ پرست نظریات رکھنے والی جماعتیں کررہی ہیں، اور ایسی حکمت عملی سے اس نظریئے کی تبلیغ واشاعت کا کام ہورہا ہے کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کے خطرات سے واقف ہی نہیں ہو پاتے اور اس کو محض ایک اقتصادی یا سیاسی پروگرام سمجھ کر اس کے دام فریب میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

اس وقت یہ کام زیادہ تر اشتراکیت کے نام سے انجام پارہا ہے، چنانچہ بہت سے اسلامی عرب ممالک میں اس نقطۂ نظر کو حکومتوں نے اپنالیا ہے اور اشتراکیت کی بنیاد پر وہ ملک کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ تیار کررہے ہیں، بعض اسلامی ممالک میں اس نظریہ کو بہت معصومیت کے ساتھ یہ کہہ کر پھیلانے کی کوشش ہورہی ہے کہ اس کا اسلام کے اصول وقواعد سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے اور یہ محض ایک اقتصادی پروگرام ہے، جو طبقاتی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے اور جس کی وجہ سے امیری غریبی کے فرق کو مٹایا جاسکتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوپاتی، بعض جگہوں میں اشتراکیت کو خاص اسلامی نقطۂ نظر

☆ یہ مضمون آج سے تقریباً ۴۸ رسال پہلے لکھا گیا، یعنی سویت یونین کے زوال سے قبل، شاید اس کی اشاعت کسی درجہ میں مفید ہو۔

بنا کر پیش کرنے کی کوشش ہو رہی اور اس کو اسلامی اشتراکیت کہہ کر عوام کو فریب میں مبتلا کرنے کی جدوجہد کی جارہی ہے، خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی داعی ہوں یا اشتراکیت کی علمبردار ہوں، یہ وہ نقطۂ اشتراک ہے جہاں تمام باطل طاقتیں متحد ہو جاتی ہیں۔

یہ بات ہمیشہ سے تسلیم شدہ ہے کہ باطل آپس میں خواہ کتنا ہی دست وگریباں ہوں، لیکن اسلام کے مقابلہ میں وہ ہر وقت ایک متحدہ محاذ ہے، اس محاذ سے وہ اسلام کے قلب و جگر پر حملہ آور ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، اسلئے یہ خیال کرنا کہ اس راہ سے آنے والی کوئی چیز ہمیں فائدہ پہونچاسکتی ہے یا اس سے ہم کو تقویت حاصل ہوسکتی ہے، محض فریب خوردگی ہے اور ناواقفیت وبھولے پن کی دلیل ہے۔

ہمیں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان باطل نقطہائے نظر اور فلسفوں کے داعی اپنی دعوت کو پھیلانے اور اس کو عوام کی نظروں میں محبوب ومقبول بنانے کے لئے جن نئے تہذیبی وسائل اور نشرواشاعت کے جدید، مؤثر اور تیز رفتار طریقوں کو اپناتے ہیں، وہ صرف انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہونا چاہئے، یعنی تخریبی دعوتوں کے علمبردار اپنی بات پہونچانے اور اپنی دعوت پھیلانے میں اس قدر نشیط وسرگرم ہوں اور ذہنوں کو اپیل کرنے، عوام کی توجہ مبذول کرانے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ہر اس طریقہ کو اختیار کرنے سے دریغ نہ کریں جو موجودہ علم وسائنس نے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں، تو ہم حق وانصاف کے علمبردار کیوں اس سے محروم ہیں اور ان ''تیز رفتار'' ذرائع کو اپنی دعوت پھیلانے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے کیوں نہیں استعمال کرتے، جبکہ ہمارے پیش نظر یہ مشہور آیت قرآنی بھی ہے:

"وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل، ترهبون به عدوالله و عدوكم وآخرين من دونهم" (أنفال:٦٠)

''تم ان سے مقابلہ کے لئے طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو، اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کو۔''

علم وتہذیب کسی کی ملکیت نہیں ہے اور نہ اس کے ثمرات ونتائج کسی کے ساتھ مخصوص ہیں، بلکہ جو بھی ان وسائل وایجادات کو اپنے مصالح کی خدمت میں استعمال کرے گا وہ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائیں گے مسلمان اور داعیان اسلام خاص طور سے اس عطیہ قدرت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ اپنے مقدس کام کی تبلیغ واشاعت میں زیادہ سے زیادہ ان وسائل وایجادات سے کام لیں، اوران کو صرف برے کاموں کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ نہ بننے دیں۔

یہ بزم مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

☆☆☆

اسلامی بینک کاری: وقت کی اہم ضرورت

اقتصادی بحران کی ہوا چلنے اور مختصر مدت میں ساری دنیا پر اس کے اثرات پڑنے کے بعد دنیا کی آنکھیں کھلیں، شاید یہ بیداری سابقہ بیداری سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ اب وہ اپنی آنکھوں سے اس گھناؤنی مادیت کو دیکھ رہی ہے، جس نے مادہ پرستوں کو ایسے وقت میں دھوکہ دیا، جب انہیں اس کے نفع کی اشد ضرورت تھی، اور جب کہ وہ دنیا کے بڑے دولتمند ممالک میں دولت کے بڑھتے داموں میں تبدیلی کی آس لگائے ہوئے تھی، لیکن عالمی منڈی میں معمولی جھٹکے سے یہ خواب چکنا چور ہوگیا اور بڑے بڑے عالمی بینک دیوالیہ ہوگئے اور دنیا کے ریکارڈ دولتمندوں کی دولت لمحہ بھر میں ضائع ہوگئی۔

یہ جدید اقتصادی تاریخ کا وہ تاریک باب ہے، جس سے کوئی شہر اور بستی محفوظ نہیں، سارے قیاسات ناکام ہوگئے، اس اچانک حادثے سے امریکہ اور اتحادی ممالک پر سب سے زیادہ اثر پڑا، جو رات گئے تک اپنی اقتصادی حالت پر بالکل مطمئن اور بہت سے اہم مناصب کے مالک تھے، لیکن صبح ہوتے ہوتے وہ سب کچھ گنوا چکے تھے، یہ غیر متوقع حالات سابق امریکی صدر بش کی میعاد کار ختم ہونے اور نئے امریکی صدر اوبامہ کی تخت نشینی کے وقت سے اس طرح شروع ہوئے کہ چپہ چپہ اقتصادی بحران سے دہل گیا، اور ساری دنیا رائج اقتصادی نظام کو بدلنے اور اسکو ختم کرنے کے بنیادی سبب کی جستجو میں لگ گئی اور سودی منافع پر چلنے والے ممالک میں اس کے نتائج ظاہر ہوئے۔

یہ مغربی اقتصاد کا حال ہے جو دولت سے دولت پیدا ہونے کے نظریہ کا حامل ہے، اور جس

کے نزدیک کسی بھی دولتمند کے لئے بغیر کسی جدوجہد اور محنت وکاوش کے محض سودی ذرائع اور ان قرضوں کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کا پورا حق ہے، جن کو ضرورتمند لیتا رہے اور پرسنٹیج (Percentage) کے حساب سے فائدہ کے ساتھ لوٹاتا رہے۔

مشرق ومغرب کے تمام مالی شعبوں میں مادی اقتصادیات کی یہی بنیاد ہے اور بینک دراصل دولتمند اور قرضدار کے مابین مالی تبادلہ کا ذریعہ ہیں۔ تمام عالمی بینکوں کا یہی طریقہ کار ہے کہ مال لے کر پرسنٹیج (Percentage) کے مطابق شرح سود کے ساتھ صاحب مال کو واپس کرتے ہیں اور ضرورتمندوں کو زیادہ متعینہ منافع پر قرض مہیا کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ غیر فطری نظام ہے جو انسانی مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے، ضرورت اس فطری نظام کی ہے، جس کی تشریحات فقہ اسلامی کے مالیات سے متعلق ابواب میں کی گئی ہیں اور جس کا بعض مسلم ممالک میں بعض اقتصادی ادارے (Foundation) کے ذریعہ تجربہ بھی کیا جا چکا ہے، جس کیلئے اسلامی بینک قائم کئے گئے جنہیں پہلے مرحلہ میں سودی بینکوں اور ان کے غیر فطری تبادلہ زر کی طرف سے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا، بایں طور انہوں نے اس مالی نظام کو ناکام کرنے کی کوششیں کیں اور اس کی شکل مسخ کرنے نیز اس بات کی طرف توجہ مرکوز کی کہ جدید دنیا بہرصورت اس نظام کو قبول نہیں کر سکتی، اس لئے کہ مغربی ماہرین اقتصادیات کے دعوے کے مطابق اسلام کے پاس کوئی ذاتی اقتصادی نظام نہیں اور وہ کسی بھی اقتصادی معاملے اور مرحلہ میں انسان کی کسی ضرورت کی تکمیل کی اہلیت نہیں رکھتا، مگر وہ بے چارے یہ نہیں جانتے کہ اسلام کا اقتصادی نظام تو انسان کی تمام مادی ضروریات پر محیط ہے، اور اپنے وسیع معنی میں مساوات پر مشتمل ہے، وہ اس کو سود کی گندگیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جن پر مغربی مادیت فریفتہ ہے اور جسے اسلام ایک شنیع جرم تصور کرتا ہے، قرآن میں ہے "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ بالکل اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جو شیطان کے چھونے سے پاگل ہو گیا ہو، یہ اس وجہ سے کہ وہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں سمجھتے، حالانکہ اللہ نے بیع کو جائز اور سود کو حرام رکھا ہے، اب جس

کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت آئی اور وہ رک گیا تو اس کے لئے مذکورہ خوشخبریاں ہیں اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، البتہ جو دوبارہ وہی کرے تو وہ جہنمی ہے جسے ہمیشہ ہمیش وہیں رہنا ہے۔ اللہ نے سود کو باطل کیا ہے اور صدقات میں وہ اضافہ کرتا ہے اور وہ کسی ناشکرے اور گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔"

مسلمانوں کے اوپر وہ دور بھی گزرا ہے جب وہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے سودی بینکوں کے محتاج تھے، جب اس کی حفاظت کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا، لیکن اقتصادیات کے ماہر مسلم علماء نے غیر سودی بینکنگ کے موضوع پر تحقیق کی اور ہر اس چیز کے بارے میں غور کیا جو تجارت اور قرض میں مالی تبادلہ کی بنیاد بننے کی اہلیت رکھتی ہو، چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلامی بینکنگ کی راہ میں حائل سودی بینکوں کے باوجود حرام کے ادنی شائبہ سے بھی پاک اسلامی بینکنگ کا قیام ممکن ہے جو نہ صرف عالم اسلام بلکہ مغربی ممالک کے لئے بھی نمونہ ثابت ہو سکتا ہے۔

امریکہ و متحدہ ممالک اور دیگر یورپین ممالک میں بڑے بڑے بینکوں کا دیوالیہ ہو جانا اس بات کی کھلی دلیل اور روشن علامت ہے کہ اسلامی شریعت میں سود کا کوئی مقام نہیں، اسی طرح ساری دنیا میں آج اسلامی بینکنگ کا قیام اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ ہی فطری راستہ ہے، خود مغربی مفکرین نے اس راہ سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے جس پر وہ اب تک گامزن تھے، غیر سودی بینکنگ نظام کے قیام کے امکانات کا مطالعہ شروع کر دیا ہے۔ جب سے دنیا کو اقتصادی بحران کا سامنا ہوا ہے، یہی فکر عام ہوگئی ہے، اور اس نظام کو غیر سودی بینکنگ نظام (Interest free banking system) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

مغرب کا اپنے اقتصادی نظام کی تباہی و ناکامی کا اعتراف اس سمت میں اس کی فکر میں آئی تبدیلی کا ثبوت ہے، کیونکہ اسے ایک ایسا نظام درکار ہے جو سابقہ نظام کی قائم مقامی کر سکے اور ان تمام چھوٹے ہوئے مالی منافع کی تلافی کر سکے جن کو وہ ساری دنیا میں چلنے

والی اپنی غیر معمولی تجارتی و مالی اسکیموں اور پروجیکٹوں کے ذریعہ حاصل کرتا رہا ہے، تو کل جو دنیا کا سب سے بڑا دولتمند تھا، وہ اقتصادی نظام کے مطالعہ اور اس کی تحقیق کرنے نیز اس میں دولتمندوں اور سود خوروں کے محلات کو زمین بوس کر دینے والے اس مالی بحران سے نمٹنے کی شکلیں تلاش کرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ غیر سودی بینکوں کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی اور یہی وہ نظام ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

یہیں سے ہم پر اس اسلامی نظام، تجارتی املاک کے سلسلہ میں اس کے طرز عمل اور اہل زر سے ان کے مال کی ایک معین مقدار لے کر اسے غریبوں کے حوالے کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو زکوٰۃ، صدقات اور انفاق کی دوسری شکلوں سے متعلق ہو، جن کی تفصیل سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

''اے ایمان والو! جب تم ایک معینہ مدت کے لئے کوئی قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو، منصف مزاج لکھنے والا اسے لکھا کرے اور لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جیسے اللہ نے بتا دیا ویسے ہی لکھے۔ حقدار لکھے اور اللہ سے ڈرتا رہے اور حق میں کوئی کمی نہ کرے۔ اگر وہ ناسمجھ یا کمزور ہو یا لکھ نہ سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کی روش پر قائم رہتے ہوئے اس کے لئے لکھے، دو گواہ بھی مردوں میں سے بنا لیا کرو، اگر ایسا نہ ہو سکے تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی سہی، جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرتے ہو (موزوں سمجھتے ہو)، یہ محض اس وجہ سے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسرا اسے یاد دلا دے۔ گواہی کے موقع پر گواہی دینے سے گریز نہ کریں۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، مدت تک کے لئے اسے لکھنے سے گھبرایا نہ کرو، یہ اللہ کے نزدیک بھی عین تقاضائے انصاف ہے اور گواہی کے لئے بھی پختگی کا باعث ہے۔ مزید تمہارے شک میں پڑنے سے محفوظ رہنے کا بھی ذریعہ ہے، الا یہ کہ شرکت پر مبنی نقد تجارت ہو، تب نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ متعین کر لیا کرو۔ لکھنے والے (رجسٹرار) اور گواہ کو مشقت میں نہ ڈالا جائے (خوفزدہ نہ کیا جائے)، ایسا کیا تو یہ گناہ ہے، بس اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تمہاری رہنمائی کرتا رہے گا، وہ ہر چیز کو اچھی طرح

جانتا اور سمجھتا ہے"۔

مغربی حلقوں میں کافی سنجیدگی کے ساتھ اپنی جگہ بنانے والی اس اقتصادی بیداری پر نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے بہترین موقع ہے کہ مالی تبادلہ کے صحیح طریقے کی توضیح کریں اور مضاربت اور منافع وغیرہ کے ذریعہ خالص تجارتی بیناد پر بینک قائم کریں۔ یہ کام زبان سے اسلام کے محاسن اور خوبیوں کو اجاگر کردینے سے مکمل ہونے والا نہیں، معاشرہ کو سود کی تمام اقسام واشکال سے مکمل طور پر پاک کرنے کے لئے باضابطہ عملی پلاننگ اور سودی بینکوں کے مالکان کے سامنے زندہ نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے، جو سودی لین دین سے تحفظ کے جویا ہیں اور اسلام کے مالیاتی نظام سے فائدہ اٹھا کر غیر سودی بینکوں کا قیام چاہتے ہیں۔

یہ سود کی حرمت کے سلسلہ میں کہی اور لکھی گئی باتوں کی تکرار اور اعادہ نہیں جس کی مادہ پرست ممالک میں تبادلہ زر کے وقت مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں، بلکہ یہ ایک سنجیدہ کاوش ہے اگر مختلف مالی نظاموں میں عملا اسکا نفاذ ہوتو یہ عالم انسانیت کے لئے زندگی کی الجھنوں، سرکاری مشکلات اور معاشرے کے ان تمام مسائل سے تحفظ کا ذریعہ ہوسکتی ہے جو اس کی محرومی وبدنصیبی کا حقیقی سبب ہیں، باوجودیکہ وسائل وامکانات میں کسی قسم کی کمی نہیں پائی جارہی ہے۔

اسلامی تنظیمیں بلا تفریق آراء وافکار ومسالک علمی سیمیناروں کا انعقاد کرکے اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا تجزیہ کررہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کتاب وسنت اور اسلامی معاشرے کے تبادلۂ زر کی روشنی میں ایک مکمل نہج وضع کرنے کے لئے یہ موزوں ترین وقت ہے۔نیت خالص ہو، عزائم پختہ ہوں اور سنجیدہ کوشش ہو تو مسئلہ کا حل کچھ مشکل اور بعید نہیں، اگر اسلام کے مالیاتی واقتصادی نظام کے ذریعہ کوئی چیز سامنے آتی ہے تو مادہ پرست دنیا کے ممالک اور بینک بھی اس کو بنیاد بنائیں گے، جیسا کہ بعض جگہ غیر سودی بینکوں کا قیام عمل میں آیا ہے۔

یہیں سے عیاں ہو جاتا ہے کہ پوری مسلم دنیا میں پائے جانے والے فقہ اسلامی کے سارے ماہرین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کئے گئے اس مبارک موقع کو غنیمت جاننا چاہئے جس کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ مادی مالیاتی اداروں کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں سود کی تباہ کاریوں اور اس کے گہرے نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لئے مادی دنیا کے سامنے ایک عملی، مثالی نمونہ پیش کیا جائے اور اس کو حکیمانہ انداز سے ماہرین اقتصادیات کے سامنے رکھا جائے۔

جدید اقتصادی نظام میں زندگی کے تمام گوشوں میں سودی لین دین کا اثر عموم کے انتہائی درجہ تک پہنچ گیا ہے، اس طور پر کہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد الا ماشاء اللہ براہ راست یا بالواسطہ اس کی لپیٹ سے محفوظ نہیں رہ سکا ہے۔ اس خطرناک عمومیت کی وجہ سے متعدد مسلم افراد اور تنظیموں کے ذریعہ مختلف سوالات اور استفسارات کئے جانے لگے جن کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ آیا سودی بینکوں اور سودی اداروں کے ساتھ معاملات کرنے کے لئے جواز کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟ قارئین اس مضمون میں انشاء اللہ ایسے تمام اشکالات کے جوابات پاسکیں گے۔

مسلمانوں کے حق میں پاکیزہ اور شفاف مالی نظام سے بڑھ کر اسلام کا اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مومنو! اللہ سے ڈرتے ہوئے بقیہ سود چھوڑ دو''۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ''سات مہلک باتوں سے گریز کرو، عرض کیا گیا: وہ کیا ہیں؟ فرمایا، شرک، جادو، ناحق قتل، سود خوری، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، میدان جنگ سے پیچھے ہٹنا اور پاکدامن مسلم عورتوں پر تہمت لگانا (متفق علیہ) اور حضرت ابو مسعودؓ نے فرمایا: حضورؐ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے، جبکہ ترمذی نے اس کے گواہوں اور لکھنے والوں کے بھی لعین ہونے کی روایت کی ہے۔

امن عالم تو فقط دامنِ اسلام میں ہے

موجودہ منظر نامہ میں اسلامی ثقافت کے خلاف منصوبہ بند کارروائیاں جاری ہیں، جن کا مقصد اسلامی نقوش کو صفحہ ہستی سے یکسر مٹا دینا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے خلاف تخریبی ریشہ دوانیوں اور اس کی تصویر مسخ کرنے کی داستان صدیوں پرانی ہے، تاہم ان ناپاک مقاصد کے عملی ظہور کے لئے ایک طرف تاریخ اسلام کے دھارے کو موڑنے، اسلامی زندگی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور انسان کو اسلام کی ہر چیز سے بے تعلق کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے تو دوسری طرف اس کی خاطر ہر طرح کے اسباب و وسائل اور طاقت استعمال کرنے کی انتھک کوششیں کی جا رہی ہیں۔

سازشوں کی گہرائی اور ان کی اثر اندازی کے باب میں عہد رفتہ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی ہے کہ اصول دین خصوصاً قرآن و حدیث پر ہمہ وقت اور مسلسل یلغار ہو رہی ہو، اور قرآن پاک سے ان تمام سورتوں، آیتوں اور نصوص کے نکالنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہو جن میں یہود و نصاریٰ، فرق ضالہ، جہاد و قتال کی دعوت، نیز شرک سے بیزاری اور شریعت خداوندی پر عمل پیرا ہونے کا تذکرہ ہو۔

اگر ان کے اسباب و علل کو تلاش کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان ریشہ دوانیوں کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ باطل کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیں اور ایسے حالات پیدا نہ ہوں جن کی وجہ سے ابلیس ملعون کی سیادت و سربراہی خطرہ میں پڑ جائے، اس کا تخت و تاج تاراج ہو جائے اور حق کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملے اور وہ لوگوں کے ذہن

ودماغ پراثر انداز ہو۔

نت نئے وسائل وذرائع سے لیس ہوکر وسیع پیانہ پر منصوبہ بند طریقہ سے اسلامی تہذیب وتمدن کی شبیہ کو بگاڑنے اور مذہب اسلام کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے کی غیر معمولی کوششیں کی جارہی ہیں، تاکہ ماحول میں وہ وسائل پنپنے نہ پائیں جولوگوں کی توجہ اسلام کی طرف مبذول کراتے ہیں یا ان کے دلوں میں اسلام کے تئیں مطالعہ کے ذوق وشوق کی قندیلیں فروزاں کرتے ہیں۔

ان کار پردازوں نے "تحذیر وتہدید" کے ہر ممکنہ وسائل کا استعمال کیا اور صرف قولی پروپیگنڈے پر بس نہیں کیا، بلکہ عوام الناس کے سامنے مذہب اسلام اور اس کے متبعین کی خوفناک تصویریں بھی یہ سمجھ کر پیش کیں کہ ان کی تدبیر اور ان کی حیلہ سازیاں دین اسلام تک پہنچنے والی شاہراہوں کو بند کرسکتی ہیں اور امت مسلمہ کی زبوں حالی، اس کی لاچاری وبے بسی، عاجزی ودرماندگی، ان کو مذہب اسلام سے بیزار کرنے میں ممدومعاون ثابت ہوسکتی ہے۔

لیکن اسلام کے خلاف ہونے والی ان تمام تیاریوں کے باوجود یہ مژدۂ جانفزا سننے کو مل رہا ہے کہ لوگ مذہب اسلام میں جوق در جوق داخل ہورہے ہیں اور امن وآشتی کے گہوارہ میں چین وسکون کی زندگی گذار رہے ہیں، گذشتہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کے بعد مغرب میں قبولیت اسلام کا رجحان بہت تیزی سے بڑھا ہے اور پہلے کے مقابلہ میں اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کا جذبہ عام ہوا ہے اور لوگ بطیّب خاطر حلقہ بگوش اسلام ہورہے ہیں۔

چنانچہ بوسینیا اور ہرزیگوینا میں اسلام کا مطالعہ بڑے زور وشور سے کیا جارہا ہے اور اس میدان میں بڑے بڑے اسلامی مدارس اور ادارے سرگرم عمل ہیں، جب کہ وہاں کے مسلمانوں نے اس راہ میں قسم قسم کی تکلیفیں اٹھائیں، طرح طرح کے مظالم سہے، لیکن وہ اس سے باز نہیں آئے، دوسری طرف فرانس میں عورتیں شاہراہوں اور سڑکوں کی زندگی اور وہاں کے ہنگاموں سے اکتا کر خاتون خانہ بننے لگی ہیں۔

فرانسیسی اخبار کے مطابق وہاں کی عورتوں کے دلوں میں "خاتون خانہ" کی جو

خواہشیں چٹکیاں لے رہی ہیں اس کی حیثیت ایک فکری انقلاب کی ہے، ان ارمانوں کے دلوں میں مچلنے کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہ امن وسکون اور گوشۂ عافیت کی تلاش میں ہیں اور یہ فرانس کی سڑکوں پر کہاں نصیب ہوسکتا ہے۔

حیرت واستعجاب کا مقام تو یہ ہے کہ خود فرانسیسی یہود اسلام قبول کرر ہے ہیں، اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ پوری توجہ کے ساتھ کرر ہے ہیں، یہ ایسا واقعہ ہے جس سے یہودی تنظیموں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں۔

چنانچہ یہ تنظیمیں نومسلم یہودیوں اور پشتینی مسلمانوں کے درمیان فساد انگیزی اور نفرت وعداوت کا بیج بونے میں مصروف ہیں اور سرگرمی اسلام کو جوان کے قبول اسلام کا باعث اور محرک ہے اپنے وجود کے لئے خطرہ گردان رہی ہیں، نومسلم یہودیوں کا تناسب فرانس میں ۸۰ر فیصد ہوگیا ہے، جیسا کہ ایک عبرانی اخبار ''معاریف'' میں یہ وضاحت آئی ہے کہ فرانسیسی نومسلموں میں ۸۰ فیصد یہود ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نوجوانان یہود ایک ایسے سہارے کے مشتاق ہیں جس کے سایہ تلے وہ اپنی زندگی گزار سکیں اور جہاں انہیں اطمینان قلب اور ذہنی سکون نصیب ہو، اور یہ صرف اسلام اوراس کی تعلیمات ہی میں مل سکتا ہے: ''امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے''

عبرانی اخبار ''معاریف'' کی صراحت کے مطابق اس بات کا انکشاف ہوا کہ اسلام سے روکنے کے لئے فرانس میں متعصب یہودیوں کی طرف سے جو پیہم کوششیں جاری ہیں، وہی اسلام میں داخل ہونے والے یہودیوں کی تعداد کی افزونی کا بنیادی سبب ہے، اس میں اس بات کی بھی صراحت آئی ہے کہ فرانس میں مسلمانوں کے خلاف یہودی تنظیمیں جو شرانگیزیاں پھیلا رہی ہیں ان کی وجہ سے یہودیوں میں اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کا رجحان اور بڑھ گیا ہے، ایک نومسلم نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ یہودی تنظیمیں نومسلم یہودیوں کو مشتعل کر کے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے انہیں روکنے کی جتنی بھی جان توڑ کوششیں کرڈالیں، لیکن ان سے فرانسیسی یہودیوں کو بالعموم اور وہاں کے نوجوان کو بالخصوص

نہیں روک سکتی۔

فرانس میں یہودی تنظیمیں اس قدر اضطراب و بے چینی کا شکار ہیں کہ انہیں اس نازک موضوع کے سلسلے میں بین الاقوامی یہودی ایجنسی سے مدد کی درخواست کرنی پڑی اور اس سے مطالبہ کیا کہ اس سلسلہ میں جلد از جلد مداخلت کی جائے، انہوں نے یہودی اعلیٰ قیادتوں سے بھی یہودیوں پر دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ وہ انہیں اسلام قبول کرنے سے روکیں اور ان پر پابندی عائد کریں، نیز اسرائیل سے بھی اس سنگین خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے نئی حکمت عملی اپنانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

یورپ میں اشاعت اسلام میں تیزی کی وجہ سے عجیب قسم کا خوف پیدا ہو گیا ہے، اس لئے اٹالوی راجیہ سبھا کے صدر ''مارشیلو بیر'' نے یورپ میں اسلام کی اشاعت پر پابندی عائد کرنے کو کہا ہے، ایک کثیر الاشاعت اٹالوی پرچہ نے ایک انگریزی مستشرق کی یہ پیشین گوئی نشر کی ہے کہ سو سال کے اندر پورا یورپ مسلمان ہو جائے گا، انہوں نے کہا کہ حال ہی میں اس مسئلہ پر توجہ دینے والے ایک پادری سے میری گفتگو ہوئی، انہوں نے باور کرایا کہ اسلام صرف ۳۰ رسال کی قلیل مدت میں یورپ کے اندر اپنی برتری ثابت کر دے گا، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید انہوں نے کہا: مجھے خطرہ اور اندیشہ ہے کہ یہ خیال کہیں حقیقت نہ بن جائے۔

دوسری طرف مقام بشارت ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں لوگ بہ رضا و رغبت اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور اس کے مطالعہ کو حرز جان بنا رہے ہیں، آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ اسلام دنیا کے ہر خطے اور ہر گوشے میں برق رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے، بلکہ اس دیار میں بھی اپنے ''شیوع'' کی قندیلیں فروزاں کر رہا ہے جہاں ہر دن ''شمع اسلامی'' کو بجھانے کے لئے نت نئی تدبیریں اور جدید پالیسیاں بنائی جاتی ہیں۔

جب ہم حقیقت کی تہہ تک پہونچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قبولیت اسلام کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ زندگی کی مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، قنوطیت و ناامیدی، بے چینی اور پریشانی

،افسردگی وآزردگی نے انہیں اپنے شکنجے میں لے رکھا ہے، بے یارومددگار ایسے خلا میں اپنی حیات مستعار کوگزار رہے ہیں جسے خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان ویقین اور شریعت خداوندی کی پاسداری کے ذریعہ ہی پُر کیا جاسکتا ہے، ایسے حالات میں وہ گوشۂ عافیت اور امن وآشتی کے گہوارہ کی تلاش وجستجو میں اور اس کی توقع صرف مذہب اسلام سے ہی کی جاسکتی ہے، چنانچہ مذہب اسلام نے ان کوان کا چھینا ہوا سکون قلب عطا کیا، پرامن پناہ گاہیں مہیا کیں، جب لوگوں نے راز زندگی کو پالیا اور پرامن زندگی انہیں نصیب ہوگئی تو انہوں نے ٹھنڈی سانس لی، اور اس طرح گویا وہ متاع گمشدہ کی یافت میں شادکام وفائز المرام ہوئے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیاۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد، یوم لا ینفع الظالمین معذرتھم ولھم اللعنۃ ولھم سوء الدار" (سوۂ غافر:۵۱-۵۲)

''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کریں گے اور اس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے، جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی، ان کے لئے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو بھی خفیہ یا علانیہ منصوبے بنائے جائیں گے وہ ایمان وعقائد کی چٹان کے سامنے پاش پاش ہوکر رہ جائیں گے اور اسلامی تہذیب وثقافت کا بال بیکا نہ ہوسکے گا، کیونکہ اسلام کے خلاف کی جانے والی ساری خفیہ کوششیں بہت تیزی کے ساتھ رائیگاں جارہی ہیں اور سابقہ زمانوں میں اس کا مشاہدہ بھی ہو چکا ہے، خواہ اس راہ میں ماضی کی بہ نسبت زیادہ زوداثر، ہمہ گیر قسم کے جدید اور طاقتور وسائل استعمال کئے جائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو خبیر وبصیر ہے، وہ دشمن کی ہر تدبیر اور حیلہ سازی سے اچھی طرح واقف ہے، وہی اس کو رائیگاں کرے گا (وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین، ولکن المنافقین لا یعلمون) (عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسکے رسول کے لئے اور

ایمانداروں کے لئے ہے، لیکن یہ منافقین نہیں جانتے ہیں)(منافقون:۸)

یہ نوشتہ تقدیر بھی اٹل ہے کہ وہ اعمال کے لحاظ سے خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے، ان کی ساری مساعی صدا بصحرا ثابت ہوں گی، گرچہ وہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ اچھا عمل کرر ہے ہیں، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت غضب آمیز لہجے میں یوں فرمایا ہے:

قل هل ننبئكم بالاخسرين أعمالا، الذين ضل سعيهم فى الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا، أولئك الذين كفروا بآيات ربهم ولقائه فحبطت أعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا ، ذلك جزاؤهم جهنم بما كفروا واتخذوا آياتى ورسلى هزوا۔(کہف:۱۰۲۔۱۰۶)

"آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری تگ ودو دنیا کی زندگی میں رائیگاں گئی جب کہ وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اسکی ملاقات کا انکار کیا۔"

باب چہارم

مسلم معاشرہ کے کمزور ترین پہلو

مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی

بے اصل اور لایعنی باتوں کو اکثر لوگ خرافات سے تعبیر کرتے ہیں، اس لفظ کا قصہ یوں بتایا جاتا ہے کہ عرب میں قبیلۂ جہینہ کے ایک شخص کا نام "خرافہ" تھا، جسکو جنوں کی ایک جماعت اچک لے گئی تھی اور وہ ان کے پاس ایک عرصہ تک مقیم رہا، پھر جب اس کو رہائی حاصل ہوئی اور اپنی قوم میں واپس آیا تو وہ بے شمار ایسی ایسی باتیں اور قصے بیان کرنے لگا کہ بالآخر لوگ اس کی صداقت پر شبہ کرنے لگے، اور کچھ ہی دنوں بعد وہ اپنی دروغ بیانی اور مبالغہ آمیزی میں ایسا مشہور ہوا کہ خرافات ہر بے اصل اور لایعنی بات کا نام پڑ گیا، اور اسی وقت سے خرافات کی اصطلاح چل پڑی۔

یہ قصہ تاریخی حیثیت سے چاہے جیسا کچھ بھی ہو، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کذب بیانی اور مبالغہ آمیزی میں بڑی لذت ہے، مثلاً ایک باتونی شخص کو آپ لے لیجئے، اس کو جتنی دلچسپی مجلس آرائی اور مبالغہ آمیز گفتگو سے ہوگی اتنی شاید کسی اور چیز سے نہ ہو، چنانچہ وہ اپنی اس ہوس کو پوری کرنے کے لئے بے حقیقت واقعات کو اصل بنا کر پیش کرنے اور اس میں رنگ آمیزی کرنے کے لئے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے، وہ لوگوں کو ہنساتا ہے اور ان کو متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ ہر بات میں رنگ بھر کر اور اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کریں، اس طرح کے لوگ اکثر دوسروں سے سنی ہوئی بات یا کسی واقعہ کو ایسے زاویے سے نقل کرتے ہیں کہ اگر وہ معمولی اور

ناقابل اعتنا ہوتب بھی بہت زیادہ ہیبت ناک اور قابل توجہ بن جائے، وہ ایک بات میں کئی بات اور ایک پہلو میں متعدد پہلو ملا کر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سامعین پر اثر پڑنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ ایک عادت یا معمول ہے جس میں علم وجہل، افراد وجماعت اور چھوٹے بڑے کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ایک واقعہ پیش آتا ہے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے سب پر عیاں ہے، مجالس ومحافل میں اس کا چرچا ہے، اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہورہی ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ جتنی مختلف مجالس ہیں اتنی ہی مختلف باتیں ہورہی ہیں، وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ہر شخص اس خبر یا واقعہ کو زیادہ سے زیادہ......... اہم بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے، تاکہ اسی کے مطابق اس کی اہمیت کا اظہار ہو سکے، اور کسی نہ کسی پہلو سے وہ لوگوں کی نگاہوں میں ممتاز نظر آئے۔

کسی بات کو پھیلا کر اس کو اہم بنانے میں لاشعور کا وہ جذبہ کام کرتا ہے جس میں انسان کو اپنی شخصیت کا احساس ہوتا ہے، یہی احساس بعض وقت بہت زیادہ مبالغہ آمیزی پر مجبور کرتا ہے، جہاں سے ایک معمولی حیثیت کا انسان تھوڑی دیر کے لئے بڑی شخصیت کی شکل میں اپنے آئینے میں دکھائی پڑتا ہے۔

مبالغہ آمیزی یا کذب بیانی ایک ہی جنس کی دو چیزیں ہیں، اس جنس میں چونکہ نفس کو بے حد لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لئے اس کی طرف میلان ہونا ایک فطری بات ہے، نفس کے اس میلان کو اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ صرف دینی بیداری یا خدا کا خوف ہی ہوسکتا ہے، سچ بولنے میں بعض اوقات بظاہر خسارہ اور جھوٹ میں نفع نظر آتا ہے، لیکن اس کے باوجود جھوٹ کا باطنی خسارہ اس قدر بھیانک ہے کہ اس کی مثال معاشرہ میں قدم قدم پر ملتی ہے، چور اپنی چوری میں ماخوذ ہوجاتا ہے تو وہ مختلف طریقوں اور جھوٹ کے ذریعہ اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جوں ہی کوئی فوری اور تکلیف دہ سزا اس کو ملی وہ فوراً اپنی غلطی کا اقرار کرلیتا ہے، حالانکہ اگر وہ صحیح بولتا اور اپنی چوری پر

ندامت کا اظہار کر لیتا تو شاید اس کو یہ سزا بھی نہ بھگتنی پڑتی، نفس کے اسی رجحان کو بدلنے کے لئے شریعت نے بار بار معاشرہ کی اس خطرناک بیماری کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس سے باز رہنے کی ترغیب دی ہے۔

اس کے برعکس دنیا کے کسی بھی معاشرہ کو آپ لے لیجئے، کہیں بھی جھوٹ، مبالغہ آمیزی اور دروغ بیانی سے روکنے کے لئے کسی قانون یا جھوٹ بولنے پر کسی خاص قانونی سزا کا وجود نہیں ہے، اگر ہم غور کریں تو یہ بات بالکل صاف طور سے نظر آتی ہے کہ جس معاشرہ کے افراد آپس میں کذب بیانی روا رکھتے ہوں وہ ہرگز کامیاب اور مؤثر سوسائٹی قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اور نہ وہ دنیا میں کوئی ذہنی یا فکری انقلاب برپا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ اپنے پہلے دور میں جن خصوصیات کا حامل تھا، ان میں حق گوئی اور بے باکی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے حق گوئی وراست بازی کا وہ معیار اس معاشرہ کے افراد نے قائم کیا جس کی مثال اب مفقود ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ سوسائٹی نہایت پاک وصاف اور اخلاقی اقدار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، وہاں کذب وافترا، اور ریاکاری و مصلحت بینی کا کہیں وجود نہ تھا۔

لیکن زمانہ جوں جوں گذرتا گیا، اخلاقی انحطاط بھی رونما ہوتا گیا اور اب اسلامی معاشرہ میں وہ ساری خرابیاں اور وہ تمام خطرناک بیماریاں داخل ہو چکی ہیں جو نہ صرف چند افراد یا کسی جماعت کے لئے خسارہ وہلاکت کا باعث ہیں، بلکہ پوری سوسائٹی اس خطرہ سے دوچار ہے، قدم قدم پر ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں سراسر اخلاقی انحطاط اور ذہنی گراوٹ کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

معاشرہ کا ایک شخص کبھی اپنے دوسرے ساتھی کے لئے کسی عزت، بڑائی اور بلندی کو نہ صرف یہ کہ گوارا نہیں کر سکتا، بلکہ اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عزت و بڑائی اس شخص سے منتقل ہو کر اس کی طرف آجائے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ کسی کی عزت و بلندی کو

دیکھ کر یہ تمنا ابھرتی کہ وہ اس کے اندر باقی رہتے ہوئے اپنے اندر بھی پیدا ہو جائے تو زیادہ نقصان دہ نہ تھا، لیکن نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ

☆ دوسرے کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ حاصل کرنا۔

☆ دوسرے کو ذلیل کر کے خود عزت و وقار پانا۔

☆ دوسرے کو محتاج بنا کر خود صاحب دولت ہونا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان خرابیوں کی ایک ہی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کذب کے ساتھ حسد بھی پوری طرح اپنا کام کرتا ہے، ذہن کے اس رجحان کو بدلنے کے لئے پہلے انہیں چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا خاتمہ کرنا ہوگا، اور اس کے لئے اجتماعی کوشش سے پہلے انفرادی کوشش کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ساری کوششیں بے سود اور تمام تگ و دو بے کار ہے۔

☆☆☆

بدگمانی اور اس کے خطرناک اثرات

انسانی معاشرہ کے لئے جہاں اور بہت سی باتیں مضر ہیں، وہیں بدگمانی یا سوءِ ظن کے نتائج بھی بہت سنگین اور خطرناک ہیں، یہ معاشرہ کا پیچیدہ مرض ہے جس کی دوا کسی طبیب کے پاس نہیں، جس ماحول میں یہ بیماری پھیل جائے وہ انتہائی بدنصیب اور زندگی کے لطف ومسرت سے محروم ماحول ہے، یہی وہ گھن ہے جو رفتہ رفتہ سوسائٹی کی بنیاد کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتا ہے اور ہوا کا ایک خفیف جھونکا بھی اس کے وجود کو ختم کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے، اجتماعی زندگی کا شیرازہ منتشر کرنے میں بدگمانی کا کردار ایک مسلمہ حقیقت ہے، اسی کی بدولت کتنے ملے ہوئے دل متفرق اور کتنے متحد اجتماعی معاملات، انتشار اور شکست و ریخت کے انجام سے دوچار ہوکر رہے۔

اگر ہم اپنی اجتماعی زندگی کا تجزیہ کریں تو بدگمانی کی کارفرمائیاں ہم کو قدم قدم پر نظر آئیں گی، دو بھائیوں کا اختلاف ہو یا دو جماعتوں کا، ہر اختلاف کی تہ میں بدگمانی کا کردار سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دے گا، شوہر کو بیوی سے یا بیوی کو شوہر سے بدگمانی کا انجام قتل یا کم ازکم جدائی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، بعض مثالیں تو ایسی ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی سے بدگمانی ہوگئی جو محض غلط فہمی پر مبنی تھی، مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ بدگمانی اس کے دل میں اس قدر راسخ ہوگئی کہ شوہر نے اس اضطراب اور دردسری سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو جس پر کسی زمانے میں سب سے زیادہ اس کو اعتماد تھا، قتل کر دیا، اور نہ صرف یہ کہ بیوی کو قتل کر کے اس کو اطمینان ہوا، بلکہ یکے بعد دیگرے اس نے اپنے ۸ر بچوں کو قتل کر کے

اس دردسری سے نجات حاصل کی، بعد میں معلوم ہوا کہ جس بنا پر اس نے اتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا وہ محض غلط فہمی تھی، حقیقت سے اس کا دور کا بھی علاقہ نہیں تھا۔

تاریخ کے اوراق الٹئے تو آپ کو سیکڑوں ایسی مثالیں ملیں گی جو غلط فہمی اور بدگمانی کے باعث بڑی بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ بنیں، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دو قریبی اور بے حد تعلق رکھنے والے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے، جس کا سبب محض کوئی بدگمانی تھی، یہ دن رات دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل تعلق اور ایک خاندان کے افراد بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ابتداءً یہ مخالفت اندر چھپی ہوتی ہے، لیکن نتیجۃً وہ ایک بھیانک شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی قتل و خونریزی کی شکل میں، اور کبھی مقدمہ بازی یا ایک دوسرے کو ذلیل کر کے انتقام لینے کی صورت میں، بہر حال بدگمانی اپنا کام کسی نہ کسی طرح پورا کر کے رہتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، جھوٹ تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے، لیکن سب سے زیادہ جھوٹی بات بلاشبہ گناہ کبیرہ سے خارج نہیں ہو سکتی، گویا بدگمانی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے اتنے تاکیدی کلمات ارشاد فرمائے۔

آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول تھے، آپ کوئی بات بغیر حکم الٰہی کے نہیں بیان فرماتے تھے۔ لہٰذا بدگمانی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس میں بہت سی خرابیاں مضمر ہیں، اور اس کے نتائج بیحد خطرناک اور سنگین ہوتے ہیں، معاشرہ میں بدگمانی کا اثر ایک بہت بڑی تخریب کے مرادف ہے جس کا نتیجہ برابر ہماری نگاہوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن اثم

"اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔

(سورہ حجرات-۱۲)

اس آیت میں مفسرین نے ظن سے مراد سوء ظن بتایا ہے، بدگمانی سے بچنے کی تاکید پر نظر ڈالیں اور اس کی شناعت کو مزید مؤکد کرنے اور اس سے نفرت دلانے کے لئے یہ بھی فرمایا گیا کہ بہت سے گمان ایسے ہوتے ہیں جو گناہ کا باعث ہیں۔

آج اسلامی معاشرہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسی جگہ مل سکے گی جہاں یہ مرض نہ موجود ہو، اور بمشکل تمام کچھ ایسے افراد ہم کو مل سکیں گے جو بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیتے ہوں، ورنہ عام طور سے ہمارا معاشرہ اس کی زد میں ہے۔اس کے برعکس دوسرے غیر مسلم ماحول یا معاشرہ میں ہم کو یہ چیز نسبتاً بہت کم نظر آئے گی، بعض وہ ممالک جو ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہونچ رہے ہیں، ان کو اپنی مادی ریس کے سامنے اس کی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کریں۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس بیماری کی گرفت سے آزاد ہیں، بلکہ وہ عالمی پیمانے پر اس میں پوری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جب بھی ہمارے دل میں کسی طرح کی بدگمانی پیدا ہو، پہلے ہم اس کی تاویل کرنے کی کوشش کریں، لیکن اگر اس سے کام نہ چل سکے تو صاحب معاملہ سے رجوع کر کے اس گمان کو ظاہر کریں، تاکہ اگر بات کسی حد تک صحیح بھی ہو تو وہیں سے وہ ختم ہو جائے، ہر ایسی صورت میں جس میں ہمارے سامنے بدگمانی کے مواقع موجود ہوں اطمینان اور سنجیدگی سے کام لینا بیحد مفید ہے، اور عداوت ونفرت کے جذبہ کی پرورش کرنے کے بجائے اس کو ظاہر کر کے اس سے نجات حاصل کرنا ظاہری وباطنی دونوں حیثیتوں سے فائدہ بخش ہے۔

ہماری کمزوریوں اور اخلاقی زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دل، ایک دوسرے کے لئے روشن نہیں ہیں جس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہو۔

حدیث پاک میں اللہ تعالی کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ **المؤمن مرآة المؤمن**: کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔

غیبت معاشرہ کا ایک کمزور ترین پہلو

اجتماعی حیثیت سے ہمارے معاشرہ کو جس چیز نے سب سے زیادہ نقصان پہونچایا وہ غیبت ہے، یہی دراصل وہ روگ ہے جو ہماری اجتماعی شیرازہ بندی اور ملی وحدت کی راہ میں ایک سنگ گراں ہے۔ لیکن ہم غور کریں تو سوسائٹی کے ہر طبقہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں غیبت کی کارفرمائیاں قدم قدم پر نظر آئیں گی، اور ایسا معلوم ہوگا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی زندگی کو اس سے نجات نہیں حاصل ہے، کام و دہن کو اس گناہ سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کا بدل اتنی آسانی کے ساتھ شاید کسی اور چیز میں نہ مل سکے، حکومت کے ایوانوں سے لے کر جھونپڑی کی تنگ و تاریک فضا تک اور محراب و ممبر کی بلندیوں سے میکدوں کی پستیوں تک ہر جگہ غیبت اپنا تسلط جمائے ہوئے نظر آتی ہے

روزمرہ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کس طرح دانستہ اور نادانستہ طور پر ہم اس گناہِ عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں اور کس کس بہانے سے ہم اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، حالانکہ یہی وہ گناہ ہے جس کی حرمت قرآن وحدیث دونوں میں خاصی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس تفصیل کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ غیبت ایک لذیذ اور سہل گناہ ہے، اس سے نفس امارہ کو فرحت حاصل ہوتی ہے اور کبر کے جذبہ کو سکون ملتا ہے، اگر بات صرف اتنی ہی ہوتی اور اس کے مضر اثرات ذاتی حد تک محدود رہتے تو شاید اس کی اتنی اہمیت نہ ہوتی، لیکن معاشرہ کو اس سے جو انتشار لاحق ہوتا ہے اور دلوں میں اس کی وجہ سے نفرت وعداوت کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ بے حد سنگین اور وحدت کے مزاج کے لئے انتہائی ضرر رساں ہے۔

غیبت نام ہے ہر اس بات کا جس کا تعلق کسی کی ذات سے ہو، اور اس کی عدم موجودگی میں ہم اس بات کو اس طرح بیان کریں کہ اگر وہ سنے تو اس کو تکلیف پہونچے، یا وہ اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے، خواہ وہ بات یا عیب اس شخص کے اندر موجود ہی کیوں نہ ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جانتے ہو غیبت کس چیز کا نام ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ وہ اس کو ناپسند سمجھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ حضور اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہو تب بھی وہ غیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہے تو غیبت ہے، لیکن موجود نہ ہونے کی صورت میں تو بہتان ہے۔ (مسلم شریف)

ہم کو سوچنا چاہئے کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں اس صورت حال سے کتنی دفعہ دوچار ہوتے ہیں اور یہ واقعہ روزانہ کتنی بار ہمارے ساتھ پیش آتا ہے، بات صرف یہی نہیں ہے کہ غیبت ہوئی، بلکہ دراصل اس کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کے دل میں نفاق، نفرت وحسد اور بغض وعداوت کے جذبات کو جگہ ملی، یہی وہ جذبات ہیں جو اجتماعیت اور معاشرتی زندگی کے لئے سم قاتل ہیں، ان کی وجہ سے ہماری زندگیوں میں ایسی بے برکتی، بے رونقی اور اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے کہ ملت کی ذمہ داریوں سے قطع نظر ہم اپنی ذاتی ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور ان کا بار اٹھانے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

اگر آپ غیبت کی سنگینی اور اس کی شناعت کا اندازہ کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل آیت کو بغور پڑھئے:

ولا يغتب بعضكم بعضاً أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه واتقوالله إن الله تواب رحيم . (حجرات:۱۲)

''اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم ضرور نفرت کروگے

(تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا ڈر رکھو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

مرے ہوئے بھائی کے گوشت کھانے اور غیبت کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ہم نہ جانے روزانہ کتنی بار اس گوشت کو کھاتے اور اپنے نفس کے جذبہ کو تسکین دیتے ہیں، حالانکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ دونوں سے لوگ (مسلمان) محفوظ رہیں، زبان کا گناہ عمل کے گناہ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ اس کی زندہ مثال غیبت، جھوٹ، چغلی، وغیرہ میں بالکل ظاہر ہے، غیبت ہی وہ جرم ہے جس کی وجہ سے روزہ جیسی بابرکت اور افضل عبادت میں بھی خلل واقع ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے روزہ کے فوائد سے روزہ دار محروم کردیا جاتا ہے اور اس کی بھوک پیاس کا کوئی حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث میں مذکور ہے کہ "روزہ ایک ڈھال ہے" لیکن غیبت اس ڈھال کو پھاڑ دیتی ہے، گویا روزہ جو انسان کو ہر طرح کے گناہ سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے لئے ڈھال کا کام کرتا ہے، غیبت اس کو پھاڑ دیتی ہے اور اس کے لئے ہر گناہ کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

غیبت کے متعلق عام طور پر یہ تصور ہے کہ غلط بات کو کسی کی طرف منسوب کرکے بیان کرنے اور اس پر الزام لگانے کو غیبت کہتے ہیں۔ حالانکہ کسی کے عیب کو مطلق بیان کرنے ہی کو غیبت کہتے ہیں اور اگر وہ عیب اس کے اندر موجود نہ ہو تو وہ بہتان تراشی ہے نہ کہ غیبت، اس سلسلہ میں حدیث کی روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ ٹھگنی ہیں، آپ نے اس بات پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ بھی بدبودار ہوجائے۔

یہ روایت غیبت کی حقیقت اور اس کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے، اور اس میں .... عبرت ونصیحت کا ایک نہایت اہم ترین پہلو ہے۔ کاش ہمارے سامنے صرف یہی حدیث ہو تو ہم غیبت کے تصور سے بھی لرز جائیں اور ہمارے دل میں کبھی اس کا

خطرہ بھی نہ پیدا ہو، مگر افسوس کہ ہم جہاں اور بہت سے اجتماعی اہم معاملات کو نظر انداز کر کے زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، وہیں غیبت سے بھی ہم نے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اس کے انجام و عواقب سے بے خبر ہو کر ہم نے اس کو اپنی زندگی اور معاشرہ کا ایک جزء لاینفک بنالیا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں غیبت کرنا اور اس کا سننا دونوں حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے تو دوسرے کو چاہئے کہ وہ اس کو متنبہ کردے اور اس کی تردید کرے، اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے، اور وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو احتجاجاً مجلس سے اٹھ جانا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

علمائے اسلام نے خالص شرعی اور دینی مصالح میں جو بغیر غیبت کے ممکن نہ ہوں اس کی اجازت دی ہے، جس کی تفصیل فقہ و حدیث کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

ہماری سوسائٹی کی بیماریاں
اوران کے علاج کی ضرورت

آج کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا ایک سرسری مطالعہ اس بات کے ثبوت کے لئے بالکل کافی ہے کہ ہماری زندگی میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور معاشرہ میں ایسی ایسی خرابیاں جاگزیں ہو چکی ہیں، جن کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کو ازسرنو تشکیل دیں اور زندگی کو اسی پرانی راہ پر واپس لے چلیں جہاں سے ہمارے اسلاف اور امت کے رہنماؤں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

ہماری اجتماعی زندگی میں جو بیماریاں داخل ہو چکی ہیں، وہ گھن کی طرح زندگی کی بنیاد کو کھوکھلی کر رہی ہیں اور اس کے سارے بنیادی عقائد کو مسخ کر کے ایک ایسا مخلوط معاشرہ جنم دینا چاہتی ہیں جس کا ظاہر اسلام اور باطن شرک و بدعت اور کفر و نفاق ہوگا، بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ دوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ معاشرہ ظاہری اسلام سے بھی محروم ہوگا اور وہ ایک خالص غیر اسلامی سوسائٹی ہوگی جس پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں اور ناخواندہ طبقے کو دھوکا دیا جائے گا۔

معاشرہ کو تبدیل کرنے کی یہ خفیہ مہم آج سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہے، لیکن اب اس کا دھارا اس قدر تیز ہے کہ عام مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں سے کٹ کر اور عقائد و ایمانیات سے ناآشنا ہو کر رہ گئی ہے، اسلام صرف اس بات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے کہ

رسوم کی پرستش کی جائے، قبروں پر سجدہ کیا جائے، عرس کے مخلوط میلے لگائے جائیں، شرک اور بدعت کے تمام کاموں کو اتنے دھوم اور اہتمام کے ساتھ انجام دیا جائے کہ دوسرے لوگ اسی کو اسلامی شعار، ایمان وعقیدہ کا اہم جز سمجھنے لگیں اور ہر دیکھنے والے کو اس کا یقین ہوجائے کہ اسلام میں یہ سب باتیں بے حد ضروری ہیں اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

آج کے عام مسلمان کی زندگی میں شرک وبدعت، رسوم پرستی، قبروں کی عبادت، نذر ونیاز اور اس طرح کی اور بہت سی بیماریاں شعار کی حیثیت سے داخل ہوچکی ہیں جس کے بغیر وہ اپنی ''اسلامی زندگی'' کو ناقص، اور اپنے ایمان کو غیر معتبر تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک یہی وہ اہم اور بنیادی باتیں ہیں جو ہر مسلمان کے لئے بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ضروری ہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ آخرت میں اس کی نجات اسی پر منحصر ہے، اور اگر نذر ونیاز، فاتحہ وعرس اور ادائیگی رسوم وغیرہ میں کوئی کمی رہ گئی تو اس سے مواخذہ ہوگا اور وہ سچا اور صاحب عقیدہ مسلمان کہلانے کا کسی حال میں مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔

ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو اس کے بغیر مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں سمجھتا، اور ان غیر شرعی امور کو جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انجام دینے کے لئے اپنی آخری کوشش صرف کردیتا ہے، اگر عبادات ومعاملات کے پہلو سے ہم اس کی زندگی کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف اس سے غافل بلکہ نا آشنا اور اس سے بالکل ناواقف ہوگا، اس کو دن رات کی نمازوں کی صحیح تعداد تک نہیں معلوم ہوگی، وہ فرض اور سنت سے قطعاً بے خبر ہوگا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی کلمہ سے بھی بالکل ہی نا آشنا ہوگا، اسی طرح معاملات میں وہ اتنا ناقص ہوگا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں گے، وہ شراب بھی پیتا ہوگا، جوا بھی کھیلتا ہوگا اور چوری کو بھی جائز سمجھتا ہوگا، لیکن وہی شخص ہر جمعرات کو کسی بزرگ کی قبر پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ شب برأت کے موقع پر آتش بازی کے لئے جس طرح بھی رقم مل سکے اس کو جمع کرنا فرض عین خیال کرتا ہے، قبروں پر چڑھاوا چڑھانے کے لئے اور اس پر گھی کا چراغ روشن

کرنے کے لئے ہر طریقہ سے پیسہ حاصل کرنا اس کے نزدیک ثواب کا کام ہے۔ یہ سب محض اس لئے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کے بغیر اسلام کا حق ادا نہیں ہوسکتا، اور وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا اہل نہیں ہوسکتا۔

یہی وہ گھن ہے جو ہماری سوسائٹی میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، ہر شہر، گاؤں اور قصبہ میں اس بیماری نے اپنا تسلط جما رکھا ہے، اور عام مسلمانوں کو اس مرض سے کسی طرح نجات نہیں حاصل ہے، اگر ہم غور کریں تو دراصل اس بیماری کا منبع ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا ایک ایسا گروہ ہے جو اپنی غرض پوری کرنے اور اپنی ذاتی منفعت کے لئے جاہلوں کو دھوکا دیتا ہے اور ان سے دین کے نام پر ایسے ایسے کام کراتا ہے جس کا دین سے کسی حال میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین کو لہو ولعب اور نفس کی تسلی کا ایک ذریعہ بنا کر یہ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں جو ظاہری باتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ اسی کو اسلام، ایمان اور عقیدہ سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کوئی ان کو ان طفلانہ حرکتوں پر متنبہ کرتا ہے تو اس کو دین کے دائرہ سے خارج، وہابی اور کافر تک کہہ دینے سے نہیں چوکتے۔

یہ رسوم پرستی اور شرک و بدعت صرف قبروں اور نذر و نیاز، عرس اور میلوں میں ہر جگہ منحصر نہیں، بلکہ بہت سی جگہوں میں اس کی شکلیں بدلی ہوئی ہیں، کہیں قبر پرستی کا رواج کم ہے، لیکن شادی بیاہ کے موقع پر غالی قسم کی رسوم پرستی کی لعنت اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے سر مو انحراف دین کے کسی بڑے رکن سے انحراف کے مرادف تصور کیا جاتا ہے، کہیں معاملات میں لوگ اس طرح بے لگام ہیں کہ ان کے نزدیک منافع خوری، چور بازاری اور اجارہ داری پر فخر ہوتا ہے اور اس میں ریس اور مقابلہ شروع ہوتا ہے کہ کون زیادہ نفع کما سکتا ہے۔ کون پہلے بنک میں حساب کھول سکتا ہے اور کس کو جلد بہترین مکان بنوانے کا چانس حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کہیں مہر گراں کرنے کا رواج عام ہے تو کہیں بارات کے جلوس میں زیادہ سے زیادہ آتش بازی، کاروں کی قطار، ہاتھی اور گھوڑے کی صفیں، انگریزی باجے کے نغمے، پھولوں اور

پیسوں کی بارش، مالاؤں کا سیلاب اور زیادہ سے زیادہ ظاہر داری کا مظاہرہ کرنے کی رسم ہے، اور اس کو فخریہ انداز میں ہر جگہ بیان کرنے کا طریقہ ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے اسی معاشرہ میں ہوتا ہے جس کو بدقسمتی سے ہم اسلامی معاشرہ کہتے ہیں، حالانکہ اسلامی معاشرہ میں پہلے یہ چیزیں موجود نہیں تھیں، اور نہ تاریخ میں کہیں اس طرح کی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامی معاشرہ ایسے افراد سے بنتا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، شرک و بدعت سے جو بالکل نا آشنا ہوں اور رسوم پرستی، قبر نوازی، اور ان تمام لعنتوں سے پاک ہوں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

آج کے اسلام کا تعلق پہلے کے اسلام سے بالکل نہیں ہے، اگر آج کا اسلام رسم ورواج، شرک و بدعت اور غیر اللہ کی پرستش کو جائز قرار دیتا ہے تو کل کا اسلام اس سے بالکل منزہ تھا، وہاں ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ کے بتائے ہوئے سارے احکام پر عمل ہو، عبادات ومعاملات میں ہر مسلمان اسلامی اصول کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور اسلامی تعلیمات سے ذرہ کے برابر انحراف کو قابل عتاب تصور کرے۔

لیکن جب ہماری عمومی زندگی کا حال یہ ہو کہ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر غیر اللہ کے الہام کئے ہوئے خرافات کو ہم اسلام کا جزء سمجھنے لگیں اور بنیادی عقائد وایمانیات سے بیگانہ ہو کر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جائیں تو بلاشبہ ہمیں اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں اور آئے دن آنے والے عذاب کا شکوہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتے اور اس کے شعائر کی مدافعت نہیں کر سکتے، تو کس منہ سے ہم یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری حفاظت کرے گا اور مصیبتوں کے وقت وہ ہمارا ساتھ دے گا۔

گذشتہ دنوں ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر جو قیامت نازل ہوئی۔ وہاں کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا جب جائزہ لیا گیا تو پتہ یہ چلا کہ وہ لوگ اپنی خاص وعام زندگی میں اسلامی تعلیمات سے بہت پیچھے ہٹ چکے تھے اور معاشرہ کی ہر برائی اور گناہ میں

وہ آگے آگے تھے۔ کتنے مسلمان ان میں ایسے تھے جو شراب کی بھٹیوں کے ٹھیکے دار تھے اور شراب نوشی عام کرنے کے لئے وہ باقاعدہ مہم چلاتے تھے، کتنے لوگ سینماؤں کے مالک تھے اور اس کی برائیوں کو شہ دیتے تھے، اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں کی عام زندگی دین سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ طرح طرح کی برائیاں ان کے گھروں میں داخل ہو چکی تھیں، کسی شر کا استقبال کرنے اور اس کو سینے سے لگا لینے میں ان کو کوئی عار نہیں تھا، بعض دوستوں سے یہاں تک معلوم ہوا کہ ان میں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں میں کوئی فرق نہیں تھا، بلکہ یہ برائیوں میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے، بے پردگی، زنا کاری، شراب نوشی، سود خوری، آزادی اور غفلت، یہ سب کچھ ان کے معاشرہ کا خاص وصف تھا۔

اس کے بعد بھی ہم پر مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں، قیامت کیوں نہ ہمارے سروں پر ٹوٹے، اور ہر طرح کی بے انصافیوں کا نشانہ کیوں نہ ہم بنیں؟ جب تک ہماری زندگی کا یہ حال رہے گا۔ یہ سب کچھ ہوتا رہے گا اور برابر مصائب وآلام نازل ہوتے رہیں گے۔ اس لئے ہر طرح کے اقدام سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے، عبادات ومعاملات میں ہم خود اپنی اصلاح کریں اور افراد کی اصلاح کے لئے کوشش کریں، اس لئے کہ عوام کی اصلاح خود نہیں ہو سکتی، اس کے لئے کوشش ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ شرط ہے کہ ہماری زندگی ایسا نمونہ ہو جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوں اور اس سے سبق حاصل کریں۔

ملک میں بعض دینی جماعتیں افرادی اصلاح کا کام پوری تندہی سے کر رہی ہیں اور اس کے فوائد بھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں، لیکن اس وقت جس طرح یہ مرض پھیل چکا ہے۔ اور یہ بیماری جتنی عام ہو چکی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا ذمہ دار سمجھے، اور معاشرہ میں گھس کر وہ لوگوں کے سامنے صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ رکھے۔

جب تک ہماری دینی حالت بہتر نہ ہوگی، اور ہم اپنی نجی زندگی میں سچے مسلمان

نہ بنیں گے، اس وقت تک کوئی علاج کارگر نہیں ہوسکتا۔ اتحاد بین المسلمین کا خواب، سیاسی بیداری کی کوشش سب کچھ اسی وقت مکمل ہوسکتا ہے، جب مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، اور وہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے شیدائی بھی ہوں۔ بغیر دینی بیداری کے سیاسی بیداری کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

مسلمان اسی وقت ایک زندہ، متحرک، فعال اور گرم جوش عنصر ہوسکتا ہے جب اس میں دینی روح پوری طرح موجود ہو، اسی وقت وہ قوموں کی تقدیریں بدل سکتا ہے اور قیصر وکسریٰ کے ایوان میں زلزلہ پیدا کرسکتا ہے.... لیکن مسلمان اس کے بغیر راکھ کا ایک ڈھیر ہے اور مٹی کی ایک تصویر ہے جو پیروں سے روندی جاسکتی ہے، اور بے دردی کے ساتھ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم کو اپنی حالت کے بدلنے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہونے کی فکر نہیں ہے تو ہم کو ہر طرح کی ذلت، رسوائی، اور غلامی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اقبالؔ نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

☆☆☆

اسلام اس کا نام نہیں

ادھر کچھ دنوں سے یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ خالص مادی اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی اصطلاحات کا غلط استعمال کیا جارہا ہے اور زندگی کے وہ مسائل ومعاملات جن کا اسلام سے ادنیٰ درجہ کا بھی تعلق نہیں ہے، ان کی تائید کے لئے ان اصطلاحات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جانے لگا ہے۔

اس وقت عالمی حلقوں اور مجلسوں میں جو مختلف تعبیرات استعمال کی جارہی ہیں اور جن کا مقصد صرف فساد وگمراہی پھیلانا اور مکروفریب میں مبتلا کرنا ہے۔ ان میں ''اسلامی انقلاب'' کی اصطلاح بھی ہے جو ہماری تاریخ کے اس آخری دور میں بہت عام ہوگئی ہے اور اس کا ایک خاص مفہوم ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے، جس کی تشریح کچھ ایسے لوگوں نے شروع کردی ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح ''اسلامی قیادت''، ''اسلامی حل''، ''اسلامی کانفرنس''، ''اسلامی قطعی نتائج'' اور بھی بہت سی تعبیرات ہیں جن میں اسلام کا نام آگیا ہے، (۱) لیکن اس عمل سے کوئی اسلامی خدمت، دعوت اسلامی کی ترویج واشاعت یا کوئی اور بہتر مقصد مطلوب نہیں ہے۔

آج اسلام کے بارے میں ہمارا نظریہ بالکل مادی وسیاسی نظریات کے مثل ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہماری زبانیں ہر موقع پر اسلام کا کلمہ رٹنے کی عادی ہوگئی ہیں، اور ہم اسلامی حکومتوں اور انجمنوں کے ہر عمل کو اسلامی عمل کے نام سے یاد کرنے لگے ہیں، جس کی

(۱) ابھی ماضی قریب میں ''اسلامی بم'' کی نامناسب اصطلاح بھی مغرب نے ایجاد کی ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

وجہ سے اسلام کا مفہوم اب بہت ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اور زبان و کلام کے دائرہ سے باہر اس کی رسائی ممکن نہیں، دن بدن مادی مسائل و معاملات میں اس کا غلط استعمال بڑھتا جا رہا ہے، جہاں تک اسلام کے وسیع و عمیق مفہوم کا تعلق ہے تو وہ خالص ایمانی زندگی، اللہ و رسول کی اطاعت کاملہ، ان کی تعلیمات پر عمل، ان کے لئے دل و جان کی بازی لگا دینے کا آئینہ دار ہے، مگر اب یہ باتیں غفلت و نادانی اور بے عملی کی نذر ہو رہی ہیں۔

گویا کہ اسلام کی حیثیت ایک نظریاتی فیشن یا دینی فلسفہ کی ہوگئی جو اسلام کو ایک پیچیدہ فلسفیانہ رنگ میں پیش کرتا ہے اور اس کو بھی عام رسوم و عادات کے درجہ میں لا کھڑا کرتا ہے، چہ جائیکہ اس سے ایمان کی حقیقت اور عمل صالح کی واقعیت کا علم حاصل کیا جائے اور جو انسانی زندگی کو پاکی و طہارت، عفت و پاکدامنی کے زیور سے آراستہ کرے، اور مسلمانوں کے لئے حقیقی و دائمی سعادت کا راستہ ہموار کرنے کی کوشش ہو، اس لئے کہ ہر انسان اس کا خواہشمند نظر آتا ہے، خواہ اس کا دین و ایمان، اس کی سیرت و زندگی اور اس کا نظریہ کیسا ہی ہو، بلاشبہ سعادت انسانیت کی گمشدہ متاع ہے، اس کے گم ہو جانے سے وہ ہر قسم کی لذت و راحت، سکون و اطمینان، انفرادی ہو یا اجتماعی، سے محروم ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" من عمل صالحا من ذكر أو أنثىٰ وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة و لنجزينهم أجرهم بأحسن ما كا نوا يعملون " (نحل:۹۷)

''جس نے نیک عمل کیا ایمان کی حالت میں، مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور اس کو اس کے عمل کے بدلے میں بہتر اجر دیں گے''

جو لوگ آج اپنے نفع کی خاطر لفظ ''اسلام'' کے کلمہ کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں ان میں کوئی دینی اور ایمانی شعور اور عملی زندگی نہیں پائی جاتی، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ کسی اور کو نہیں، بلکہ خود اپنے آپ کو، اپنی قوم کو، اپنی جماعت اور اپنے ملک و حکومت کے مفاد کو نقصان پہونچاتے ہیں، بھلا وہ دین اسلام، اور اس کے

زندہ جاوید ولافانی پیغام کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں جس کی حفاظت وترقی، قوت وعظمت اور ہمہ گیری کی ذمہ داری ہر طرح کے مکروفریب کے باوجود اللہ تعالی نے لے رکھی ہے۔

اسلام خالص ایسی دعوت ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاتم النبیین کے واسطے سے اس آخری امت کو عطا فرمایا اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو تاریکی سے روشنی میں لا کھڑا کرے، باطل سے حق کی راہ دکھلائے، بدبختی وشقاوت کے سمندر سے نکال کر سعادت وخوش بختی کے ساحل پر پہونچا دے، لہٰذا یہ گوش گذار رہے کہ ہر وہ شخص جو اسلام کو اپنی انسانی خواہشات، اپنے مصالح ومفاد کے حصول کا ذریعہ بنائے گا اس کا شمار شیطانوں کے ہمنواؤں اور اس کے دوستوں میں ہوگا اور پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی، کمیونسٹ یا مارکسی ہو کر مرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا، الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا، وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا، أؤلئك الذين كفروا بآيات ربهم ولقائه فحبطت أعمالهم، فلا نقيم لهم يوم القيامة وزناً، ذلك جزاؤهم جهنم بماكفروا، واتخذوا آياتي ورسلي هزوا. (کہف ۱۰۳،۱۰۶)

”آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں دنیا ہی کی زندگی میں صرف (غارت) ہو کر رہیں، اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں، یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اس کے سامنے حاضری کا انکار کرتے ہیں، سو اُن کے سارے کام غارت ہو گئے، سو ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ، اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری نشانیوں اور میرے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی تھی“۔

☆☆☆

اسلام سے بیزاری کیوں؟

اسلام غلط فہمیوں کے سائے میں

آج کل کچھ لوگ محض اس بنا پر اسلام سے نفرت کرتے ہیں کہ انہیں اسلام کو اپنانے میں اپنا اقتدار اور بالادستی، اپنے مادی اغراض اور ذاتی مفادات کو خطرہ محسوس ہوتا ہے، حالانکہ یہ خیال نہایت ہی غلط ہے، اور یہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں، اسلام ہرگز ہرگز انسانی حقوق پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اس کی صلاحیتوں پر کوئی بند لگاتا ہے، اسلام ہر انسان کو اس کا پورا پورا حق دیتا ہے، اس کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے توازن و اعتدال کے ساتھ اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کی روشنی میں اسے اس کا حق فراہم کرتا ہے، اسلام ان خود ساختہ نظاموں اور انسانی قوانین سے بالکل مختلف ہے، کچھ لوگ انسان کی طاقت اور اس کی زندگی کا نہایت غلط استعمال کرتے ہیں، اور اس کا اس قدر استحصال کرتے ہیں کہ وہ مصیبت زدہ رہ کر دنیا سے چلا جاتا ہے، لیکن آقاؤں کے گھروں میں دولت کے چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں، جس نظام میں کسی مخصوص طبقہ کے ایک فرد کو حکمرانی سونپ دی جاتی ہے اور اسے پورا اختیار فراہم کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہش اور مرضی لوگوں پر تھوپتا رہے، خواہ وہ منتخب حاکم، بدنامِ زمانہ ہی کیوں نہ ہو اور اپنے سیاہ کارناموں کے ساتھ شہرت رکھتا ہو، وہ نہایت بے باکی کے ساتھ ملک کی ساری دولت کے دہانے اپنی خواہش کی جانب پھیر لیتا ہے، اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ سب جمہوریت کے خوشنما نام سے کیا جاتا ہے۔

یہ دورِ حاضر کی جمہوریتیں، آمریتیں اور سیکولرازم کیا ہیں؟ قدرت سے بغاوت کرنے والے انسانی گھروندے، جن کا انجام بالآخر تباہی ہے، جو ایسے ڈھانچے ہیں جن کا ظاہر تو خوشنما لیکن اندرون چنگیز سے تاریک تر، ان تمام انسانی نظاموں کے دو رخ نہایت خوشنما، روشن اور چمکدار ہوتے ہیں، سادہ لوح عوام اور بھولے بھالے انسان ان کے ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر فریب کھا جاتے ہیں اور اس کے گرویدہ و حامی بن جاتے ہیں، دوسرا رخ نہایت بدنما اور تاریک ہوتا ہے، اس پر ظاہر داریوں کا پردہ پڑا ہوتا ہے، اور خفیہ مواقع پر وہ اپنا کام کرتا ہے، یہ دوسرا رخ ہی اس کا حقیقی چہرہ ہے، اسی کے ارادوں کا وہ پابند ہوتا ہے، یہ چہرہ کیسا ہے؟ ناجائز نفع اندوزی کا چہرہ، ظلم کا چہرہ اور ہر قسم کے جرم کا چہرہ، لیکن یہ چہرہ نمایاں نہیں ہوتا، لوگ اس چہرہ سے واقف نہیں ہو پاتے اور بیشتر اوقات تو اس کی شناخت بھی مشکل ہوتی ہے۔

اسلام اس موقع پر سامنے آتا ہے، اس بدنما، تاریک اور مجرمانہ چہرہ سے نقاب اٹھا دیتا ہے، پھر دنیا دیکھ لیتی ہے کہ اس چہرہ کا کیا حال ہے، اس پر انانیت، ناجائز کمائی اور نفع اندوزی و جرائم کے کتنے داغ لگے ہوئے ہیں، اسلام انسان کی حقیقی تصویر اور اس کا اصلی روپ نظروں کے سامنے پیش کر دیتا ہے، وہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تو وہ مقام بلند عطا کیا ہے جس میں کوئی دوسری مخلوق اس کی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقنا هم من الطيبات وفضلنا هم على كثير ممن خلقنا تفضيلا "

(بنی اسرائیل:۷۰)

''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی، اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔''

اسلام تمام انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ حقیقت نقش کر دیتا ہے کہ ساری انسانیت ایک آدم کی اولاد ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت مٹی سے ہوئی تھی، یہ حقیقت بھی ان کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے کہ فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے، اگر تقویٰ اور خدا کا خوف کسی کے مرتبہ کو اونچا کرنے کا ذریعہ نہ بن سکے تو پھر کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، اسی طرح کسی کالے کو گورے پر یا کسی گورے کو کالے پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں، خدائے ذوالجلال نے اپنی لافانی کتاب مقدس میں یہ حقیقت واشگاف کر دی ہے، فرمایا:

" یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عندالله أتقاکم إن الله علیم خبیر " (حجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنادئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔''

اس اسلامی مساوات کے نتیجہ میں جب تمام انسان ایک مقام ومرتبہ پر کھڑے نظر آتے ہیں اور معیار فضیلت محض تقویٰ قرار پاجاتا ہے تو اسلام ہر فرد بشر کو عقیدہ وکردار کی بنیاد پر اپنی سیرت کی تعمیر کے مکمل مواقع فراہم کرتا ہے، اور یہی نہیں بلکہ اپنی قبائے کردار کو آراستہ کرنے کے لئے فضائل ومحاسن کے زریں تلکے بھی مہیا کرتا ہے، اور اس سیرت کو داغدار بنادینے والی چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے متنبہ کر دیتا ہے، قرآن حکیم اس قیمتی ہدایت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

" وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا "

(حشر:۷)

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ''

گویا اسلام نے پیغمبر اسلام کی مبارک زندگی کی صورت میں ایک مکمل آئیڈیل فراہم کر دیا ہے، آپ کی جامع حیات طیبہ کے ہر گوشہ میں رہنمائیاں بکھری ہوئی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت، اخلاق، اعمال واقوال، ارشادات اور احکامات غرض مختلف سورتوں میں نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ تعلیمات وہدایات دی گئی ہیں، قرآن کا ارشاد ہے

"لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجوالله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا" (احزاب:۲۱)

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے۔''

اس پاکیزہ سیرت کے سانچہ میں ڈھلنے اور اس اسوہ ونمونہ کو زندگی کے ہر گوشہ میں اپنا لینے کے بعد سچی کامیابی اور سعادت یقینی ہے، اس نمونۂ زندگی اور پیکر حیات کے سامنے آنے کے بعد کوئی بھی انسان اسلام سے نفرت نہیں کرسکتا، اس کے حاشیۂ خیال میں بھی اسلام بیزاری کا کوئی نقش نہیں ابھرے گا، کیونکہ اسلام کی یہ عملی تصویر اور اس کا سچا روپ انسانی فطرت کی متاع گمشدہ ہے، انسان اپنی طبیعت وفطرت کے عین تقاضوں کو پاکر ایک کیف و لذت محسوس کرتا ہے، ایک روحانی سرور جس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا، اس جوہر نایاب کو پالینے کے بعد کیوں کسی انسان کو کوئی ڈر اور خوف محسوس ہوگا اور کیوں اسے دورخے پن اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، وہ منافقانہ رویہ کہ موقع ومنفعت کے لحاظ سے ایک چہرہ کو ظاہر کرے اور دوسرے کو چھپالے، اسے چند کھنکھناتے سکے اور عہدہ وکرسی اپنا اسیر نہیں بناپاتے، وہ اپنی معمولی اغراض کی خاطر جمہوریت، اشتراکیت اور سیکولرازم کے جھوٹے نعروں کے ہتھیار استعمال کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

واقعہ ہے کہ اسلام کے سایہ تلے انسان کو سکون ومسرت اور قلبی شادمانی کی عجیب اور عظیم دولت نصیب ہوتی ہے، ایک اندرونی فرحت واطمینان اسے بے خود کئے رہتا ہے، اس کے

شب وروز امن وعافیت کے سیائے میں بسر ہوتے ہیں، ان خوشیوں میں نہال ہوکر وہ عہدہ وکرسی اور مال ودولت کو بھلادیتا ہے، بلکہ اگر یہ چیزیں اس کے قدموں پرآ کرگرتی بھی ہیں تو وہ انہیں کمال بے نیازی سے ٹھکرادیتا ہے، زندگی کی الجھنوں میں الجھ کر وہ اپنی پرسکون زندگی کی مسرتوں کو بے مزہ نہیں کرنا چاہتا، اگر کچھ قبول کرتا بھی ہے تو محض رب کو خوش کرنے اور ضمیر مطمئن کرنے کی خاطر، اپنی دینی اور ایمانی ذمہ داریوں کو انجام دینے کی غرض سے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کے مقصد سے۔

اے کاش! آج لوگوں نے ان تعلیمات اور ان بے مثال ہدایات کی روشنی میں اسلام کو سمجھا ہوتا، اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے جھوٹے پروپیگنڈوں، افواہوں اور بے جا خوف کے دبیز پردوں کو اپنے ذہن ودماغ سے نوچ کر پھینک دیا ہوتا اور پھر بصیرت کی بے داغ روشنی میں حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔

☆☆☆

داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک

عموماً انسان کی یہ عادت اور خصلت رہی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو اپنے وجود سے باہر کی دنیا میں تلاش کرتا ہے اور اسے اپنے اندرون میں موجود اور اپنے سر پر سوار رہنے والا خطرناک دشمن نظر نہیں آتا۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یـأیهـا الـذیـن آمـنـوا ادخـلـوا في السلم کافة، ولا تتبعوا خطوات الشیطان ، إنه لکم عدو مبین (بقرہ:۱۶۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"إن الشیطان للإنسان عدو مبین" (یوسف:۵)

ترجمہ: ''شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

چونکہ شیطان غیر مرئی مخلوق ہے، اس لئے حقیقتاً اس کا کوئی ظاہری اور محسوس وجود نہیں ہے بلکہ وہ تو اس قدر لطیف ہے کہ انسان کے خون میں دوڑتا ہے اور اس کے ہر طرح کے برے اعمال کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اور کفر و شرک اور آداب انسانی کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جب بے چارہ انسان اس کے حکم کا اتباع کر لیتا ہے اور گناہوں و منکرات میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہی شیطان انسان سے دستبردار ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تم سے بریٔ الذمہ ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، ارشاد باری ہے:

کـمـثـل الشیـطـان إذ قـال لـلإنسان اکفر، فلما کفر قال إني

بريئ منك ،إني أخاف الله رب العالمين (حشر:١٦)

''شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شیطان تو انسان کے رگ وریشہ میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔(بخاری:۲۵۳۵)

کچھ ایسا ہی معاملہ ابلیس کا انسان کے ساتھ ہے جو اسے نافرمانیوں پر ابھارتا ہے، مال وزر اور جاہ ومنصب کا لالچ دلاتا ہے، پھر انھیں جادۂ حق سے پھسلا دیتا ہے اور جب وہ اس کی دسیسہ کاریوں اور پرفریب وعدوں پر اعتماد کر بیٹھتا ہے تو اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیتا ہے۔ یہی چیز اس میں صبر وثبات، ایمان ویقین اور صراط مستقیم اختیار کرنے کے خلاف شدید ردعمل پیدا کردیتی ہے، ایسے موقع پر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ جانوروں جیسی عادتوں کو اختیار کرلے چنانچہ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے، شیطانوں کی مانند خوشی سے اتراتا پھرتا ہے اور ان کفار ومشرکین کی طرح گدلے پانی میں اللہ کے بندوں کا شکار کرتا ہے جنھوں نے ان پر زمین کو تنگ کردیا تھا اور انسانی قدروں کو یکسر فراموش کرکے ہر طرح کے کذب وافترا کے تیروں سے ان کو نشانہ بنایا تھا، یہاں تک کہ ان کا انجام بہت برا ہوا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول منطبق ہوتا ہے:

لهم قلوب لا يفقهون بها ، ولهم أعين لا يبصرون بها، ولهم آذان لا يسمعون بها ،أولئك كالأنعام بل هم أضل ، أولئك هم الغافلون (أعراف:١٧٩)

''ان کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔''

بنی نوع انساں کی اس جماعت پر، جو تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے، ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور عارف باللہ شیخ جلال الدین رومی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے جو انھوں نے پستی میں جا گرے انسان کے تعلق سے فرمایا تھا: ''وہ انسانوں کی سی شکل و

شباہت رکھنے والے ہیں، وہ انسان نہیں بلکہ نفس کے غلام اور شہوتوں کے پجاری ہیں، وہ شکم سیری، سیرابی اور شہوت جیسی بہیمانہ خصلت کے رسیا ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر روٹی کی حکمرانی چلتی ہے اور شہوتوں نے ان کے ضمیر کو مردہ کر دیا ہے۔''

مولانا رومی نے اپنے دیوان میں اسی تعلق سے ایک لطیف واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''گذشتہ رات میں نے ایک عمر دراز شخص کو مشعل لئے شہر کا چکر لگاتے ہوئے دیکھا، جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو، میں نے دریافت کیا: جناب والا! آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں درندوں اور چوپایوں کی زندگی سے اکتا گیا ہوں اور بالکل تنگ آچکا ہوں، میں ایک عظیم انسان اور جری و دلیر شیر کی تلاش میں نکلا ہوں، میرا دل ان کاہلوں اور بونوں سے تنگ آگیا ہے جنھیں میں اپنے اردگرد پاتا ہوں، میں نے کہا: جس کو آپ تلاش کر رہے ہیں اسے پانا مشکل ہے، کیونکہ میں نے خود اسے ایک عرصہ تک تلاش کیا لیکن کامیاب نہ ہوسکا، اس نے کہا: میں ایسی ہی چیز کے تلاش کرنے کا شیدائی ہوں جو آسانی سے حاصل نہ ہوتی ہو''۔

اس واقعہ سے اگر ساتویں صدی ہجری کی انسانی صورتحال کی تصویر کشی ہوتی ہے تو پندرہویں صدی ہجری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جبکہ انسان نے اخلاقی قدروں کو فراموش کر دیا ہے اور شیطان اپنی تمام تر فریب کاریوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے، اور خیر و بھلائی، اطاعت و فرمانبرداری اور احسان شناسی کے ان تمام راستوں کو بند کر دیا ہے جن سے اسلام نے ہم کو روشناس کرایا اور ہمیں فکری آلودگیوں اور اخلاقی بیماریوں سے نکالا، اور ہمیں ان لوگوں کی صف میں لا کھڑا کیا، جنھوں نے ایمان و عقیدہ اور اطاعت و فرمانبرداری کی ایک عمدہ مثال قائم کی، اور عالم انسانیت کو زندگی کے انسانی طریقہ سے نوازا اور ان کو احترام نفس، سعادت انسانیت اور اس عظیم الشان امانت کے اعلیٰ مقاصد کی ایک نئی دنیا تشکیل دینے کی توفیق ملی، جس کو اللہ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انھوں نے اس کی عظمت کی وجہ سے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معذرت پیش کر دی، انسان ہی اس امانت کو

اٹھانے کا زیادہ سزاوار تھا، لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ کے محض ایک اشارہ پر اس امانت کی ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا اور اس کی وجہ سے مستقبل سے غافل اور انجام سے بے خبر رہا، گویا وہ اس ذمہ داری کی عظمت سے ناواقف تھا اور اسے قبول کر کے خود پر ظلم کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إنا عرضنا الأمانة على السموات و الأرض والجبال ، فأبين أن يحملنها وأشفقن منها، وحملها الإنسان ،إنه كا ظلوماً جهولاً (أحزاب:۷۲)

''ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا وہ بڑا ہی ظالم و جاہل ہے۔''

یہیں سے دو قسم کے انسانوں کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص وہ ہے جو اپنے اندر کے دشمن کی پرورش کرتا ہے، اسے اچھی غذا فراہم کرتا ہے، توانا وطاقت ور بناتا ہے، اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کا دشمن خود اس کے اندر جاگزیں ہے جہاں سے وہ اس کے تمام اعصاب پر غالب آجاتا ہے۔ لہٰذا اس سے صادر ہونے والا ہر عمل اسی دشمن کے وسوسہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو جانتا ہے کہ شیطان کو اپنی سرگرمیوں میں بڑی چابکدستی اور مہارت حاصل ہے، وہی بنیادی فرائض اور اسلام کی مقرر کردہ حدود و قیود کی پامالی کے راستہ کو ہموار کرتا ہے، اس کا نتیجہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اکرام مسلم سے لاپرواہی، حقوق کی پامالی کی شکل میں نظر آتا ہے اور انسان کو ہر طرح کی برائی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس سے انسان کا راستہ ایمان وعقیدہ، طاعت وفرمانبرداری اور خیر و بھلائی کے مقابلہ میں خواہشات نفس سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، لہٰذا لوگ اس کے شر و رفتن سے محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو منہیات سے گریزاں رہے، اور فرمایا: جو دنیا میں دوُ رخا ہوگا، قیامت میں اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک لحیم و شحیم آدمی کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہ انہیں میں ہے، اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے: منافق کی تین علامتیں ہیں:

جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، مزید ایک چوتھی علامت ہے کہ جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ کا سرسری طور پر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ کن برائیوں، بغض وحسد اور دوسرے کے حقوق سے غفلت کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ صرف عوام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہمارے اصحاب علم وفضل اور ان جماعتوں کے کارکنان بھی اس کی زد میں ہیں جو خود کو دعوت وارشاد اور اللہ کے راستہ کا سپاہی تصور کرتے ہیں، اس بیماری کے نتیجہ میں ان کے اندر بہت سے اخلاقی امراض پیدا ہو گئے ہیں، آج مسلمان جس اختلاف وعداوت اور گروہ بندی کا شکار ہیں وہی بہت ہے، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایمانی اخوت بھی باقی نہیں رہی، ہر شخص ایک دوسرے سے بلا کسی شرعی جواز کے محض بغض وحسد کی بنیاد پر اختلاف کرتا ہے اور یہ اختلاف اتنا شدید ہوتا ہے کہ پہلے تو رنجش اور کشاکشی کا باعث بنتا ہے پھر دونوں کے درمیان ایک گہری خلیج پیدا کر دیتا ہے اور یہ تفریق آخری درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور لامتناہی امراض کو جنم دیتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو آج طرح طرح کی ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ہماری بڑی تمنا ہے کہ مسلمانوں کے خواص کے درمیان ایک پختہ اور مضبوط وحدت پیدا ہو جائے، پھر اس کا اثر عام مسلمانوں کی طرف منتقل ہو، اس کے بعد ان لوگوں تک پہنچے جو اسلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور صورتحال کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اپنے تمام اقوال وافعال کا ایک بلند وبہترین نمونہ پیش کریں جسے دیکھنے کے لئے لوگ بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں:

یـأیهـا الـذیـن آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، کبر مقتاً عند الله أن تقولوا مالا تفعلون (صف:۳)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، اور تم جو کرتے نہیں، اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔''

طبقہ خواص میں بعضے ایسے بھی ہیں جن کی اخلاقی تربیت نہیں ہوسکی، اور دینی تعلیم کا وافر حصہ نہیں ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پرورش اور نشو ونما آزادانہ طور پر ہوئی اور اخلاقی قدروں میں پختگی حاصل نہ ہوسکی اور زندگی میں ایک مسلمان کی ذمہ داریوں کو وہ نہ سمجھ سکے، لہٰذا یہ طبقہ بلا کسی وجہ جواز کے غیظ وغضب کی آگ میں جل رہا ہے، اسلامی آداب واخلاق پر مشتعل ہے اور اعلیٰ اقدار وروایات کو ملیا میٹ کر رہا ہے اور معاشرہ میں فساد کا باعث اور اس کا تخریبی عنصر بن گیا ہے جیسا کہ بہت سی جگہوں میں ایسی مثال موجود ہے کہ لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والا کوئی عمل نہیں کر پاتے، درحقیقت ان کے ضمیر مر چکے ہیں یا انھوں نے چند سکوں اور ٹھیکروں کے عوض اسے بیچ دیا ہے اور آخرت کی فکر اور اللہ کے سامنے حساب وکتاب کا تصور ان کے دلوں سے ختم ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعاً (کہف:۱۰۴)

''وہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا کر رہے ہیں''

اور فرمایا:

والـذين كفروا بعضهم أولياء بعض إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير (أنفال:۷۳)

''کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔''

تو کیا اس مہلک مرض کا کوئی علاج ہے یا پھر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ پورا انسانی معاشرہ اس کا شکار ہو جائے:

يـأيها الذين آمنو الا تكونوا كالذين آذوا موسى فبرأه الله مما قالوا وكان عند الله وجيها (أحزاب:۶۹)

''اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، پس جو بات انہوں نے کہی تھی (یعنی جو عیب نکالا تھا) اللہ نے انہیں اس سے بری فرما دیا اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔'' ☆☆☆

کیا بھولے، کیا یاد رکھا، اخلاقی قدروں سے؟

انسانی زندگی کا امتیاز دراصل ان اخلاقی قدروں سے ہے جن کی بدولت انسان کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا اور فرشتوں کے مقابل میں بھی اسے عالی مقام بنایا گیا ،آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی زندگی کو اخلاق کے بے مثال جوہر سے الگ کر دیجئے اور دیکھئے کہ آپ میں اور عام جانور میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،فرض کیجئے کہ آپ لوگوں کی عزت پر حملہ کرنے لگیں اور ان کے جان و مال کے لئے خطرہ بن جائیں اور لوگ آپ سے ڈرنے اور دور بھاگنے لگیں تو آپ کو دنیا کن الفاظ سے یاد کرے گی ۔اور آپ میں اور ایک بلند اخلاق انسان میں کیا نسبت باقی رہ جائے گی۔

اخلاقی قدروں ہی کے طفیل انسان ایک عظیم شخصیت بنتا ہے اور عظمت و بلندی کا تاج اس کے سر پر جلوہ آرا ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسی نے اخلاقی قدروں کو بھی انسانیت کی سر بلندی کا زیور بنا کر نازل کیا ہے اور انسان روز اول سے اخلاقی قدروں کے ساتھ وابستہ ہے اور دونوں میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے، نبی اسلام کا امتیازی وصف سب سے بڑی آسمانی کتاب قرآن میں بتایا گیا ہے کہ وإنك لعلى خلق عظيم (قلم: ٤) اے نبیؐ! آپ اخلاق کے عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہیں۔

انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اپنے مقام سے واقف نہیں تھا، اخلاق کی روشنی سے وہ محروم تھا، اس میں اور جنگل کے درندوں میں کوئی فرق نہ تھا، طاقتور انسان کمزور انسان کا خون بہاتا تھا، اس کی جان، اس کا مال ہر چیز کی وہ بے حرمتی کرتا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح جنگل

کا بڑا جانور چھوٹے کو کھا جاتا ہے اور طاقتور کمزور کو دبا دیتا اور مار ڈالتا ہے، لیکن زندگی کا یہ طریقہ بالکل غیر فطری تھا اور زیادہ دنوں تک اس کا برقرار رہنا قانون فطرت کے خلاف تھا۔

یہیں سے اخلاقی قدروں کا دور شروع ہوا، انسان کی عظمت دوبالا ہوئی، انسانیت کو سربلندی نصیب ہوئی، اور چھوٹے کے ساتھ بڑے کو شفقت کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا، چھوٹے کو بڑے کے ساتھ عزت و تعظیم کا معاملہ کرنے کو کہا گیا، انسانوں کے باہمی حقوق کا تعین کیا گیا، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے الگ الگ حقوق بتائے گئے، والدین کے حقوق اولاد پر اور اولاد کے حقوق والدین پر، بیوی کا شوہر پر اور شوہر کا بیوی پر، پڑوسی کے حقوق پڑوسی پر، دوست کا حق دوست پر، گھر کے اندر کی زندگی میں حقوق کی حدیں مقرر ہوئیں، باہر کی زندگی میں معاملات کی تفصیلات واضح کی گئیں، اسی کے ساتھ زبان کی برائیوں، دل کی بدگمانیوں، نظر کی کوتاہیوں اور دورنگی کی مصیبتوں سے آشنا کیا گیا، جھوٹ، غیبت، حسد، بدگمانی، دل کے کھوٹ اور دوسروں کو حقیر سمجھنے اور غرور و گھمنڈ کی لعنتوں سے روکا گیا۔

نبی اسلام ﷺ نے ۲۳ رسال تک محنت کے اور زندگی و سماج کی برائیوں کا خاتمہ کر دینے کے بعد ایک نمونہ کی سوسائٹی قائم فرما کر دنیا کو اخلاقی قدروں کی اہمیت سے آشنا کر دیا تھا لیکن انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو عظیم الشان تقریر فرمائی اس میں بار بار ان اخلاقی قدروں پر کاربند رہنے اور ان کو زندگی میں نافذ کرنے پر زور دیا ہے۔

"اے لوگو! جس طرح آج کے دن کی، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح ایک دوسرے کے جان و مال کی عزت کرو اور اس کو اپنے اوپر حرام سمجھو، دوسروں پر ظلم نہ کرو، خبردار! میرے بعد تم لوگ سچائی کے راستے سے بھٹک نہ جانا، آپس میں خون خرابہ نہ کرنا، عورتوں کے ساتھ شفقت و نرمی سے پیش آنا، غلاموں سے اچھا سلوک کرنا، غذا و لباس میں ان کے ساتھ کسی قسم کی تفریق نہ برتنا، ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا، اے لوگو! جو کام کرو، سچے دل سے کرو، آپس میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو، اور یکتا و اتحاد کی راہ سے ہرگز نہ بھٹکو"۔

دیکھنے میں تو یہ ایک مختصر سی نصیحت ہے، لیکن اس میں اخلاقی تعلیمات کا ایک سمندر

موجزن ہے اور دنیا نے بارہا تجربہ کرکے دیکھ لیا ہے کہ ان اخلاقی تعلیمات میں زندگی کی خوشیوں، اور دنیا میں امن وخوشحالی کا راز مضمر ہے، جب بھی انسانوں نے ان تعلیمات کو سینے سے لگایا اور اندروباہر کی زندگی میں، انفرادی اور اجتماعی میدانوں میں ان پر عمل در آمد شروع ہوا تو انسانی معاشرہ امن وخوشحالی کی نعمتوں سے سرفراز ہوا، آدم کی اولاد نے سکون ومسرت کی عظیم وسعتوں میں زندگی بسر کی، اور دنیا کو جنت نشاں بنایا۔

اخلاقی قدریں جب بھی انسانی زندگی پر اثر انداز ہوئیں اور انسانوں نے اخلاقی اصولوں کو اغراض اور ذاتی مفاد پر مقدم رکھا، اس وقت ایک نمونے کا معاشرہ وجود میں آیا، یا کم ازکم اس معاشرہ کے افراد کو زندگی میں امن واستحکام نصیب ہوا، اگر آج کے معاشرے میں بھی ہم اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو یادرکھیں، یا بالفاظ دیگر کچھ باتوں کو بھول کر کچھ باتوں کو یادرکھیں تو بڑی حدتک معاشرہ اصلاح پذیر ہوسکتا ہے اور زندگی میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت کا ازالہ ہوسکتا ہے۔

اگر ہم بھول جائیں کہ ہمارا حق دوسروں پر کتنا ہے اور ہم کس حدتک دوسروں کے احترام وتعظیم کے مستحق ہیں، اور ہمیں یہ یاد رہے کہ دوسروں کے کتنے حقوق ہمارے اوپر عائد ہوتے ہیں تو نمونے کی سوسائٹی قائم کرنے میں ہم بہت بڑا کردار ادا کرسکتے ہیں۔

عمر کی بڑائی، علم وفضل کی بلندی، آباء واجداد کی عزت اور خاندان کی عظمت واہمیت کو بھول کر اگر ہم یادرکھیں کہ تکبر انسان کو ذلیل کرتا ہے، خاندان اور اپنے بزرگوں کی عظمت پر بھروسہ کرنے والا انسان کبھی کامیابی کی منزل تک نہیں پہونچ پاتا، تو سماج کی اکثر برائیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر ہم یہ بھول جائیں کہ ہم بہت کچھ ہیں اور یہ یادرکھیں کہ ہم کچھ نہیں تھے تو بہت سی انفرادی اور اجتماعی خرابیاں معاشرہ کے اندر سے دور ہوسکتی ہیں۔

ہم کو یادرکھنا چاہئے کہ حسد ایک لعنت ہے، ظلم ایک گھناؤنی شکل ہے، طاقت اور برتری کا ہمہ دم احساس اور غیبت معاشرہ کا سب سے بڑا روگ ہے، اسی کے ساتھ ہم کو ان برائیوں کے ختم کرنے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو بھی یادرکھنا چاہئے، تاکہ ظلم کو ہر قیمت

پر روک سکیں، جھوٹ پر ہر حال میں پابندی لگا سکیں، حسد، غیبت، بدزبانی، سخت خوئی، اور دورنگی کی پالیسی کو ہر طرح سے مٹا سکیں۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ پڑوسی کا ہمارے اوپر کیا حق ہے، اگر وہ کمزور ہے تو اسے تقویت پہنچانے کے لئے ہم کو کس طرح کے کردار کا مظاہرہ کرنا ہوگا، اگر وہ غریب ہے تو اس کی کس طرح مدد کرنی ہوگی، اگر وہ بیمار ہے تو ہم کو اس کی کتنی فکر کی ضرورت ہوگی، اگر وہ مصیبت زدہ ہے تو اس کی مصیبت میں کس طرح ہاتھ بٹانا ہوگا اور اگر وہ طاقتور اور مالدار ہے تو ہمیں کس طرح اس سے معاملہ کرنا ضروری ہوگا، اسی طرح ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اپنی ذاتی مصروفیات اور مادی مشاغل سے وقت نکال کر ہم اپنے خدا کی طرف بھی متوجہ ہوں اور اس کے حقوق ادا کرنے کے لئے اپنی جان اور اپنے مال کی کسی حد تک قربانی دیں، ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ اس کی دی ہوئی دولت میں اس کے کمزور اور غریب بندوں کا بھی حق ہے اور اس کی بخشی ہوئی صحت وطاقت سے کمزروں کو سہارا دینے اور اس کی راہ میں کچھ تھکنے اور وقت نکالنے کی بھی ذمہ داری ہم پر ہے۔

اگر حقیقت بیں نظروں سے آج کے بگڑے ہوئے معاشرہ کا جائزہ لیا جائے تو اس بگاڑ کا اصل سبب ہم کو یہی نظر آئے گا کہ اخلاقیات کے فطری عمل کو ہم نے روک دیا ہے، اور ان قدروں کو جو زندگی کو امن وخوشحالی کی ضمانت دیتی ہیں، ہم نے ان کو اغراض اور نفع اندوزی کے محدود دائرے میں محصور کر دیا ہے، جہاں ہماری اپنی غرض ہو اور اپنا مفاد پیش نظر ہو وہاں، ہم دوسروں کو ان اخلاقی قدروں کا سختی سے پابند دیکھنا چاہتے ہیں، اور جب دوسروں کو فائدہ پہونچانے کے لئے ان پر خود عمل درآمد کا وقت آئے تو ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کہاں تک حسنِ اخلاق کے پابند ہیں اور زندگی میں کس حد تک اخلاقی قدروں کو نافذ کرتے ہیں۔

☆☆☆

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

امتِ اسلامیہ آج جس نازک دور سے گذر رہی ہے وہ اس امت کی تاریخ میں بہت اہم اور تشویشناک مرحلہ ہے، مسلمان جہاں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ عالمِ اسلام ہو یا غیر اسلامی ممالک، ہر جگہ وہ من حیث القوم کمزور، پس ماندہ، مظلوم اور زخم خوردہ ہیں، ان کی حالت اس شکست خوردہ کی سی ہے جو میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر لوٹے اور ہمیشہ کے لئے اس پر ذلت و کمتری کا احساس مسلط ہو جائے، جس ملک کو آپ چاہیں دیکھ لیں اور جس علاقہ پر چاہیں نظر دوڑا لیں سب سے زیادہ کمزور اور مغلوب صرف مسلمانوں کا طبقہ ملے گا، شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جہاں چاہئے مسلمانوں کی مغلوبیت، ان کی مظلومیت، ان کے احساس کہتری کی داستانِ تازہ سن اور پڑھ لیجئے۔

اگر چہ بعض مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جہاں مسلمان بظاہر خوشحال، غالب اور طاقتور ہیں، لیکن اندرونی طور پر وہ بھی ذہنی غلامی، احساس کمتری میں مبتلا ہیں وہ باطنی حیثیت سے بالکل شکست خوردہ اور مرعوب ہیں، ان پر دوسری ترقی یافتہ قوموں کے افکار و نظریات کا ایسا غلبہ ہے کہ وہ زبان حال سے اسلام کو ایک بوسیدہ مذہب، ایک رجعت پسندانہ نظریہ، اور ایک کرم خوردہ نظام تصور کرتے ہیں۔

یہ وہ صورت حال ہے جو مسلمانوں کے لئے نہ صرف تشویشناک بلکہ ملت کے شیرازہ کو بالکل منتشر اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لئے کافی ہے، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر چہ بہت سے غمگسارانِ ملت اور ہمدردانِ امت اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کام کر رہے ہیں اور تمام اسلامی اور دینی جماعتیں ان ناخوشگوار حالات کو محسوس کر رہی ہیں اور ان

کو بدلنے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس امت کی تاریخ کا وہ نازک ترین مرحلہ ہے جس سے گذرنے کے لئے ہماری یہ تمام کوششیں اس وقت بارآور ہوسکتی ہیں جب ہم کمتری، مغلوبیت اور مظلومیت کا احساس ختم کرکے اپنے آپ کو اس منصب امامت وقیادت کا اہل بنالیں جو ہمارے اور صرف ہمارے لئے مخصوص ہے اور جب ہم صحیح معنوں میں جانشین خاتم الانبیاء بن کر خلافت ارضی کی ذمہ داری سنبھالیں جو صرف ہمارا حصہ ہے۔

لیکن آج اس ترقی یافتہ دنیا میں ہم نے اپنا مقام سب سے پیچھے رکھا ہے، ہم مادہ پرست قوموں کے غلام بن کر زندگی گذارنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں، ہم اس خالص مادہ پرست تہذیب کی تقلید اور خوشہ چینی کو ترقی اور تمدن کی علامت سمجھنے لگے ہیں، ہم نے یہ طے کرلیا ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان قوموں کی اتباع وتقلید وقت کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے مذہب کی غیرت اور اس کا احترام اپنے دل میں رکھتے ہوئے موجودہ دور میں اسلامی نظام حیات کو ناکافی اور اس کی تمام تعلیمات کو ناقابل عمل تصور کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لئے ہمیں بہت پیچھے لوٹنا چاہئے، اور اس معاشرہ کو بروئے کار لانا چاہئے جو اس نظام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جو واقعی اور عملی زندگی میں اس سے مستفید ہونے کے جذبات سے معمور ہو، ان کے نزدیک موجودہ تہذیب اور عصر حاضر کی ثقافت وعلوم کا سیلاب بلاخیز اپنے گرداب سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا، وہ کہتے ہیں کہ اس گریز پا ترقی کے دور میں صرف اتنا کرلینا کافی ہے، کہ نظریاتی طور پر آپ مذہب کو مانیں اور اس کی قابل عمل تعلیمات پر عمل کرلیں، ان کے نزدیک ایسے زمانہ میں نماز وروزہ اور دیگر فرائض کا پورا کرلینا ہی بہت بڑا دینی کام ہے، بلکہ عصر حاضر کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

یہی وہ شکست خوردہ ذہنیت ہے جو مغرب کی تہذیب، اس کی ترقیوں اور اس کی مادی پیش قدمیوں سے مرعوب ہے، جو کسی حال میں اس کے بالمقابل آنے کی روادار نہیں، وہ مغرب کو ترقی کے اس نقطۂ عروج پر تصور کرتی ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں، اور جو

صرف قیادت کی منزل ہوسکتی ہے جس کے سامنے ساری مذہبی، اخلاقی اور انسانی قدریں بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتی ہیں۔

دوسرا طبقہ جو تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ ہے ،جس نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مادیت ،الحاد، اور تمام شیطانی طاقتیں اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ ان کے سامنے مذہب ایک ضعیف اور مغلوب الحال نظریہ بن کر رہ گیا ہے، اور جس کے لئے مسجد کے گوشوں ،یا اذان کے مناروں یا خطبۂ جمعہ کے منبروں یا بعض مذہبی رسمی تقریبات سے آگے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، وہ مذہب کو زندگی کے لئے لازم، اس کی تعلیمات کو انسانیت کا نجات دہندہ، اور اس کی برتری وافضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے حالات کے سامنے اپنے آپ کو مجبور تصور کرتا ہے، اور اپنی ذاتی زندگی تک اسلام کے محدود رکھنے کو بہت کافی سمجھتا ہے۔

لیکن اس بگڑی ہوئی دنیا اور ترقی کے آخری نقطہ تک پہنچی ہوئی اس تہذیب کے دھاروں میں ایک طبقہ وہ بھی موجود ہے جو ہر حال میں اسلامی نظام کو قابل عمل اور اسی کو انسانیت کے سارے دکھ درد کا علاج تصور کرتا ہے، وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے ان تمام تدبیروں اور وسائل کو بروئے کار لاتا ہے جن کی اسلام اجازت دیتا ہے اور اس کے لئے ہمت افزائی کرتا ہے۔

یہ ان داعیوں اور داعیانہ جذبہ رکھنے والے ان افراد کا طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح فہم اور اس کے صحیح منشا و مراد سے واقف ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ دنیا کا سارا بگاڑ، ساری خرابیاں اور ہر طرح کی برائیوں، اور فسادات کا سرچشمہ مذہب سے بے تعلقی ہے اور اس خدا بیزار تہذیب کا نتیجہ ہے جو آج ساری دنیا پر مسلط ہے۔

یہی وہ طبقہ ہے جو مادہ پرست حکومتوں، اور ان کے پیچھے چلنے والی تمام حکومتوں کی نظر میں انتہائی مبغوض اور گردن زدنی ہیں، یہ پر جوش اور ایمان و عمل کے جذبہ سے لبریز وہ افراد ہیں جو اسلام کی حقانیت، اس کی ابدیت، اس کی ہمہ گیریت اور اس کے بلند تصورات پر پختہ

ایمان رکھتے ہیں، جو منکر کو دیکھ کر خوش نہیں رہ سکتے، جو گناہوں کو فروغ پاتے ہوئے دیکھ کر تغافل نہیں برت سکتے، جن کی آخری تمنا اسلام کی سربلندی ہے، جو ایمان کی زندگی اور خدا و رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے حلقہ کو وسیع کر کے زندگی میں اللہ کے قانون کو نافذ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر مرض کا علاج اسلام اور صرف اسلام کو سمجھتے ہیں۔

اس طبقہ کا وجود آج کی ہر حکومت اور ہر اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچلنے اور آوازۂ حق کو خاموش کر دینے کے لئے تمام حکومتیں متحد ہیں خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ملکوں کی حکومتیں، حد تو یہ ہے کہ اس طبقہ کو پسپا کرنے کے لئے ان حکومتوں نے صرف آتش و آہن کی مدد پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے رعایا کے تمام مسلمان افراد کو ان کی مخالفت کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے پر آمادہ کیا۔

گویا اسلام کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کمزور کرنے اور اس کے تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے انہیں کے افراد کو استعمال کیا گیا اور دین کی مخالفت نام نہاد دین سے ،اسلام کی مخالفت مصنوعی اسلام سے، اور اسلامی قدروں کی مخالفت مصنوعی مذہبی قدروں سے کی جانے لگی، ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو، ایک جماعت دوسری جماعت کو، ایک شخص دوسرے بزرگ کو نقصان پہونچانے کے لئے اس طرح آمادہ ہو گیا کہ گویا وہ کوئی بہت مقدس اور کوئی بہت عظیم اسلامی مہم ....انجام دے رہا ہے، جس سے غفلت برتنے پر آخرت میں اس کو جوابدہ ہونا ہوگا۔

یہ ہے وہ تلخ حقیقت، جو آج مسلمانوں کے معاشرہ میں ہر جگہ موجود اور محسوس ہے، کہیں بڑے پیمانے پر، کہیں حکومتوں کی سرپرستی میں اور کہیں جماعتوں کی سرپرستی میں، کہیں ذاتی بغض و عناد کے جذبات کام کر رہے ہیں تو کہیں جاہ و منصب کی حرص و ہوس اپنی کمندیں پھیلا رہی ہے۔

اس افسوس ناک حقیقت سے بھی انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں اور اس کے مخالفین کو اس طرز عمل سے بہت شہ ملی، انہوں نے خواہ اس موقع کو غنیمت سمجھا ہو،

یا کوشش کر کے یہ موقع پیدا کیا ہو، جو صورت حال بھی ہو، بہر حال وہ مسلمانوں کو کمزور اور مغلوب، ذلیل وخوار، کمزور وناتواں اور شکست خوردہ بنانے کے لئے بہت کافی تھی، چنانچہ اس کا ردعمل یہ ہوا اور برابر ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ عظیم اور غالب امت صرف کمزور اور مغلوب ہی نہیں ہے، بلکہ احساس ذلت ورسوائی کے ایسے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے جس نے اس کو ہر بلندی اور پیش قدمی سے محروم کر رکھا ہے، اور جس سے بظاہر (جب تک یہ صورت حال اور طرز عمل قائم رہے) نجات کی کوئی توقع بھی نہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میں نہیں سمجھتا کہ امت اسلامیہ کی موجودہ مغلوبیت ومظلومیت کسی اور طرز عمل کا نتیجہ ہے، بلکہ اسی طرز عمل نے اس کو اس انجام تک پہونچا دیا کہ دس کروڑ مسلمانوں کی ۲۲ر بڑی بڑی حکومتوں نے مل کر بھی تنہا ایک معمولی تعداد رکھنے والی ذلیل قوم یہود کو جوان کے ملک میں دخیل اور جارح قوم تھی جو ہر چہار جانب سے انہیں حکومتوں سے گھری ہوئی تھی، صرف اس کو بھی یہ ساری حکومتیں ایک آواز اور ایک جسم ہو کر زیر نہ کر سکیں، بلکہ شکست کھا کر اور جان ومال اور رقبہ حتی کہ مسجد اقصیٰ جیسی مقدس یادگاروں تک کا عظیم تر خسارہ برداشت کر کے واپس آ گئیں۔

اسی طرز عمل کا انجام ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات وشعائر، اور اس کی روح سے بالکل کٹ چکا ہے، اور اس نے وہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے جو وقت کی سب سے ذلیل وکمزور اور پست ہمت قوم ادا کرتی ہے، اور جو قوم قیادت وامامت کا خداداد منصب لے کر آئی تھی وہی آج اپنے زمانہ کی پیرو اور مقلد ہے۔ اقبالؔ نے پہلے ہی کہا تھا ؎

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

☆☆☆

خانہ ساز شریعت یا آئینہ کتاب وسنت

آج جس دور میں ہم زندگی گذار رہے ہیں وہ اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دائرہ تصور سے بھی زیادہ وسعت پذیر ہے، ترقی کے اس دور میں اس قدر حساس اور Sensitive آلات تیار ہو گئے ہیں کہ بغیر کسی خاص محنت اور کوشش کے انسانی زندگی میں برتی جانے والی چیزوں کی نقل اتار لینا اور بہت سی مصنوعات کو اپنی اصلی صورت سے بھی زیادہ صاف وشفاف انداز میں انسانی سوسائٹی کے کسی ماحول میں پیش کر دینا بالکل آسان ہو گیا ہے، اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ نقلی مصنوعات اس قدر اپنی اصل کے مطابق ہوتی ہیں کہ اصل اور نقل کے درمیان تمیز کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح اسلامی زندگی کا معاملہ بھی نظر آتا ہے اور اکثر اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہر اعتبار سے انسان کی زندگی اسلام کے قالب میں پوری طرح ڈھلی ہوئی ہے، بلکہ وہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کا زیادہ حق رکھتی ہے، مگر بہت زیادہ باریک بینی کے ساتھ اس کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کے خط وخال کو نہایت حساس آلات کے ذریعہ دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ صحیح اسلامی زندگی کی نقل معلوم ہوتی ہے اور اصل بنیاد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اس مختصر تمہید سے میری غرض یہ ہے کہ اس زمانے میں جس طرح اشیاء کا تعلق اصل اور نقل سے ہوتا ہے، اسی طرح دین کا تعلق بھی اصل اور نقل سے ہونے لگا ہے، چنانچہ صحیح اور اصل اسلامی زندگی پختہ دینی عقیدہ کے ساتھ نہایت مضبوطی سے جڑی ہوتی ہے، اس میں عقیدۂ توحید کو عظیم بنیادی اہمیت حاصل ہے اور شریعت کے جملہ احکام وتعلیمات پر عقیدہ کی

پختگی کے ساتھ عمل کرنا اسلامی زندگی کی اصل کسوٹی ہے اور یہیں سے یہ فرق واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان کا پختہ عقیدہ کے ساتھ اسلام کی عملی نمائندگی کرنا اور اللہ تعالی کی عبادت واطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ومحبت کے پختہ رنگ کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں چڑھالینا ایمان ویقین کا سب سے بڑا سودا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

يـأيهـاالـذيـن آمنوا هل أدلكم على تجارة تنجيكم من عذاب أليم ، تـؤمـنـون بـالله ورسـولـه وتجاهدون فى سبيل الله بـأمـوالكم وأنفسكم،ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون،يغفر لكم ذنـوبـكم ويدخلكم جنات تجري من تحتها الأنهار، ومساكن طيبة في جنات عدن، ذلك الفوز العظيم ،(صف:۱۰۔۱۲)

”اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتادوں، جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ اللہ تعالی پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو، اللہ تعالی تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہونچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

دوسری طرف بھی ایک ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے نہایت شاندار اسلامی زندگی کا نمونہ ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلامی زندگی نہیں بلکہ اس کی نقل ہے، اگرچہ برملا اور متعین طریقہ سے اس کا اظہار کرنا دعوت کی حکمت کے خلاف ہے، تاہم اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج کے انحطاط پذیر دینی ماحول میں یہی سکہ رائج الوقت ہے، اس نقل اور اس کی اصل کے درمیان تمیز کرنا ہر کس وناکس کی قدرت سے باہر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

قـل أتعلمون الله بدينكم والله يعلم ما في السموات وما في الأرض والله بكل شئى عليم،(حجرات:۱۶)

"کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو، اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

آج کے بازار میں اصلی سکے کے ساتھ کچھ نقلی سکے بھی داخل ہو گئے ہیں، اور بظاہر ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، لیکن اس میدان کے ماہرین جب اپنے نہایت حساس آلات کے ذریعہ اس کو جانچتے اور پرکھتے ہیں تو نقلی سکہ اختیار کرنے والا سخت سزا کا مستوجب ہوتا ہے اور اس کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ عہد کرے کہ اسے اب ہر طرح کی نقل سے دستبردار ہونا ہے اور اصل کو اختیار کر کے سرخرو ہونا اس کی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔

آج شریعت اسلامی کے پاکیزہ ماحول میں اسلام کے بنیادی عقیدہ کے ساتھ کچھ ایسے عقیدے اور خیالات در آئے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سحر سامری کی طرح ایک شیطانی اثر ہے، اس کی وجہ سے ایک خانہ ساز شریعت وجود پذیر ہوگئی ہے، ضرورت ہے کہ اس سے احتیاط برتی جائے، اور اسلامی شریعت کو زندگی کے ہر گوشہ میں نافذ کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

☆☆☆

وقت یا تلوار..........!

اس عالم فانی میں انسان کے لئے وقت ایک ایسی متاع بیش بہا ہے جو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کسی قیمت کے عوض واپس نہیں لائی جاسکتی، دنیا کی نایاب سے نایاب شئی کے ملنے کی توقع ہر وقت کی جاسکتی ہے اور بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی کا امکان موجود ہے، لیکن وقت انسان کی وہ کنجی ہے جو کھو جانے پر پھر واپس نہیں مل سکی، اور زندگی کا قفل پھر ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے، اسی لئے وقت کو انسان کی سب سے اہم ترین اور قیمتی متاع بتایا گیا ہے اور ہر دور کے عقل مند انسانوں نے اس کی قدر کی ہے اور اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا ہے۔

آپ اپنی زندگی کی تاریخ پر نظر ڈالئے، اور اس وقت کا احساس کیجئے جب سے آپ نے زندگی کا سفر شروع کیا ہے اور دنوں پھر مہینوں کو شمار کرنا شروع کیجئے، تو آپ کو اپنے وقت کا حساب لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں پیش آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا جیسے ابھی ابھی کل ہی کی بات تو ہے، دنیا کی زندگی میں جس طرح یہ احساس پیدا ہوتا ہے، بالکل قیامت کے دن بھی حساب کے موقع پر اسی احساس سے دو چار ہونا پڑے گا، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

ویوم یحشرهم کان لم یلبثوا إلا ساعة من النهار یتعارفون بینهم (سورہ یونس: ۴۵)

''اور جس دن خدا ان کو جمع کرے گا تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ گویا وہاں گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے۔

لیکن دنیا کے لوگوں کی حالت کتنی عجیب ہے کہ قضا وقدر ان کو متنبہ کر رہی ہے، اور وہ اس سے غافل ہیں، ان کی زندگی کی قیمتی ساعت پوری برق رفتاری کے ساتھ گذر رہی ہے، لیکن وہ اس حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

اسلام دین رحمت ہے، وہ زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور اس کو خوشگوار بنانے کے لئے وہ ایسا نظام مرتب کرتا ہے جو ایک مثالی معاشرہ کو وجود میں لائے جس کی بنیاد اعلیٰ انسانی قدروں پر قائم ہو، لیکن مثالی معاشرہ اسی وقت برپا ہوسکتا ہے، جب اس کا ہر فرد اپنے وقت کی قیمت اور اپنے لحات کی اہمیت کو بھی سمجھتا ہو، وہ اس اصول سے پوری طرح واقف ہو کہ ''الوقت كالسيف ،إن لم تقطعه قطعك '' (وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس سے کاٹنے کا کام نہیں کروگے تو کسی دن وہ تم کو کاٹ دے گی)۔

انسان اپنے وقت کی قیمت پہچانے اور اس سے کام لے، یہ بھی ایمان اور تقویٰ کی علامت ہے، زمانے کے الٹ پھیر اور لیل ونہار کی گردش سے سبق حاصل کرنا اہل تقویٰ کا شعار ہے، وہ اس سے سبق لے کر اپنے قیمتی وقت کو اس کام میں لگاتے ہیں جو آنے والی زندگی میں ان کی مدد کرسکے۔

اسلام نے عبادات کے اندر بھی وقت کی اہمیت اور ترتیب کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے، پنجگانہ نمازوں میں وقت کی ترتیب کس قدر نمایاں ہے، سال میں مقررہ وقت پر روزہ کی عبادت، زکوٰۃ اور حج کی عبادت یہ سب کچھ اس بات کا مظہر ہے کہ اسلام وقت کی قیمت کا کس قدر قائل ہے۔

زندگی کو منظم اور بامقصد بنانے میں وقت کی ترتیب اور اس کے نظام کو بڑا دخل ہے، اسی لئے ایک مسلمان کے نزدیک ہر کام کا ایک وقت اور ہر عمل کی ایک ترتیب ہے۔

انسان اپنی ذمہ داری کو اسی وقت امانتداری کے ساتھ ادا کرسکتا ہے جب وہ وقت کی اہمیت کا پورا احساس رکھتا ہو، وہ سمجھتا ہو کہ کام کو اس کے مقررہ وقت میں انجام دینا خوشگوار زندگی حاصل کرنے اور مثالی معاشرہ قائم کرنے میں سب سے زیادہ معاون ہے۔

وقت کی قیمت کو سمجھنے والے اور اس کی اہمیت کا احساس رکھنے والے ہر زمانہ میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، خالص مادی نقطۂ نظر سے وقت کی قیمت کو سمجھنے والے بھی مادی حیثیت سے دوسروں کے مقابلہ میں کم ہیں، مادہ پرست قوموں نے بھی جب وقت کی قدر کی اور اس سے پورا فائدہ حاصل کیا تو زندگی کے میدان میں وہ آگے بڑھ کر رہیں، اور اپنی حریف قوموں کے مقابل میں وہ مادی ترقیوں میں اتنی آگے نکل گئیں کہ کوئی ان کے مد مقابل آنے کی ہمت نہ کرسکا۔

آج بھی دنیا کی جن قوموں نے وقت کی قیمت کو محسوس کرلیا، وہ تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگیں، اور انہوں نے ایسے حیرت ناک کارنامے انجام دیۓ جو اہل زمانہ کی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

مسلمان کا ہر لحہ اس کے لئے خیر و برکت کا پیغام ہے اور خوشگواری و مسرت کا انعام ہے، بشرطیکہ وہ اس سے مستفید ہو، اور صحیح معنوں میں اس کی قیمت سمجھ سکے، اس لئے کہ گذرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آسکتا، اور نہ اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دن کے شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ اے ابن آدم! میں ایک مخلوق ہوں اور تمہارے اعمال پر گواہ ہوں، اس لئے کہ جو عمل صالح کرنا ہو کرلو، ورنہ یاد رکھو میں واپس نہیں آسکتا، قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وهو الذي جعل الليل والنهار خلفة لمن أراد أن يذكر أو أراد شكورا۔ (سورہ فرقان:۲۵)

''ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا نظام اللہ تعالی نے بنایا، ہر اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور شکر گذار بننا چاہے''۔

قوموں کی ترقی کا راز وقت کی ترتیب و تنظیم میں جس حد تک مضمر ہے کسی اور چیز میں نہیں، تاریخ کی کتنی بڑی بڑی شخصیتیں وقت کی قیمت پہچاننے کے بعد اس منزل پر

پہنچیں جہاں سے انہوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جوتاریخ کے صفحات پرنقش ہیں۔

آج بھی اور ہر زمانہ میں تاریخ کا ہیرو، قوموں کا قائداور مثالی شخص وہی شخص بن سکتا ہے جواپنے وقت کی قدر پہچان کراس سے پوری طرح مستفید ہوسکے۔

انسان کی عمراس کاسب سے عظیم سرمایہ ہے، قیامت کے دن جن چار باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سوال کرے گا، ان میں سب سے مقدم یہی سوال ہوگا کہ اس نے اپنی عمر کس چیز میں گذاری، حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن کسی بندہ کا قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، عمر کے بارے میں کہ کس مشغلہ میں گذاری، جوانی کے بارے میں کہ اس کوکس کام میں لگایا، مال کے بارے میں کہ اس کوکہاں سے کمایا اور کس جگہ صرف کیا، علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کہاں تک عمل کیا۔

☆☆☆

مسلم خواتین اور عالمی سیاست

تہذیبی ترقیات میں آج مسلم خواتین کا عنوان نمایاں حیثیت کا حامل ہے، عالمی سیاست میں بھی ان کی بڑی اہمیت ہوگئی ہے، اسلامی تاریخ کے آغاز ہی سے دنیا کی سپر طاقتوں کے قائدین کی تخریبی کارروائیاں راز اور سر پنہاں نہیں ہیں، بلکہ واشگاف انداز میں طشت از بام ہوچکی ہیں، انہوں نے پہلے مرحلہ میں قرآن کریم کو تحریف کا نشانہ بنایا اور پوری مہارت اور باریک بینی سے اس کی آیات میں اپنے افکار وخیالات کو خلط ملط کر کے پیش کیا، تاکہ عوام وخواص غیر شعوری طور پر ان کے دام فریب میں آجائیں، یہ قائدین قوم، یہودی طبقہ کے وہ افراد ہیں جنہوں نے استشراقی اسکولوں اور کالجوں میں تربیت حاصل کی ہے اور قرآن وحدیث کا بنظر غائر مطالعہ کیا، صرف اس لئے کہ عقیدۂ اسلامی کے حاملین میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کر کے اس کی جڑوں کو کمزور کردیں اور اسلام کی صداقت وحقانیت اور دنیاوی مسائل پر اس کی ہمہ گیریت کو مشتبہ کر کے پیش کرسکیں۔

مسلم خواتین صالح معاشرہ کی تعمیر میں صرف بنیادی عنصر کا درجہ نہیں رکھتیں بلکہ اسلام کے تہذیبی قلعہ کی خشت اول کی حیثیت رکھتی ہیں، قائدین یورپ نے طویل مطالعہ کے بعد اس حقیقت کا ادراک کیا، اور موضوع کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر اس صنف نازک کو اپنی منفی کارروائیوں کا نشانہ بنایا، مسلم خواتین کے لئے اس انداز سے منصوبہ بندی کی جس سے اسلام کے قائم کردہ اصول وخطوط پر ان کی رگ حمیت پھڑکے اور غیرت وخودداری کا عملی مظاہرہ ہو، خواہ ان اصول کا تعلق مرد وعورت کے مساویانہ حقوق سے ہو یا حجاب اور پردہ کو زیب تن کرنے سے ہو، گھروں میں رہ کر زندگی گزارنے سے مربوط ہو، یا

عورت کے حصہ کو مرد کے حصہ سے کم باور کرا کے ہو، انہوں نے ان تخیلات کی خفیہ اشاعت کی اور نام نہاد مسلم ایجنسیوں کے ذریعہ اندرونِ خانہ معاشرہ میں ان کو عام کیا۔

ایک طرف ہم ان مسلم خواتین کی زریں تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں جنہوں نے اسلامی علوم میں خاصی مہارت پیدا کی اور تفسیر وحدیث میں امامت کے درجہ پر فائز ہو کر تاریخ میں اہم ترین کارنامہ انجام دیا تو دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں مسلم خواتین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو مادی تہذیب سے متاثر ہو کر معاشرہ اور زندگی کے جملہ شعبہ جات میں مغربی خاتون کی ہو بہو نقل اتارنے پر آمادہ ہے اور شوہروں کی اطاعت سے دستبردار ہو کر حجاب جیسے سامانِ تحفظ کو دور پھینک چکی ہے، اور مردوں کے شانہ بشانہ دنیا کے تمام کام میں شریک وسہیم بننے کے لئے کوشاں ہے، لیکن فرنگیت کے تلخ تجربات نے اس نقطۂ نظر میں کافی حد تک تبدیلی پیدا کی اور مرد وعورت کے درمیان مساوات کی پکار کو نارمل کیا، البتہ جن خاندانوں نے مغرب سے متاثر ہو کر ذاتی آزادی اور عمومی ثقافت کے نام سے فرنگی بے اعتدالیوں کو جگہ دی وہ اس کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں، اگر چہ اس کے لئے انہیں کافی جتن کرنے پڑتے ہیں، شر پسند افراد اور مادہ پرست سیاست دانوں کی طرف سے ظلم ومحرومی سے دوچار، گھر کے گھروندوں میں بند مسلم خواتین پر شفقت ومہربانی اور خیر وخواہی کے جذبہ کا مظاہرہ اور انکی حریت کا نعرۂ خیر وصلاح کو عام کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ اس عنوان سے ہیں کہ اسلام مسلم خواتین پر ظلم وزیادتی کو روا رکھتا ہے، اور ان کو تاریخ کے اس تاریک دور میں لا کھڑا کرتا ہے جہاں جانوروں کی طرح عورتوں کو بیچا اور خریدا جاتا تھا، اور نہایت گھٹیا کاموں میں ان کو استعمال کیا جاتا تھا، اور ان کو معاشرہ کا ایک ذلیل عنصر تصور کیا جاتا تھا، انہیں جیسی لغو باتوں کے ذریعہ انہوں نے اسلام کو موردِ الزام ٹھہرایا۔

عالمی قیادتوں کے سربراہان کا نظریہ یہ ہے کہ آج مسلم خواتین مظلوم ومجبور رہ کر معاشرہ میں قدامت پرستوں کا آلۂ کار بنی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی زندگی سے ظلم اور دھوکہ دہی کو دور کرنا اور خارجی دنیا میں ایک ایسے محترم حصہ کی حیثیت سے ان کو نمایاں کرنا از حد ضروری

ہے جو سیاسی امور میں شراکت داری کا معاملہ اختیار کر کے مردوں کے تجربات سے فائدہ اٹھائے اور تمام میدانوں میں اپنی کشتئ حیات کو آگے بڑھائے ، اگر ان ''بہی خواہان مسلم خواتین'' کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسی طرح بے شرمی اور بے حیائی کی زندگی گزاریں جس طرح ایک مغربی خاتون اپنے شب و روز گزارتی ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا زندۂ جاوید نظام حیات اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، اور نہ مرد وعورت کی فطرت اس کو تسلیم کرتی ہے، مغرب میں آزادیٔ نسواں کا پرفریب نعرہ بلند کیا گیا، اور اس کے نتائج بڑے خطرناک اور ناقابل بیان انداز میں ظاہر ہوئے، کویت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ جریدہ ''المجتمع'' نے ''جنسی ہوس پروری کے نتائج'' کے عنوان سے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکہ میں بیس سال سے کم عمر والی ۸۰٪ لڑکیاں زنا کی مرتکب ہوتی ہیں اور دس لاکھ نوجوان لڑکیاں ہر سال ناجائز طریقہ سے حاملہ ہوتی ہیں، جن میں سے ۵۶٪ فطری طور پر بچوں کی ولادت کا سبب بنتی ہیں، اور ۳۰٪ حمل کو ضائع کرا دیتی ہیں اور ۱۴٪ اسقاط حمل کراتی ہیں، قریب البلوغ لڑکیوں کے اکثر حمل ناجائز طریقے سے دوسرے لوگوں کے ہوتے ہیں، اسقاط کے اس عمل میں ستر کروڑ ڈالر کا سالانہ صرفہ ہوتا ہے، برطانیہ میں ساٹھ ہزار قریب البلوغ لڑکیاں حاملہ ہوتی ہیں جن میں ۴۵٪ اسقاط حمل کراتی ہیں، اور ایک لاکھ نوے ہزار خواتین سال میں جنسی جارحیت کا نشانہ بنتی ہیں، سال میں طلاق کا تناسب ۵۱٪ ہے جبکہ اس سے متاثر ہونے والے بچے ایک لاکھ سینتالیس ہزار ہیں۔

یہ صرف ایک مختصر اشارہ ہے، ورنہ مغرب میں جنسی جرائم کا گراف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ اس کو صفحات، کیا جلدوں میں لکھا نہیں جا سکتا، جرائم پیشہ افراد کی دلی خواہش ہے کہ اس متلاطم سمندر کی موجیں پاک طینت گھرانوں کو بھی اپنے لپیٹ میں لے لیں اور پوری شدت اور قساوت قلبی کے ساتھ ان کو اپنا لقمۂ تر بنا لیں، وہ چاہتے ہیں کہ مسلم خواتین عفت وحیا کی چادر کو تار تار کر کے مارکیٹوں اور پارکوں کی زینت بنیں، آزادی، مساوات اور معاشرہ اور وطن کی تعمیر میں شراکت داری کے نام سے فحاشی اور بے حیائی کے اڈوں میں

آئیں اور اپنی جنسی بے راہ روی کا بھرپور مظاہرہ کریں، مغربی قائدین اُن مسلم خواتین کے لئے بہت فراخدل ہوگئے ہیں جو دائمی سعادت سے بہرہ مند ہوکر اندرون خانہ صالح معاشرہ کی تعمیر میں مشغول ہیں تا کہ ایسے جواں مردافراد اور قوم کے سپاہی تیار ہوکر نکلیں جو انسانیت کو عزت وشرافت کی شاہراہ پر لا کھڑا کریں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ مختلف جماعتوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، فضلیت وبرتری کا معیار صرف قوت، مال اور جاہ ومنصب تھا، عورت بڑی ستم رسیدہ اور بدنصیب تھی، اس کو خدمت گزاری اور پر مشقت کام کے لئے تیار رکھا جاتا تھا، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو جانوروں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے، جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس نے عورت کو انسانیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا اور اس کو اس کے وہم وخیال سے بڑھ کر بلند حوصلگی عطا کی، اس کے وجود کو قیمتی آبگینہ اور قابل تحفظ ہیرا قرار دیا۔

مسلم خواتین کی حفاظت وصیانت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، یہ فرض صرف اس کے قریب ترین اہل خانہ ہی انجام دے سکتے ہیں جو ان کی عزت کو اپنی عزت اور ان کے تقدس کی پامالی کو اپنے لئے بے عزتی اور ذلت تصور کرتے ہیں اور اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ وہ غیروں کے ہاتھوں کا کھلونا بنے، جو "حضرات" مسلم خواتین پر اپنی شفقت کا اظہار کررہے ہیں، اور گھر اور معاشرہ کی تعمیر میں ان کے احساس ذمہ داری کو ظلم تصور کرتے ہیں وہ درحقیقت احساس کہتری کے شکار ہیں اس کے ذریعہ وہ فطرت سے بغاوت اور عمیق کھائی میں ان کو گرانے پر تلے ہوئے ہیں، وہ ان کو ان مغربی خواتین کے نقش قدم پر ڈالنا چاہتے ہیں جو گندی جنسی آوارگی سے تو خود محفوظ نہیں چہ جائیکہ محبت اور رحم دلی کے جذبات ان کے دل میں انگڑائی لیں، وہ نو عمر لڑکوں اور نوجوانوں کے پیچھے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوڑ رہی ہیں، اور ایسی خباثتوں اور گندگیوں میں ملوث ہونے پر مصر ہیں جن سے جانور بھی شرما جائیں۔

آخر کیوں مسلم خواتین کو خاتون خانہ بننے کے بجائے بازاروں کی زینت بننے پر اصرار کیا جارہا ہے، خاندان اور معاشرہ کی تعمیر میں ان کے بنیادی کردار سے صرف نظر

کر کے بے دخل کیا جا رہا ہے اور انہیں پارلیمنٹ، راجیہ سبھا اور مونسپلٹی کی ممبری کے لئے انتخابی سرگرمیوں کا جز بنایا جا رہا ہے یا کسی علاقہ اور سوسائٹی کی چیئر پرسن کی حیثیت سے نامزد کیا جا رہا ہے تاکہ مرد اور مرد نما مردوں، سیاسی پارٹیوں کے ممبران وصدور کے ساتھ ان کا اختلاط رہے اور وہ اپنے شوہروں اور بچوں کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت ذیل میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کیا ہے اور مسلم خواتین کی زینت کے حدود کو ظاہر کرتے ہوئے پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:

وقل للمؤمنٰت يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ماظهر منهاوليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو أبنا ئهن أو أبناء بعولتهن أو إخوانهن وأوبني أخواتهن أو بني أخواتهن أو نسائهن أو ماملكت أيمانهن أو التابعين غير أولي الإربة من الرجال أوالطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن وتوبوا إلى الله جميعا أيها المؤمنون لعلكم تفلحون. (النور:۳۱)

''اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ہاں جو اس میں سے ظاہر اور کھلا ہوا رہتا ہے اور دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں، اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا ان مردوں پر جو خدمتی ہوں اور عورت کی طرف انہیں ذرا توجہ بھی نہ ہو، یا ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کے پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں، اور عورتیں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے، اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو اے ایمان والو! تا کہ تم فلاح پاؤ۔

☆☆☆

تمباکونوشی اور اسلام

تمباکونوشی ہمارے انسانی معاشرے کی ایک بڑی کمزوری ہے، اس کے جسمانی وذہنی نقصانات سے قطع نظر ایک بڑے طبقہ میں اس کا استعمال مدتوں سے مختلف شکلوں میں جاری ہے، تمباکونوشی کے رجحان کو کم کرنے اور اس پر قابو پانے کے لئے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، انسانی صحت پر اس کے گہرے اثرات، اجتماعی اور اقتصادی حیثیت سے اس کے بڑے نقصانات کا تذکرہ اور ان پر تفصیلی بحث، واقعات وحقائق اور اعداد وشمار کی روشنی میں اس کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے، مختلف ذرائع اختیار کئے گئے اور اس کے نقصانات کا جائزہ لینے کے لئے اور انسانی آبادی کے وسیع رقبے تک اس کی آواز پہونچانے کے لئے نہ جانے کتنی نشستیں اور کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں، سب سے پہلے اس بری عادت، بلکہ اس ذہنی بیماری کی ابتداء وقتی سکون حاصل کرنے کے لئے ''کولمبس'' کے ایک ساتھی، جہاز کے کیپٹن نے کیا، یہ اپنے جہاز کو پرتگال لیکر آیا تھا اور وہاں اس وباء کو پھیلانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا، پھر تمباکونوشی کی بیماری، پرتگال میں متعین فرانس کے سفیر ''جان نیکو'' نے پھیلائی، اور اسی کے نام سے نیکوٹین (NICOTINE) کا مادہ ایجاد ہوا، جو تمباکو کا بنیادی جزء قرار دیا جاتا ہے، پھر یہیں سے یہ بیماری دنیا کے مختلف ملکوں میں عام ہوئی اور وقتی طور پر ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے اس کا استعمال شروع کر دیا، پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء کے دوران باہم دست وگریباں حکومتوں نے اپنے فوجیوں کو چاق وچوبند رکھنے کے لئے مفت طریقے سے اس کو تقسیم کیا، اور اس کو بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

اگر چہ وقتی طور پر تمبا کو نوشی سے ایک سرور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان اس کا عادی بن جاتا ہے پھر یہ عادت اس قدر راسخ ہو جاتی ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا تقریباً ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔

تمبا کو کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمبا کو کے اندر ۲۵۰ر زہریلے مادے موجود ہیں، ان میں سب سے بنیادی زہر نیکوٹین ہے،اس کا سب سے برا اثر دل کی دھڑکن اور ہائی بلڈ پریشر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے،اس کے علاوہ اور دوسری بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جیسے پھیپھڑے کا کینسر، حلق اور آنتوں اور گردے کی بیماریاں،اس کے علاوہ (السر) معدے کا زخم اور اس کی وجہ سے اور دوسری بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جنکا علاج بھی مشکل ہوتا ہے۔

تمبا کو نوشی کے مضر اثرات تمبا کو نوش پر اس طرح مترتب ہوتے ہیں کہ اس کی عمر تقریباً ۱۲ر سال کم ہو جاتی ہے، جائزہ کے مطابق اس کی ایک خوراک حیات مستعار کے ۱۸ر سکینڈ کم کرتی ہے، مرنے والوں میں ان لوگوں کی تعداد نسبتاً بہت زیادہ ہوتی ہے، جو تمبا کو استعمال کرتے ہیں۔ تمبا کو نوش افراد کینسر اور امراض قلب کے زیادہ شکار ہوتے ہیں، ننانوے فیصد تمبا کو نوش دمہ یا (ASTHMA) کے مریض ہوتے ہیں، تمبا کو نہ صرف پورے اعضائے جسم کو متاثر کرتا ہے، بلکہ عقلی توازن کو بھی سلب کر لیتا ہے، کھانسی، نزلہ، رگوں کی سوزش، نرخرے میں کینسر یہ سب امراض تمبا کو کے استعمال سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔

(Sunday Times) کے طبی کالم نگار Olepher Telly نے ماہنامہ Reader Digest میں بعنوان'' تمبا کو نوشی شاہوں کے لئے بھی سم قاتل'' ایک مقالہ لکھا اور اس میں ذکر کیا کہ برطانیہ کے چار حکمراں ایسے گذرے ہیں جو تمبا کو کے عادی تھے اور اسی مرض میں ان کا انتقال بھی ہوا۔

(ا) شاہ انگلستان ہفتم ایڈوارڈ (Edward) نے تمبا کو کو معاشرتی سطح پر بہت رواج دیا، اس کا معمول تھا کہ ناشتہ سے پہلے پابندی سے اس کا استعمال کرتا تھا، جب اس کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو رگوں کی سوزش میں مبتلا ہوا، ڈاکٹروں نے تمبا کو کی پرہیز بتائی

لیکن اس نے توجہ نہیں دی، بالآخر ۶۰ ر سال کی عمر میں اس کا ذہنی توازن مفقود ہوا، اور ۶۸ ر سال کی عمر میں اس کی وفات ہوگئی۔

(۲) شاہ پنجم (George) بھی تمباکو نوشی کا عادی تھا، چنانچہ اس کو متعدد امراض لاحق ہوئے، عمر کی ساتویں دہائی میں یہی امراض جان لیوا ثابت ہوئے۔

(۳-۴) شاہ ششم (George) اور اس کے بھائی ایڈوارڈ ہشتم کو ۱۲-۱۳ ر سال ہی کی عمر سے تمباکو نوشی کی عادت پڑ گئی تھی، دن میں وہ دونوں چالیس، پچاس بار اس کا استعمال کرتے تھے، تمباکو کی کثرت استعمال سے ایک کو پھیپھڑے اور دوسرے کو حلق کا کینسر ہوا، اور اسی مرض میں ۱۹۵۲ء کے سال میں ان دونوں کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا۔

اس موقع پر لندن کے مشہور اخبارات (Londan Times) اور (Jardan Times) میں تمباکو نوشی سے متعلق بہت سے مقالات لکھے گئے، ان میں انسداد تمباکو نوشی کی مہم کی پرزور تائید بھی کی گئی ہے۔

آج اس زمانے میں جبکہ نشہ آور چیزوں کی عادت بہت پھیل چکی ہے، اور تمباکو کا استعمال کرکے ذہنی سکون حاصل کرنے اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے فرار اختیار کرنے کی صورت حال بہت عام ہو چکی ہے، ضروری ہے کہ اس معمول کے انسداد کے لئے ایک مہم چھیڑی جائے جو اپنی تاثیر اور افادیت کے اعتبار سے پوری طرح کامیاب ہو، اور وہ اس موذی بیماری سے نہ صرف امت کے نوجوانوں کے لئے بلکہ ہماری سوسائٹی کے تمام افراد کے لئے عبرت کا سامان فراہم کرے اور بری عادت سے باز رکھنے میں اس کا کردار نہایت اہم اور عام ہو۔(۱)

مقام مسرت ہے کہ حکومت ہند کی طرف سے کچھ دنوں پہلے ایک اعلانیہ جاری ہوا ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ عام جگہوں اور بازاروں، سفر کی حالت میں سگریٹ وغیرہ استعمال کرنا قابل مواخذہ جرم ہے۔

☆☆☆

(۱) اس مقالہ کے اعداد و شمار کی ترتیب میں شیخ سیف بن عبداللہ الحاتمی کے مقالے "تمباکو نوشی کے مضر اثرات" سے بھی مدد لی گئی ہے۔

دختر کشی یا نسل کشی؟!

بعض مسلم اقلیتی ممالک ،خاص طور سے عالمی توجہات کے مرکز ہمارے ملک ہندوستان میں لڑکیوں کو رحم مادر ہی میں یا ولادت کے فوراً بعد قتل کرنے کی ایک بڑی خطرناک ملعون وبا پھیل گئی ہے، یہ مہلک وبا اس خدشہ میں پھیلی ہے کہ کہیں لڑکیاں والدین پر بوجھ نہ بن جائیں، کیونکہ وہ ان کی شادیوں کے اخراجات کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے ہیں، مزید برآں شادیوں کے ظالمانہ رسم ورواج کی وجہ سے وہ اپنے لخت جگر کو غیر کے سپرد کرنے میں بڑی قیمت ادا کرنے کے مجاز ہوتے ہیں، بے شرمی اور بے حیائی کی انتہا یہ ہے کہ ہونے والا شوہر مع اہل خانہ اپنے مطالبات پورے کرانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا ہے اور کسی حال میں ان سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اگر شوہر کی طرف سے رشتۂ ازدواج کو منقطع کرنے کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل نہ ہوتا تو لڑکی کے والدین واقرباء سے کئے گئے مطالبات کو بہت جلد پورا نہ کرتے، چنانچہ جب شادی کی کارروائی پوری ہوجاتی ہے اور متعینہ مدت میں مطالبات بھی پورے کردیئے جاتے ہیں تو محبت ومودت اور فرحت ومسرت کے لمحات دراز ہوتے ہیں، ورنہ اس کے برعکس جانبین میں اجنبیت ،معاملات میں سخت گیری اور ناپسندیدگی کا اظہار اور خاص طور سے دلہن کی زندگی کا خاتمہ یقینی صورت اختیار کرجاتا ہے۔

یہ وہ صورت حال ہے جس سے آج کا مسلم معاشرہ بھی دوچار ہے، لیکن اس کے بہ نسبت موجودہ غیر مسلم معاشرہ میں یہ وبا تیزی سے پھیل رہی ہے، بسا اوقات مقامی صحافت میں لڑکیوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارنے کے واقعات کے اسباب اور حقائق کو پوری وضاحت

سے شائع کیا جاتا ہے، خواہ الٹرا ساونڈ (Ultra Sound) کے ذریعہ جنین کی حالت میں ان کے جنس کی تعیین ہوگئی ہو اور راستے سے ان کو ہٹانا ممکن بھی ہو، یا ولادت کے بعد خفیہ علاج ومعالجہ اور دوسرے بدترین ذرائع سے اس ناپاک حرکت کو انجام دیا جانا آسان ہو۔

زمانۂ قدیم میں جزیرۃ العرب کے بعض قبائل بھی اس خبیث وغیر انسانی فعل کے مرتکب تھے، کیونکہ ان کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ جب ان کی لڑکیوں کی شادی انجان اور اجنبی اشخاص کے ساتھ ہوگی تو وہ دوسرے اور سامانوں کی طرح ان کے مالک بن جائیں گے، ان کے ساتھ جو چاہیں گے تصرف کریں گے اور من چاہی خدمت لیں گے، اسلام کے آنے سے پہلے لوگوں میں یہ بری عادت اور شر آمیز خصلت پائی جاتی تھی، اور یہ حقیقت ہے کہ جب بھی دین سے بے اعتنائی برتی جائے گی اور اخلاقی وانسانی قدروں کو پس پشت ڈالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اُس وحشیانہ اور ظالمانہ جہالت کی صورت میں ظاہر ہوگا، جس نے جاہلیت کے پورے ماحول پر اپنا سکہ جما رکھا تھا یہی وہ ہمہ گیر اثر تھا جو ذلت واحساسِ کمتری کے شکار حلقوں میں اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا، لہٰذا جب اسلام آیا اور اس وقت لوگوں میں بدبختی وخوش بختی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان کوئی امتیاز وتفاوت باقی نہیں رہ گیا تھا، تو وہ منظر سامنے آیا جس سے تاریخ آج بھی آشنا ہے اور اس کو اس نے حسرت والم کی روشنائی سے قلمبند کر رکھا ہے کہ مرد پر لوگوں کی توجہ زیادہ تھی، جب کہ عورت کا انجام مٹی کا گڑھا تھا، اسی کو اللہ رب العزت نے اس طرح تعبیر کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم ، يتوارى من القوم من سوء ما بشر به أيمسكه على هون أم يدسه في التراب ،ألا ساء ما يحكمون "(نحل:۵۹-۵۸)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور (دل میں) گھٹتا رہتا ہے اور بری خبر پر وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے کہ آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ ہائے کیسی بری تجویز یہ کرتے ہیں۔''

جب بھی کسی انسانی معاشرہ میں لڑکیوں کو قتل کر دینے کی یہ ظالمانہ صورت حال پائی

جائے گی تو یہ دانا و بینا اور پیدا کرنے والے رب العزت کی قدرت سے کھلم کھلا اعلان جنگ ہوگا اور اس کی نعمت کی ناشکری و ناقدری شمار ہوگی۔

آج مسلم معاشرہ میں بھی یہ وحشیانہ و جارحانہ وبا پھیلتی جارہی ہے، معاشرہ کی یہ حالت اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے قلوب مردہ ہوگئے ہیں اور انسان جانوروں و درندوں میں تبدیل بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ صنف نازک کی تعداد دن بدن خطرناک طریقے سے گھٹتی جارہی ہے، یہاں تک کہ بعض علاقوں میں یہ تناسب گرتے گرتے ۳۳ فیصد ہوگیا ہے، اور ایسی تمدنی و معاشرتی مشکلات سامنے آرہی ہیں، جن کا کوئی حل ہی نظر نہیں آرہا ہے، لڑکیوں کو قتل کردینے ہی کی وجہ سے ۳۳% فیصد مردوں کے لئے ازدواجی زندگی میں داخل ہونا مشکل ہوگیا ہے، نتیجہ بالکل واضح ہے کہ اب شادی سے محروم نوجوانوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے کہ وہ عیاشی وفحاشی اور فسق وفجور کے خفیہ اڈوں کا رخ کریں اور طوائفوں اور جسم فروشوں کے کوٹھوں پر اپنی جنسی خواہشات کو پوری کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان ناگفتہ بہ حالات اور اس گھناونی حرکت کے فروغ نیز بین الاقوامی سطح پر آلات لہو و طرب کے استعمال سے نہ کثرت آبادی کا مسئلہ حل ہوگا، اور نہ فیملی پلاننگ میں کامیابی ملے گی، بلکہ اس سے امراض کا ہجوم ہوگا اور مفلسی وقلاشی کا دور دورہ ہوگا، ضرورت ہے کہ صحیح اسلامی تعلیمات کو حرز جاں بنا کر کاروانِ حیات کو سوئے منزل گامزن رکھا جائے، لیکن اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے اسلامی شریعت کے عادلانہ اور اعتدال پسند اصول وقواعد سے واقفیت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

کاش ہمارے خواص وعوام اسلام کے بتائے ہوئے زریں اصول وقواعد کو معلوم کرکے ان کا عملی تجربہ کرتے، اگر اس تجربے میں وہ انسانیت کا فروغ اور مسائل کا حل پالیں تو یہ ایک بڑی کامیابی اور ملک کو خوش حال بنانے کی طرف ایک عملی قدم ہوگا، ورنہ نتائج نہایت بھیانک شکل اختیار کرسکتے ہیں، اور بجز قدرت الٰہی کے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔ (۱)

(۱) یہ مضمون دراصل عربی میں ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے عربی جریدہ الرائد کے لئے لکھا گیا تھا، مولوی محمد اقرار ندوی بارہ بنکوی نے اس کو اردو میں منتقل کیا۔ جزاہ اللہ في الدارین خیرا۔